# شمامۃ العنبر

## ملفوظات

حضرت مولانا سید شاہ وارث حسنؒ

بسم الله الرحمن الرحيم

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

# شمامۃ العنبر

یعنی

ملفوظات مجدّد وقت قطب زماں غوث دوراں حامئ دین متین ہادئ راہ یقین سراج السّالکین تاج العارفین عمدۃ الکاملین مولانا و مقتدانا و مُرشدنا حضرت حاجی الحرمین الشریفین سیّد شاہ وآرث حسَن کوڑہ جہان آبادی نوّر اللہ مرقدہٗ

مرتبہ

خادم الفقراء سیّد محمد ذوقی

| | | |
|---|---|---|
| اشاعت اوّل | : | ۱۹۳۱ء پٹنہ، بھارت |
| اشاعت دوم | : | ۱۹۵۸ء بمبئی، بھارت |
| اشاعت سوم | : | ۱۹۹۰ء کراچی |
| اشاعت چہارم | : | ۲۰۰۴ء کراچی |
| طباعت | : | پرائم پرنٹرز<br>D-10/A، سائٹ، کراچی 75700 |
| ناشرین | : | محفل ذوقیہ<br>C-67، 14/A، نارتھ کراچی،<br>نزد سخی حسن قبرستان، کراچی 75850 |
| برائے رابطہ | : | مکتبہ ذوقیہ<br>112 نواب اسماعیل خان روڈ،<br>عامل کالونی نمبر۲، کراچی 74800<br>فون: 4914162 |
| قیمت | : | Rs. 150/- |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

# پیش لفظ

محفلِ ذوقیہ اپنے زمانہ کے مجدّدِ وقت، قطبِ زماں، غوثِ دَوراں، حامیِ دینِ متین، ہادیِ راہِ یقین، سراج السالکین، تاج العارفین، عمدۃ الکاملین مولانا و مقتدانا و مُرشدنا حضرت حاج الحرمین الشریفین سیّد شاہ وارث حَسَن صاحب کوڑہ جہان آبادی رزقنا اللّٰہ تعالیٰ من برکاتہ کے ملفوظات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ملفوظات حضرتِ اقدسؒ کے خلیفہ اعظم جناب شاہ سیّد محمّد ذوقی قدس سرہ العزیز نے جناب شیخ شوکت علی ایڈوکیٹ اور مولوی خلیل الرحمٰن بہاری کی معاونت سے مرتّب فرمائے ہیں۔ ہم حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ کے صاحبزادہ جناب سیّد تشفی حسن صاحبؒ کے شُکر گزار ہیں کہ انھوں نے محفلِ ذوقیہ کو ان ملفوظات کے طبع کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اجازت نامہ کا عکس شاملِ اشاعت ہے۔

مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ کا تعارف دیباچہ کتاب ہذا میں موجود ہے۔ ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت شاہ سیّد محمّد ذوقیؒ کا مختصر تعارف بھی قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

حضرت شاہ سیّد محمّد ذوقیؒ کا تعلق ساداتِ بُخارا سے ہے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سیّد جلال گُل سُرخؒ بُخارا سے ترک سکونت کر کے ہندوستان تشریف لائے۔ شاہ صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۷ رمضان المبارک ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۸۷۷ء کو کھورئی ضلع ساگر (مدھیہ پردیش

بھارت) میں ہوئی تقریباً دس سال کی عمر میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکۂ معظّمہ میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی رح کی خدمت میں حاضر ہونیکا موقع ملا۔

شاہ صاحب رح کی ابتدائی تعلیم کھورئی ضلع ساگر میں ہوئی۔ اپنے والد ماجد سے عربی سیکھی باقاعدہ تعلیم ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۳ء تک جبلپور میں اور ۱۸۹۳ء سے ۱۸۹۶ء تک علی گڑھ میں حاصل کی۔ آپ کے ہم جماعتوں میں مولانا محمد علی جوہر شامل تھے۔

شاہ صاحب رح نے عملی زندگی کا آغاز ملازمت سے کیا پھر صحافت کے پیشہ سے منسلک ہوئے بعد میں تجارت شروع کی۔ ۱۹۱۳ء میں کاروبار کو خیرباد کہہ کر تلاشِ حق میں نکلے۔ اجمیر شریف کی حاضری کے وقت مُرشد کامل کے لئے دُعا کی جو مقبول ہوئی اور مولانا شاہ وارث حسن صاحب رح کی شبیہ مُبارک خواب میں دکھلائی گئی۔ ۲۸ نومبر ۱۹۱۳ء کو لکھنؤ میں مولانا شاہ وارث حسن صاحب رح سے پہلی مرتبہ ملے۔ فوراً پہچان لیا کیونکہ ان کی شبیہ خواب میں دیکھ چکے تھے۔ مولانا صاحب رح نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

"اتنے دن کہاں لگا دیئے۔ ہم تو بہت دنوں سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

۱۶ فروری ۱۹۱۴ء کو مولانا شاہ وارث حسن صاحب رح سے بیعت کی پھر مجاہدات شاقہ کا دَور شروع ہوا جن میں درگاہ حضرت محبوب الٰہی رح اور درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز رح میں قیام اور درگاہ حضرت مخدوم صابر رح پر چالیس دن کی حاضری بھی شامل تھی۔ ۷ اگست ۱۹۱۶ء کو خلافت نیابتی اور بروز دوشنبہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ بمطابق ۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو خلافت مطلقہ سے نوازے گئے۔ رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ

بھی جاری رہا۔ ایک ماہنامہ کا بھی اجراء فرمایا جس کا نام "انوار القدس" تھا اور جو خالصتاً تصوف کے مضامین پر مشتمل ہُوا کرتا تھا۔ مختلف شہروں میں قیام رہا جن میں اجمیر شریف، حیدر آباد دکن، دہلی، بمبئی اور پشاور شامل ہیں۔ مریدین کے حلقہ میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔

رشد و ہدایت اور تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ شاہ صاحبؒ مُلکی سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے ۱۹۰۷ء میں مسلم لیگ سے منسلک ہُوئے اور اسکے سرگرم کارکن رہے۔ اجمیر شریف ضلع اور صوبہ مسلم لیگ کے صدر رہے۔ نیز آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رُکن رہے۔ قائداعظم سے طویل مُلاقاتیں رہتی تھیں نیز خطوط کے ذریعہ انھیں اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ قائداعظم کے نام شاہ صاحبؒ کے کچھ خطوط شریف الدین پیرزادہ کی کتاب QUAID-E-AZAM JINNAH'S CORRESPONDENCE میں شامل کیئے گئے ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد کراچی تشریف لے آئے۔ ۱۹۵۱ء میں مریدین اور متعلقین کی ایک جماعت کے ساتھ شاہ صاحبؒ حج کے لئے تشریف لے گئے حج کے رُکن اعظم وقوف عرفات کے دن مغرب سے کچھ دیر قبل میدانِ عرفات میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور میدانِ عرفات ہی میں جبلِ رحمت کے قریب آپؒ کی تدفین ہُوئی ؎

اے خاکِ مکّہ دلبرِ ما را عزیز دار
ایں آلِ مصطفیٰ ست کہ در بر گرفتہ ای

شاہ صاحبؒ کے مُریدین اور متعلقین کی ایک کثیر تعداد پاکستان، بھارت اور دُنیا کے کئی دُوسرے ممالک میں موجود ہے۔

شاہ صاحبؒ کی تصانیف میں مصطلحاتِ تصوّف پر ایک نادر کتاب سرِّ دلبراں، مضامینِ ذوقی (اُردو) مضامینِ ذوقی (انگریزی)، برزخ، بادہ و ساغر (انگریزی)، القا الہام وحی، کُتب سماوی پر ایک نظر اور SUFISM انگریزی میں تحقیقی مقالہ NEW SEARCHLIGHT ON VEDIC ARYANS شامل ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے ملفوظات جو اُن کے خلیفہ اجل حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ، کپتان واحد بخش سیال صاحب، جناب سیّد شریف الحسن اور راقم پیش لفظ ہٰذا نے مرتّب کئے ہیں "تربیتُ العشّاق" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ نیز شاہ صاحبؒ کے سفرِ حج کے حالات پر مبنی کتاب "حجِ ذوقی" کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔

بزرگوں کی یہ تصانیف اور ملفوظات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض وغایت اسکے سوا کچھ نہیں ہے جس کا اظہار حضرت شہید اللہ فریدیؒ نے "تربیتُ العشّاق" کے پیش لفظ میں کیا تھا۔ آپؒ نے فرمایا تھا:

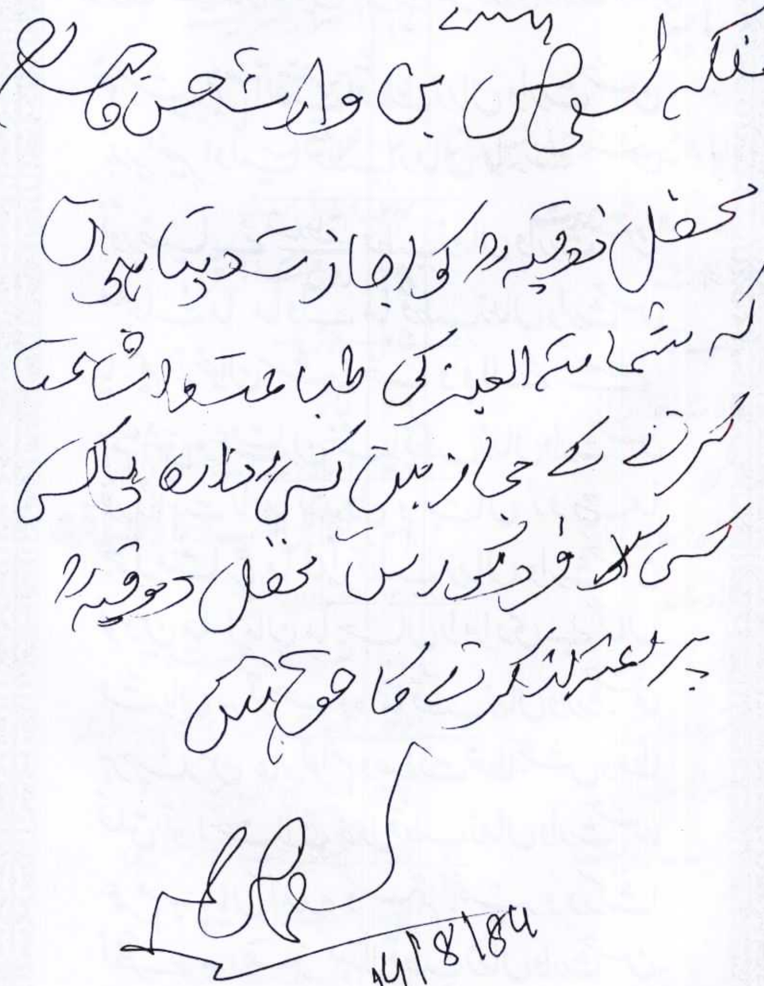
"ہم "تربیتُ العشّاق" صرف تبلیغ کی نیّت سے شائع کر رہے ہیں کیونکہ بزرگوں کے اقوال اور ان کی زندگیاں قرآنِ کریم اور سُنّت النبیؐ کی صحیح تفسیر ہوتی ہیں۔ اگر ایک بھی شخص یہ ملفوظات پڑھ کر متاثر ہو اور اپنے حالات کی اصلاح کرلے تو یہ ہمارے لئے دُنیا و ما فیہا سے زیادہ قابلِ قدر ہوگا۔"

اِس پیش لفظ کا اختتام بھی ان ہی الفاظِ طیّبہ پر کیا جاتا ہے۔

خادمِ سلسلہ

محمد حسین برے عفی عنہ

حضرت مولانا سیّد شاہ وارث حسن صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا تشفی حسن صاحبؒ نے محفلِ ذوقیہ کو شمامۃُ العنبر کی طباعت و اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اُن کے اجازت نامہ کا عکس حسب ذیل ہے۔



منکہ تشفی حسن بن وارث حسن صاحب رحمہ

محفل ذوقیہ کو اجازت دیتا ہوں

کہ شمامۃ العنبر کی طباعت و اشاعت

کرنے کے مجاز ہیں کسی ادارہ یا کسی

کسی کو اس کے حقوق نہیں محفل ذوقیہ

پر اشاعت کرنے کا حق ہے

۱۹/۸/۸۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# منقبت

## درشانِ حضرت شاہ سیّد وارث حسن رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا محمّد حسین بری رمز مخدومی وارث حسنی

خورشید بزم اتقیا قطبِ زماں وارث حسن
بدرِ منیر اولیا قطبِ زماں وارث حسن

نورِ ضیائے مصطفےٰ قطبِ زماں وارث حسن
ملجائے ما ماوائے ما قطبِ زماں وارث حسن

یا ہیم از خوانِ شما حُبّ و وِلائے مصطفےٰ
ہم عشق و عرفانِ خدا قطبِ زماں وارث حسن

نورِ نگاہت راہہا نقدِ دل و جاں روحِ ما
جُملہ متاعِ ما فدا قطبِ زماں وارث حسن

تو دینِ ما ایمانِ ما جاں رامرادی بے گماں
قرباں بہ تو جلوہ نما قطبِ زماں وارث حسن

ہر چند من عارِ توام وصفت خطا بخش و عطا
خُلقِ تو اخلاقِ خدا قطبِ زماں وارث حسن

عمرم بہ پایاں آمدہ دستم بگیر و در کشا
نظرے بہ رمزِ مبتلا قطبِ زماں وارث حسن

# فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بندۂ ناچیز خلیل الرحمٰن بہاری و شیخ شوکت علی لکھنوی و سیّد محمد ذوقی فرخ آبادی جامع ملفوظات خدمت میں جمیع مسلمین کی پیشکش ہیں حق تعالیٰ برکت وفائدہ عطا کرے۔

# دیباچہ

**تمہید:** اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنا، ان کے اذکار و احوال کا مطالعہ، ان کے اقوال و ملافیظ پر نظر، اور محبت و خلوص کے ساتھ اُن کے حالات اور اُن کی پاکبازانہ زندگی سے متاثر ہونا اصلاحِ حال اور ترقیٔ مدارج کا زینہ ہے۔

حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ اپنی مشہور کتاب تذکرۃ الاولیاء کے دیباچہ میں اولیاء اللہ کے حالات قلم بند کرنے کی برکات کے متعلق جو کچھ تحریر فرماتے ہیں اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

"اس تذکرہ کو میں نے متعدد وجوہ سے تصنیف کیا۔ ایک یہ کہ میری یادگار رہے لوگ اس سے فائدہ حاصل کرکے مجھے دعائے خیر سے یاد کریں۔ اور اہل اللہ میری تذکرہ نویسی سے خوش ہوں تو اُن کی خوشی کا فائدہ مجھے آخرت میں حاصل ہو۔ جس طرح کہ یحییٰ عمارؒ کو جو امام ہرویؒ اور حضرت شیخ عبداللہ انصاریؒ کے اُستاد تھے بعد وفات لوگوں نے

خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ پر کیا گزری تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا کہ اے یحییٰ میں تجھ سے سخت باز پرس کرتا لیکن چونکہ تو ایک مجلس میں میرا ذکر کر رہا تھا اور میرا ایک دوست اُسے سُن کر خوش ہوا میں نے تجھے بخش دیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت شیخ بوعلی دقاقؒ سے سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص اولیاء اللہ کے حالات سُنے اور ان پر عمل نہ کر سکے تو حالات سننے والے کو کچھ فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ مرد اگر طالب ہوگا تو اس کی طلب بڑھ جائے گی اور ہمّت قوی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ وہ اگر متکبر ہوگا تو اس کا تکبّر کم ہو جائے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت جنید بغدادیؒ سے سوال کیا کہ مریدوں کو پیروں کے ذکر سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مردان خدا کا ذکر اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے کہ مرید اس لشکر سے مدد پاتا ہے اور ٹوٹا ہوا دل اس مرید کا مضبوط ہو جاتا ہے اور دلیل اُس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم اگلے پیغمبروں کا قصہ آپؐ سے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ آپؐ اس سے آرام پکڑیں اور آپؐ کا دل قوی ہو جائے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ عند ذکر الذاکرین تتنزل الرحمۃ یعنی ذاکرین کا ذکر کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی ارواح سے اس پریشان زمانہ کو فیض پہنچے اور اس فیض کی برکت سے لوگوں کو قبل از مرگ دولت سعادت نصیب ہو۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ میں نے اولیاء اللہ کے کلام کو قرآن وحدیث کے بعد تمام کلاموں سے بہتر اور قرآن وحدیث کے مطابق پایا۔ اس لئے میں نے یہ کام شروع کیا۔ کہ گو میں ان کے مرتبہ کا نہیں لیکن شاید اللہ اُن کے ذکر کی بدولت مجھے بھی صاحب مرتبہ کر دے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جس نے کسی قوم کی مشابہت کی پس وہ ان ہی میں سے ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ مدعیوں کو اچھا سمجھو کیوں کہ وہ محقق ہوتے ہیں اور ان کے قدم چوموکیوں کہ اگر وہ بلند ہمت نہ ہوتے تو یہ دعویٰ نہ کرتے۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ قرآن واحادیث سمجھنے کے لئے عربی کی استعداد ضروری ہے۔ میں نے اولیاء اللہ کے حالات فارسی میں لکھے ہیں۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر کوئی شخص ناگوارِ خاطر بات کہے تو انسان اس کے قتل تک کے درپے ہو جاتا ہے جب مخالفت کی بات اتنا اثر کرتی ہے تو موافقت کی بات کیا ذرا بھی اثر نہ کرے گی؛ حضرت شیخ عبدالرحمٰن اسکافؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ قرآن و احادیث کا پڑھنے والا اگر مطالب نہ سمجھے تب بھی فائدہ اٹھائے گا یا نہیں؛ آپ نے فرمایا کہ ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ جس طرح کہ دوا پینے والا دوا پینے سے فائدہ اٹھاتا ہے اگرچہ وہ اس دوا کے اجزاء سے واقف نہیں۔

نویں وجہ یہ ہے کہ میں چاہتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سوائے اولیاء اللہ کے میں کسی کا ذکر نہ کروں نہ سنوں۔ اس لئے میں نے یہ کتاب تصنیف کی۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے **حضرت امام یوسف ہمدانیؒ** سے سوال کیا کہ جب اولیاء اللہ دنیا میں باقی نہ رہیں تو ہم کیا کریں جس کی وجہ سے مکروہات دنیا سے الگ رہیں۔ فرمایا کہ ایک جزو روزانہ اُن کے حالات کا پڑھا کرو۔

گیارھویں وجہ یہ ہے کہ اپنے حوصلہ کے مطابق اولیاء اللہ کے حالات لکھ کر میں نے ان سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے تاکہ مطابقِ قول **المرءُ مع من احب** میں ان کی برکات سے متمتع ہوں۔

بارہویں وجہ یہ ہے کہ زمانے میں بدکاری پھیلی ہوئی ہے اور نیکو کاروں کو لوگوں نے بھلا دیا ہے میں نے چاہا کہ اس کتاب سے نیکوں کی یاد تازہ رہے اور لوگوں کو اُن سے محبت پیدا ہو۔ لوگ انہیں تلاش کریں ان سے نفع اُٹھائیں اور سعادتِ ابدی حاصل کریں۔

تیرہواں امر یہ ہے کہ اولیاء اللہ کا کلام بعد قرآن وحدیث کے تمام کلاموں سے بہتر ہے اور اُس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کلام لوگوں سے دنیا کی الفت ترک کراتا ہے۔

(۲) اس کلام کو دیکھ کر آخرت یاد آتی ہے۔

(۳) اس سے خدا کی دوستی پیدا ہوتی ہے۔

(۴) اس کلام کو سُن کر توشۂ آخرت جمع کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

(۵) بزرگوں کے اقوال مخنثوں کو مرد، مردوں کو شیر، شیروں کو فرد،

اور فسردوں کو صاحب درد بنا دیتے ہیں۔

چودھویں وجہ یہ ہے کہ شاید اس کتاب کی تصنیف کے صلہ میں یہ بزرگ قیامت میں میری شفاعت کریں اور جس طرح کہ اصحابِ کہف نے اپنے کتّے کی رعایت کی شاید یہ بزرگ بھی میری رعایت کریں اگرچہ میں کتّے سے بھی رتبہ میں کمتر ہوں"۔

صاحب مراۃ الاسرار تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۰۳۰ھ کے وسط میں اس طائفہ بزرگ کے احوال میں سے ایک حالت دریافت کرنے کی غرض سے میں نے چند اربعین متواتر باریاضت شاقہ اختیار کیں لیکن حالت مطلوبہ پیدا نہ ہوئی۔ ایک روز کتاب تذکرۃ الاولیاء کا ابتداء سے ترتیب و شرائط کے ساتھ مطالعہ شروع کر دیا اور انجام تک پہنچانے کی نیّت کر لی۔ جس وقت کہ سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کے معراج کے ذکر پر پہنچا وہ حالت جس کی عرصہ سے تمنا تھی بے تکلف منکشف ہو گئی۔ یقین ہو گیا کہ احوال گذشتگان مفید نہ ہوتے تو حق سبحانہ تعالیٰ ہرگز قصص انبیاء علیہ السّلام رسول علیہ السّلام تک نہ پہنچاتے۔

**اولیاء اللہ سے زمانہ خالی نہیں رہتا:** بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اس زمانے میں اولیاء اللہ کا وجود مفقود ہے اس قسم کے شبہات ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہے اور ان کا دفعیہ بھی ہوتا رہا۔ حضرت کلیم اللہ جہان آبادیؒ سے کسی نے پوچھا کہ "پہلے زمانہ میں اہل اللہ کا جتنا ظہور ہوتا تھا اب کیوں نہیں ہوتا؟" تو آپ نے فرمایا کہ:-

"اہل مکاشفہ اب بھی ویسے ہی ہیں جیسے کہ پیشتر کے زمانہ میں تھے۔ مگر اتنی بات ہے کہ گذشتہ زمانہ میں وہ یا ظاہر کی نوبتِ سلطنت میں تھے اور اس زمانہ

میں یا باطن کے جھنڈے کے نیچے مخفی ہیں"۔

پھر آپ نے مختلف اسمائے دوریہ کی اختلاف نمائیوں اور اُن کی حکمت پر ایک تقریر فرمائی۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری بہاریؒ فرماتے ہیں کہ :-

"عادت الٰہی اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ مشائخ، زہاد، عباد، اوتاد، اخیار، نجباء، نقباء، ابدال، اقطاب، غوث اور سائر اہل اللہ جو صاحبِ جذبات عاشقین و معشوقین ہیں ان سے زمانہ کبھی خالی نہیں ہونے پاتا۔ یہ لوگ ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے"۔

امیر کبیر حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ اپنی کتاب مشارب الاذواق میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"دلیل کشفی و نقلی سے ثابت ہے کہ اقطاب و افراد و اوتاد و ابدال وغیرہم کی جماعت جو عنایت الٰہی اور الطاف نامتناھی سے مخصوص ہے ہر عصر اور ہر زمانہ میں قائم رہتی ہے۔ ان کے ابدانِ زکیہ سبب نظامِ جہان فانی ہوتے ہیں اور ان کے انفاسِ طیبہ آسمانی بلاؤں کو ٹالتے رہتے ہیں۔ حدیث نبوی اس بات کی شاہد ہے۔

لایزال طائفة من امتی علی الحق ظاھرین لایضرھم من خالفھم حتی یاتی امر الله۔ یعنی میری اُمت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر کھلم کھلا رہے گا۔ انکو انکے مخالفوں سے قیامت تک کوئی ضرر نہ پہنچ سکے گا"۔

مندرجہ ذیل حدیثِ نبوی بھی اس سلسلہ میں قابل غور ہے۔

| | |
|---|---|
| قال رسول الله صلی الله علیه | فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ |
| وسلم ابشروا وابشروا انما مثل | خوش ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ کہ نہیں |

امتی مثل الغیث لا یدری اٰخرہ خیر ام اولہ او کحدیقۃ اطعم منہا فوج عام ثم اطعم منہا فوج عام لعل اٰخرہا فوجا ان یکون اعرضہا عرضا واعمقہا عمقا واحسنہا حسنا کیف یہلک امۃ انا اولہا والمہدی وسطہا والمسیح اٰخرہا ولکن بین ذالک فوج اعوج لیسوا منی ولا انا منہم۔

ہے کچھ بجز اس کے کہ حال میری امت کا مشابہ ہے حال مینہ کے کہ نہیں جانا جاتا (یعنی بارش کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا) کہ پچھلا حصہ اس کا بہتر ہے یا اگلا حصہ یا (حال میری امت کا) مانند ایک باغ کے ہے جس سے سال بھر تک ایک فوج کو کھلایا گیا پھر سال بھر تک اُس میں سے ایک فوج کو کھلایا گیا۔ اغلب ہے کہ اس باغ کا آخری حصّہ زیادہ چوڑا ہو اور زیادہ گھنا ہو اور زیادہ بہتر ہو بلحاظ خوبیوں کے۔کیوں کر ہلاک ہو وہ اُمت جس میں پہلے میں ہوں اور درمیان میں اس کے مہدی ہوں اور اخیر میں اُس کے مسیح ہوں۔ لیکن درمیان اُس کے ایک جماعت ہو گی کج رو، نہ ہوں گے وہ مجھ سے اور نہ ہوں میں اُن سے۔

مینہ اور باغ سے اُمت کو تشبیہہ دے کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فیصلہ ہی فرما دیا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پہلے زمانہ کے اولیاء اللہ افضل ہیں یا پچھلے زمانہ کے۔ بلکہ باغ والی تشبیہہ سے تو اولیائے متاخرین کی خوبیوں کی اغلبیت مترشح ہوتی ہے۔

**اس تذکرہ کی ضرورت:** اس بدعقیدگی اور ظاہر پرستی کے زمانہ میں ایک طرف تو یہ سادہ لوحی ہے کہ بعض لوگ سرے سے اولیاء اللہ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور دوسری طرف جہالت کا یہ زور ہے کہ نااہلوں کو اہل سمجھ لیا جاتا ہے اور جو لوگ انسانیت کے معمولی جوہروں تک سے معرّا ہیں انہیں کمالات باطنی اور لوازمات ولایت سے آراستہ و پیراستہ مفروض کر لیا جاتا ہے نتیجہ ان دونوں غلطیوں کا یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے اپنے کسی بندۂ خاص کو ہم لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے مختص فرماتا ہے تو ہم لوگ اپنی لاعلمی اور کج فہمی سے اس کی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نوعیت کی محرومی سے برادران ملّت کو محفوظ رکھنے کی غرض سے ہم اپنے زمانہ کے مجدد وقت قطب زماں غوثِ دوران حامیِ دین متین ہادیِ راہِ یقین سراج السالکین تاج العارفین عُمدۃ الکاملین مولانا و مقتدانا و مرشدنا حضرت حاج الحرمین الشریفین **سیّد شاہ وارث حسن صاحب** کوڑہ جہان آبادی رزقنا اللہ تعالیٰ من برکاتہ کے مختصر حالات سے ان اوراق کو زیب دیتے ہیں۔

**مشکلات:** ان اوراق میں حالات کی مختصر نویسی پر مجبوراً اکتفا کیا گیا ہے اہل اللہ کے حالات قلمبند کرنے میں بڑی دِقت یہ پیش آتی ہے کہ اُن کے واقعات زندگی کے متعلق تفصیلی معلومات مشکل سے حاصل ہوتی ہیں۔ اشتہاری درویشوں کی طرح یہ حضرات اپنے حالات کو طشت از بام کرنا پسند نہیں فرماتے۔ شہرت سے انہیں اجتناب رہتا ہے اپنے احوال کو اخفاء میں رکھنا اُن کی پسندیدہ روش ہوتی ہے۔ مبہم و مجمل طور پر وہ کبھی اپنی کسی کیفیت یا اپنی زندگی کے کسی واقعہ پر کچھ روشنی ڈال بھی دیتے ہیں تو صرف طالبان الٰہی کی تعلیم

وتحریص وتشویق کی غرض سے نہ کہ اپنا تفوق اور اپنی برتری ظاہر کرنے کی نیت سے۔ ایسی صورت میں ان حضرات کے سوانح اس تفصیل وترتیب سے نہیں لکھے جاسکتے جو کہ اہل یورپ یا مقلدین یورپ کی آج کل روش ہے مگر اولیاء اللہ کے حالات قلم بند کرنے میں اس التزام کی چنداں ضرورت بھی نہیں، دنیا کے مشاہیر اور بڑے لوگوں کی تذکرہ نویسی میں تذکرہ نویس اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ دنیا کو یہ بتائے کہ مذکور کے والدین میں کیا خصوصیات تھیں۔ مذکور کی تعلیم وتربیت میں کیا خوبیاں تھیں گرد وپیش کے حالات کیا تھے جو مذکور کی عظمت وبرتری کا ذریعہ بنے۔ مگر اولیاء اللہ تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں جذبِ الٰہی کے یہ متوالے وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴿۶۵﴾ کی درسگاہ سے فیض یاب ہوکر اسباب ظاہری سے اپنے کو مستغنی رکھ کر، بے سروسامانی کی سبکساری کو اپنا زادِ راہ بناتے ہیں۔ آتش عشق الٰہی میں ماسوائے کو سوخت کرکے اپنی ہستی سے بھی گم ہو بیٹھتے ہیں اور فنا کی وادیوں کو عبور کرکے بقاء کی بلندیوں پر سرفراز ہوکر نبیؐ امیؐ کی نیابت اور حق تعالیٰ کی خلافت کا سہرا پہن کر بزم جہاں کو اپنے وجود باجود سے روشن کرتے ہیں۔ ان حضرات کے ساتھ جو واقعات پیش آتے ہیں ان کو اسباب ونتائج کے سلسلہ میں منسلک کرکے لوگوں کے سامنے پیش بھی کیا جائے تو عوام اس کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے اور ان کے اصول تاریخ نویسی وتذکرہ نویسی اس شرح وبیان کے متحمل نہ ہوسکیں گے۔

**نسب نامہ:** حضرت اقدس مدظلہ العالی کا نسب نامہ حسب ذیل ہے:۔

مرشدنا ومولانا حضرت شاہ سید وارث حسن صاحب بن شاہ انبیاز حسن صاحب بن شاہ محمد حسن صاحب بن شاہ نور الدین حسن صاحب بن مولانا

عشق حسن صاحب بن ملا محمد[٦] اکبر حسن صاحب بن مولانا[٧] نور الدین حسن صاحب ثانی بن ملا ابو سعید[٨] صاحب عرف بھیے دانش مند[١] بن مولانا شاہ خرم[٩] صاحب بن مولانا[١٠] محمد ہاشم صاحب بن مولانا[١١] شاہ مبارک[٢] صاحب بن حضرت مخدوم[١٢] جہانیاں ثانیؒ بن شاہ[١٣] بہاؤ الدینؒ بن حضرت[١٤] قطب الاقطاب شاہ سالار عالم بدھؒ بن مخدوم[١٥] شاہ ہیبت اللہؒ بن شاہ سالار[١٦] راجیؒ بن حضرت مخدوم[١٧] شہاب الدینؒ عرف حبیب اللہ بن مخدوم[١٨] خواجہ میاںؒ بن مخدوم[١٩] شہاب الدین ثالثؒ بن شاہ[٢٠] عماد الدینؒ بن مخدوم[٢١] شاہ نجم الدینؒ بن مخدوم[٢٢] شاہ شمس الدینؒ بن مخدوم[٢٣] شاہ شہاب الدین چہارمؒ بن مخدوم[٢٤] شاہ عماد الدینؒ بن مخدوم[٢٥] شاہ رضی الدینؒ بن مخدوم[٢٦] شاہ عبد الکریمؒ بن مخدوم[٢٧] شاہ جعفرؒ بن مخدوم[٢٨] شاہ حمزہؒ بن مخدوم[٢٩] شاہ کاظمؒ بن مخدوم[٣٠] شاہ محمد تقیؒ بن مخدوم[٣١] شاہ حسن مہدیؒ بن مخدوم[٣٢] شاہ عیسیٰؒ بن مخدوم[٣٣] شاہ محدثؒ بن مخدوم[٣٤] سید حسن عریضؒ بن مخدوم[٣٥] سیدنا علی عریضؒ بن سیدنا[٣٦] حضرت امام جعفر صادقؒ بن سیدنا[٣٧] امام باقرؒ بن سیدنا[٣٨] حضرت امام زین العابدینؒ بن سیدنا[٣٩] حضرت امام حسین علیہ السلام بن امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت احمد[٤١] مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

## حالات خاندانی:

حضرت اقدس کے خاندان میں ایک سلسلہ بزرگان دین و اکابر اولیاء و علماء و فضلاء کا گذرا ہے آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں ثانیؒ گذرے ہیں جن کا وصال غالباً ۹۶۰ سنہ ہجری میں ہوا۔ آپ ہی کی تصنیف سے ایک کتاب اسرار جہانی جو اذکار و اشغال صوفیہ پر مشتمل ہے حال میں کلکتہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے آپ شریعت کے بہت بڑے

---

١؎ آپ بہادر شاہ بن عالمگیر کے استاد تھے اور "دانشمند" آپ کا خطاب شاہی تھا۔

٢؎ آپ حضرت شاہ جمال اولیاءؒ کے برادر حقیقی تھے۔

علمائے محققین میں سے تھے۔ایک وقت کتب درسیہ کے لئے آپ کے یہاں معین تھا تو دوسرا وقت ذکر و شغل و تلقین و توجہ کے لئے وقف تھا۔بڑے بڑے علمائے وقت مستفیض درس ہونے کی غرض سے حاضر خدمت ہوتے تھے۔بڑے بڑے صوفیائے وقت آپ کے خلفاء کی فہرست میں شمولیت کا شرف رکھتے تھے۔منجملہ اُن کے آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ جمال اولیاءؒ ایک خاص امتیازی شان رکھتے تھے،جن کے ایک خلیفہ حضرت سیّد محمد کالپویؒ گذرے ہیں ان کا ذکر تفصیلی مختلف تذکروں میں موجود ہے۔علم شریعت میں آپ ہی کے ایک شاگرد مُلاّ عبدالرسول صاحب بھی تھے جو مُلاّ لطف اللّٰہ صاحب کے استاد تھے۔ملالطف اللّٰہ صاحب استاد تھے ملاجیون کے جو کہ شاہنشاہ ہند اورنگ زیب کے استاد اور نورالانوار و تفسیر احمدی کے مصنف تھے۔

حضرت قطب الاقطاب مخدوم جہانیاں ثانیؒ اپنے والد ماجد شاہ بہاؤالدین قدس سرہٗ کے شاگرد و خلیفہ تھے۔حضرت بہاؤالدین کے خلفاء اپنے زمانہ کے مشہور مشائخین ہند میں شمار ہوتے ہیں۔حضرت غوث شاہ بہاؤالدین قدس سرہٗ اپنے والد بزرگوار حضرت سالار بدھ حقانیؒ کے خلیفہ تھے۔

ہمارے حضرت ہی کے اجداد میں ایک بزرگ مُلا ابو سعیدؒ عرف بھبے دانش مند بھی گذرے ہیں جو بہادر شاہ بن عالمگیر کے استاد معظم تھے اور "دانشمند" آپ کا خطاب شاہی تھا۔

غرضیکہ مشاہیر و فضلاء و علماء و اہل اللّٰہ کا ایک سلسلہ ہے جو حضرت اقدس کے خاندان میں متواتر و متوارث چلا آرہا ہے اور آپ بفضلہ تعالیٰ اپنے آباؤ اجداد کے ظاہری و باطنی کمالات کی میراث سے مزین ہو کر اس خاکدانِ عالم میں ظاہر ہوئے اور چمکے۔

**وطن:** آپ کا وطن کوڑہ جہان آباد ہے جو حضرت اقدس ہی کے بزرگوں کا آباد کیا ہوا ہے۔

حضرت کے آباؤ اجداد سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں عرب سے روم اور روم سے ہندوستان بغرض جہاد تشریف لائے تھے۔ مہم بنگالہ میں سلطان التمش کے ساتھ شریک ہوئے اور واپسی پر مقام سلطان پور میں اقامت اختیار فرمائی۔ جب دہلی کی سلطنت میں ضعف آیا اور طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا اور شرقیوں نے اپنی حکومت شروع کر کے جونپور کو اپنا دار السلطنت بنایا اس وقت حضرت سلطان الاولیاء مخدوم سالار بدھ قدس سرہٗ کے والد ماجد حضرت شاہ ہیبت اللہؒ نے بہ شمولیت شاہ شرقی راجہ دومن سے جہاد کیا۔ اس پر فتح حاصل کی، اس کے دار السلطنت آٹی ہا کا نام بدل کر فتحپور رکھا اور وہاں اقامت اختیار فرمائی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت مخدوم سالار بدھؒ جونپور میں تحصیل علوم میں مصروف تھے۔ بعد تکمیل علوم شریعت آپ نے جونپور ہی میں حضرت شاہ بہاؤ الدین نتھو جونپوریؒ سے بیعت طریقت کی اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت حاصل کی۔ پھر آپ نے مراجعت وطن کا قصد فرمایا۔ اس سفر میں آپ کے تقریباً سات سو شاگردوں اور مریدوں کا ایک گروہ آپ کے ہمرکاب تھا۔ آپ نے قصد فرمایا کہ پہلے دہلی جا کر وہاں اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیں پھر وطن واپس ہوں راہ میں راجہ ارگل کی عملداری آتی تھی جو نہایت متعصب ہندو تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ جہاں نماز کا وقت آتا آپ رُک جاتے اور نماز باجماعت ادا کرتے۔ راجہ ارگل کی عملداری میں آپ ایک موقعہ پر نماز ظہر کے فرض سے فارغ ہوئے تو آپ کو اطلاع ملی کہ تیس ہزار فوج لے کر راجہ آپ کے قتال کی نیت سے آرہا

ہے آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ سنت پڑھ کر بہت جلد جہاد اعداء اللہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ جہاد ہوا۔ ظہر سے دوسرے دن دوپہر تک برابر مقابلہ ہوتا رہا بالآخر راجہ مارا گیا اور اُس کا بیٹا آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر ایمان لایا اور مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام بجلی خاں رکھا۔ بقیہ نصف دن کے قیام کے بعد شب میں آپ نے فرمایا کہ دو تین دن قیام کر کے بقیہ سفر دہلی طے کیا جائے گا۔ اُسی شب خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زیارت سے آپ مشرف ہوئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"تم کہیں نہ جاؤ۔ اس جنگل کو صاف کر کے یہیں قیام کرو۔ بہت صدیوں تک تمہاری اولاد احفاد سے لوگوں کو دین کا فائدہ پہنچے گا۔ اور بڑے بڑے اولیائے خدا تمہاری اولاد احفاد میں گذریں گے"۔

چنانچہ آپ نے اس مُبارک خواب کو لوگوں سے بیان فرمایا اور جنگل کی صفائی کا حکم صادر فرمایا۔

## کوڑہ جہان آباد:

اس جنگل میں گھاس کن کوڑہ بہت تھا اس لئے لوگوں نے اس مقام کا نام کوڑہ رکھ دیا۔ آپ نے خانقاہ اور مکان مسکونہ اور مسجد بنوائی۔ بجلی خان نے قلعہ بنوایا اور مسجد تعمیر کرائی جو اس وقت تک قصبہ میں موجود ہے اور جس پر تاریخ بھی کندہ ہے۔ بجلی خاں نے بوجہ مرید ہونے کے سعادت اس میں دیکھی کہ خود بھی وہیں مقیم ہو۔ چنانچہ اس کے مقیم ہونے سے شہر کوڑہ نہایت وسیع، آباد اور بارونق ہو گیا۔ شاہ جہاں بادشاہ جب اپنی شہزادگی کے زمانہ میں اس خاندان میں مرید ہوا تو اس نے کوڑہ شریف سے متصل شاہ جہان آباد کیا جو اب جہان آباد کے نام سے مشہور ہے پرانے کاغذات میں بلکہ موجودہ سرکاری کاغذات میں بھی شاہ جہان آباد خالصہ لکھا جاتا ہے اسی تعلق کی بناء پر کوڑہ شریف کو کوڑہ

جہان آباد کہتے ہیں۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متذکرہ بالا بشارت ہی کی برکت ہے جو کوڑہ شریف کے اُس محلہ میں جسے میاں ٹولہ کہتے ہیں اور جہاں حضرت اقدس کی خانقاہ اور مسجد ہے بائیس مسجدیں اور بائیس خانقاہیں اس وقت تک موجود ہیں اگرچہ ویران ہیں اور یہ قصبہ علم وفقر کے تاجداروں سے اب تک خالی نہیں رہا۔

اورنگ زیب اپنے بھائی شجاع کے مقابلہ کے لئے جاتا ہوا جب کوڑہ شریف کے قریب پہنچا تو ادبًا سواری سے اُتر پڑا اور پاپیادہ ہوگیا۔ اس قصبہ کے چھ سو علماء بادشاہ وقت کے استقبال کو گئے۔ جب اورنگ زیب کو یہ معلوم ہوا کہ یہ سب علماء ایک ہی خاندان کے افراد ہیں اور سب کے سب حضرت مخدوم سالار بدھ قدس سرہٗ ہی کی اولاد ہیں تو وہ نہایت ہی متعجب ہوا۔ اپنے دادا استاد ملا لطف اللہ صاحب (اُستادِ مُلّا جیون) کے ہاں پانچ روز مہمان رہا اور ان سے دُعا لے کر محاربہ کے لئے بڑھا۔ کوڑہ شریف سے پانچ کوس کے فاصلہ پر مقام کھجوہ واقع ہے جہاں شجاع سے مقابلہ ہوا۔ باوجود اس کے کہ شب میں اورنگ زیب کی فوج بکثرت شجاع کی فوج سے مل گئی تھی اور صرف دو ہی ہزار فوجی سپاہ اورنگ زیب کے پاس باقی رہ گئے تھے تاہم اورنگ زیب ہی کو فتح حاصل ہوئی اور واقعات اسی طرح پیش آئے جس طرح کہ درویشان کوڑہ شریف نے پہلے سے خبر دے رکھی تھی۔ چنانچہ واپسی میں وہ یہاں پھر دو ہفتہ ٹھہرا۔ قصبہ کوڑہ اس زمانہ میں دار الفضلاء مشہور تھا مگر اورنگ زیب اسے دار الاولیاء کہنے لگا۔

**ولادت:** اسی دار الاولیاء میں ہمارے حضرت اقدس مرشدنا و مولانا حاجی سیّد شاہ وارث حسن صاحب رزقنا اللہ تعالیٰ من برکاتہٖ کی ولادت باسعادت ۱۲۸۲ھ میں واقع ہوئی۔

آپ کی ولادت سے بہت قبل آپ کے لئے بشارت ہو چکی تھی اور آپ کا اسم گرامی تک اس زمانہ کے ہر خاص و عام کی زبان پر تھا۔ اس کا قصّہ نہایت عجیب ہے آپ کے والد ماجد کے ایک صاحبزادے تمیز الحسن صاحب مرحوم کا انیس سال کی عمر میں انتقال ہو چکا تھا جس کا کہ زخم خوردہ باپ کو سخت صدمہ تھا۔ غم و اندوہ کے بادل ہر وقت چھائے رہتے تھے اور قریب تھا کہ حالت خدانخواستہ جنون تک پہنچے کہ دفعتہً حق تعالیٰ کی جانب سے امید کی ایک بجلی چمکی جس نے پدرِ محزون کے دلِ مغموم میں تازگی کی روح پھونک دی۔ ثابت علی شاہ صاحب ایک مجذوب تھے جو کانپور کے قریب جوہی کے میدان میں رہتے تھے۔ یہ ایک روز اچانک تشریف لے آئے اور آپ کے والد ماجد سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ ہم تم کو منجانب اللہ ایک پیام دینے آئے ہیں۔ آج سے چار سال بعد تمہارے ایک فرزند سعید پیدا ہوگا۔ جس کا ظاہر و باطن آراستہ ہوگا جو جامع شریعت وطریقت ہوگا اور جس کا شمار اکابر اولیاء اللہ میں ہوگا۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا یہ نام رکھنا۔ الحمد للہ کہ اُن مجذوب کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

**تعلیم و تربیت:** ابتداء ہی سے آپ کی تعلیم نے جو ڈھنگ اختیار کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جو مقصد زندگی لے کر اس دنیا میں تشریف لائے اُسی کے حصول کی کوشش میں اوّل سے آخر تک انتہائے جانفشانی کے ساتھ مصروف کار رہے اور کسی دوسری غایت کو قریب تک نہ آنے دیا۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید ختم کرلیا اور فارسی کی چند کتابیں بھی پڑھ لیں۔ پھر عربی شروع کی اور انیس[19] سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کے ماموں صاحب نے آپ کی سرپرستی اختیار کی اور مثل اپنی اولاد کے آپ سے محبت رکھی۔ ماموں صاحب نے ہزار چاہا کہ آپ

ان علوم دنیوی کو بھی حاصل کریں جو دُنیوی وجاہت وثروت کا باعث ہوں مگر آپ نے قطعاً اُن علوم غیر ضروریہ کی جانب التفات نہ فرمایا اور ان ہی علوم نافعہ کے حصول میں منہمک رہے جو آپ کے مقصد اصلی کی جانب رہنمائی کریں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری فرمایا اور منتہیوں کو بڑی بڑی کتب درسیہ کا درس دیتے رہے۔ سات برس کی عمر سے صوم وصلوٰۃ کی پابندی آپ کا دستور العمل رہی۔ رنگ درویشی آپ کی طبیعت میں فطری تھا۔ درس وتدریس کے ساتھ آپ نہایت ہی مخفی طور پر حصولِ طریقت اور اذکار و اشغال میں بھی منہمک رہے۔ اگرچہ اخفاء کی جملہ شرائط کو آپ نے نہایت خوبی کے ساتھ پورا کیا مگر بالآخر اذکار واشغال نے اپنا رنگ ظاہر کیا اور غلبۂ حال نے آپ کے درس وتدریس کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ عالمانہ شہرت آپ کی اس مرتبہ پر پہنچ چکی تھی کہ بڑے بڑے لوگ آپ سے تحصیل علم کے متمنی ہوئے اور بڑی بڑی تنخواہوں پر آپ سے درس دینے کی استدعا کی گئی مگر آپ کی روش اسی شعر کی مصداق رہی کہ ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

**فقر و درویشی:** قطع نظر اس کے کہ آپ غیر معمولی وہبی اور موروثی روحانی صلاحیت واستعداد لے کر اس جہان میں رونق افروز ہوئے اور قطع نظر اس کے کہ آپ کو اپنے بزرگ وبرگزیدہ اجداد سے بطریق اویسیت فیض باطنی حاصل ہے آپ نے اپنے زمانہ کے بے شمار مشائخین عظام اور اولیاء اللہ ظاہر ومخفی سے اکتساب فیض کیا اور بکثرت مزارات اہل اللہ سے فیوض وبرکات حاصل کیں۔ اسلامی دنیا کے بہت بڑے حصہ کی اسی سلسلہ میں آپ نے

سیاحت فرمائی۔ ترک و تجرید سے سفر و حضر میں آپ کا سابقہ رہا۔ ریاضتِ شدید اور مجاہدات شاقّہ سے آپ نے ہمیشہ اپنے نفس پر قیامتیں توڑیں اور اپنے جسم اور اپنی صحت کو مضمحل ہونے دیا اور کمالاتِ باطنی میں آپ نے وہ مرتبہ بلند حاصل کیا جو اہل بصیرت سے مخفی نہیں مگر جس کی تفصیل و تشریح کی کوشش کم مرتبہ لوگوں کے لئے چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی۔ اعلیٰ منزل کی ہستیوں کے کمالات پر ادنیٰ حالت کے لوگوں کی خامہ فرسائی بے ادبی اور گستاخی ہے ع

مشک آنست کہ خود ببوید نہ آنکہ عطار بگوید

حضرت اقدس کی مؤثر، کیف آور، اور کیف پرور صحبتیں۔ آپ کی تعلیم و تلقین آپ کی نصیحتیں اور تقریریں۔ آپ کے ملفوظات۔ ذکر و توجہ کے آپ کے حلقے رات دن قال اللہ و قال الرسول میں آپ کا انہماک۔ لوگوں کے دلوں میں رغبت الی اللہ کی آگ دہکانا۔ طاعت و عبادت کا شوق بھڑکانا مریدین سے اولاد کی سی محبّت ان کی فلاح و بہبود کی کوشش میں اپنی جان کو تکلیف میں ڈالنا اور اس تکلیف سے مسرور ہونا۔ یہ اور اس کے علاوہ بے شمار خصوصیات ایسی ہیں جن کا صرف دیکھنے اور برتنے ہی سے تعلق ہے۔ اعلیٰ درجہ کی کرامات وہی ہوتی ہیں جو تصرف فی القلب سے متعلق ہوں۔ ان معنوی کرامات میں حضرت اقدس نے جس ممتاز شان کا اظہار فرمایا ہے اس کا کسی قدر اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ چلتے پھرتے نظر آئیں گے جو بُرے تھے مگر حضرت کے فیض توجہات سے اچھے ہو گئے۔ بد عقیدہ تھے، خوش عقیدہ ہو گئے دہریئے تھے باخدا بن گئے، فاسق و فاجر تھے۔ عابد و زاہد ہو گئے صالح و پرہیز گار بن گئے۔ مغربیت کے مرض میں مبتلا اور لامذہبی کی تاریکی سے اندھے جس کثرت سے حضرت کی نظرِ فیض اثر سے صراط المستقیم پر آئے ہیں اس کی نظیر اس

زمانہ میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔

کرامات حسی میں بھی جو امتیاز آپ کو حاصل ہے اس کا اندازہ اہل غرض اور اہل حاجات کے اس انبوہ کثیر سے ہو سکتا ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ آپ کو گھیرے رہتا ہے۔ بایں ہمہ مریدین اور طالبان حق کی تعلیم و تربیت نے جو شان یہاں اختیار کر رکھی ہے اس کی بھی نظیر آج کل کہیں اور نظر نہیں آتی۔

آپ کی تقریریں بھی عجیب و غریب ہوتی ہیں اور اس زمانہ میں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں ہر زمانہ اپنی مخصوص ضروریات اور اپنے موسمی امراض کے لحاظ سے کسی طبیب خاص کا محتاج ہوتا ہے ہر دَورِ فرعونی موسیِ دَوراں کا طالب ہے مغرب کے مادی سیلاب نے آج کل ایشیا کی مذہبی اقوام کو الحاد اور شک و شبہ کی گہری دلدل میں کچھ ایسا پھانسا ہے کہ اہل قال کی سطحی تقریریں اور تحریریں اس زمانہ میں کسی طرح مفید و مؤثر ثابت نہیں ہوتیں جب تک کہ حال اور وہ قال جو کہ اس حال کا نتیجہ ہو کام میں نہ لائے جاویں۔ یعنی وہ حضرات جو حال اور قال دونوں پر قدرت رکھتے ہوں میدان میں نہ نکلیں اس وقت تک کسی مفید نتیجہ کے مترتب ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ حضرت اقدس نے جس کثیر تعداد میں انگریزی داں طبقہ کو راہ راست دکھلائی ہے اس پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دورِ حاضرہ کے عالمگیر امراض کی صحیح تشخیص میں حضرت کو کس درجہ بصیرت حاصل ہے اور ان امراض کے دفع کرنے کی قدرت حق تعالیٰ نے کس حد تک آپ کو عطا فرمائی ہے۔

**ملفوظات:** جو خصوصیت کہ آپ کی تعلیم و تلقین میں ہے وہی خصوصیت آپ کے ملفوظات میں بھی نمایاں ہے ملفوظات اس نصیحت آمیز تعلیمی گفتگو کو کہتے ہیں جو شیخ وقتاً فوقتاً اپنے مریدین و معتقدین کی جماعت میں ان کی اصلاح و ترقی حال کی غرض سے کرتا ہے یہ تقریریں محض تقریریں ہی نہیں ہوتیں بلکہ شیخ کامل

کے احوال و مواجید کی ملفوظی صورتیں ہوتی ہیں جن میں لسان قال اور لسان حال کی باہمی ترکیب و امتزاج سے وہ موہنی پیدا ہوتی ہے جو سامعین پر برقی اثر اور صاحب استعداد مریدین میں حال پیدا کر دیتی ہے۔ ان ہی ملفوظات کی اشاعت کے سلسلہ میں حضرت اقدس کے یہ بہت ہی مختصر اور اجمالی حالات بطور تمہید کے دیباچہ کتاب ہذا میں درج کئے جاتے ہیں۔ آداب و شرائط کی رعایت سے ان ملفوظات کا مطالعہ طالبان حق پر ان خوبیوں کو خود ہی ظاہر کر دے گا۔

**ترتیب تالیف:** حضرت کے معمولات سے ہے کہ سفر ہو یا حضر، طالبان الٰہی کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اور ذکر و توجہ کے حلقے حضرت جہاں ہوں برابر ہوتے رہتے ہیں۔ لکھنؤ میں مقیم ہوں یا کہیں اور سفر پر تشریف لے گئے ہوں حضرت کی قیام گاہ ہمیشہ اور ہر جگہ خانقاہ کی شان اختیار کر لیتی ہے۔ مریدین اور طالبان الٰہی مشغول کئے جاتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد اور کبھی دیگر اوقات میں بھی حلقے ہوتے ہیں۔ حلقوں کے بعد اور دیگر مناسب مواقع پر تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔

اب تک جس قدر تقریریں اور سبق آموز و باا ثر کلمات حضرت اقدس کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں ان سب کا یکجا شائع ہونا تو بہت دشوار ہے۔ مگر چند اہم تقریریں جو کہ حسن اتفاق سے قلم بند کر لی گئی ہیں سر دست اس کتاب کے ذریعہ سے شائع کی جاتی ہیں۔

ان تقریروں کا بیشتر حصہ برادران سلسلہ شیخ شوکت علی صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل لکھنؤ اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ڈپٹی کلکٹر بہار اور راقم الحروف مؤلف کتاب ہذا نے قلم بند کیا ہے۔ اکثر تقریریں بقید تاریخ و مقام قلم بند ہوئیں تھیں مگر اس مجموعہ میں انہیں ترتیب تاریخ کے لحاظ سے شائع نہیں کیا جاتا بلکہ

ناظرین کی آسانی کے خیال سے بترتیب عنوانات مرتب کیا جاتا ہے بعض تقریریں ایسی بھی ہیں جن میں مختلف مضامین پر گفتگو آگئی ہے اور مدیں وجہ وہ متعدد عنوانات کے تحت میں آسکتی ہیں مگر مضمون غالب پر نظر ڈال کر انہیں کسی ایک ہی عنوان کے تحت میں داخل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے عنوانات بالا اور بغلی عنوانات کے علاوہ جو دیگر مضامین ان تقریروں میں آگئے ہیں ان کی جانب انڈیکس سے رہنمائی ہو سکتی ہے جو کہ آخر کتاب میں درج ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ یہ تقریریں حتی الوسع ان ہی مبارک الفاظ میں شائع ہوں جو کہ حضرت اقدس کی زبان مبارک سے ادا ہوئے تھے تقریر قلم بند کرنے والوں کے حافظہ نے اس بارہ میں جہاں تک کام دیا ہے پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ایک نہایت بیش قیمت خصوصیت جس سے کہ ملفوظات کی یہ اشاعت ممتاز ہے ان اذکار کا اندراج ہے جو ہمارے حلقوں میں رٹے جاتے ہیں۔ اہمیت خاص کی وجہ یہ ہے کہ یہ اذکار سینہ بسینہ چلے آرہے ہیں اور سلوک کی کتابوں میں کہیں نظر نہیں آتے۔ ہمارے حضرت اقدس کی خاص فیاضی ہے کہ ان کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرما دی۔ لیکن اس کے متعلق اس امر کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ان اذکار حلقہ کے مفید و مؤثر ہونے کے لئے اجازت شیخ کی سخت ضرورت ہے اجازت کے بغیر ان سے ضرر کا احتمال ہے۔

**نظم:** نثر کے ساتھ حضرت اقدس کی دو نظمیں بھی (ایک نعت میں اور دوسری توحید پر) نمونتہً ضمیمہ کے طور پر آخر کتاب میں درج ہے یہ نظمیں اتفاق سے ہاتھ آگئیں۔ اردو فارسی کے اور بھی اشعار تھے جو ہاتھ نہ آسکے۔ حضرت نے اپنے زمانۂ درس و تدریس میں عربی میں ایک پورا دیوان کہہ ڈالا تھا جسے دیکھ کر اس زمانہ کے عربی دان عش عش کرتے تھے مگر ذکر و شغل نے جب اپنا

رنگ دکھلایا تو غلبۂ حال میں حضرت نے عربی کے اس دیوان کو آگ میں جھونک دیا۔

یہ حضرات شاعری نہیں کرتے بلکہ واردات دل کہتے ہیں۔ اس لئے ان کے اشعار کو شاعرانہ کسوٹی پر کسنے کی ضرورت نہیں۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ ؎

شاعری مدّنظر ہم کو نہیں
وارداتِ دل کہا کرتے ہیں ہم
ایک بلبل ہے ہماری رازداں
ہر کسی سے کب کھلا کرتے ہیں ہم

(ذوقیؔ)

٣٨

# ملفوظات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفیع الدرجات معطی البرکات لاشرات المنعم والمفضل بانواع المثوبات لاهل الطاعات المنتقم والقاهر باهل المعاصی باضاف العقوبات وله الحمد علیٰ ما خصّنا بالعنایات والصلوٰۃ والتسلیمات علیٰ مصدر الفیوض الحسنات ومنبع الرشد و الهدایات وعلیٰ آله واصحابه منورین بنور الکمالات۔

امابعد: خلیل الرحمٰن بہاری بخدمت برادران طریقت و جمیع مسلمین برائے استفادہ عام ملفوظات حضرت مرشدی و مولائی پیشکش می نماید حق سبحانہ تعالیٰ برکت عطا فرمایند۔ آمین۔

# اسرار شریعت

**وجودِ حق:** ایک روز بعد حلقۂ ذکرِ جہری حضرت اقدس نے اسرار شریعت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ رعایا کے لئے بادشاہ کا وجود تسلیم کرنے میں مشاہدہ شرط نہیں۔ رعایا میں بکثرت لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بادشاہ کو نہیں دیکھتے مگر تنظیم سلطنت، جبروتِ حکام، شوکت لشکر، اجرائے احکام، اور دیگر

قرائن سے انہیں وجود بادشاہ کا ایسا یقین ہو جاتا ہے کہ اس میں شک وشبہ کی مطلق گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بالکل اسی طرح حق تعالیٰ پر ایمان لانے کے لئے مشاہدہ کی شرط ضروری نہیں۔ حق تعالیٰ کی جبروت وکبریائی کا تیقن اس کی عظیم الشان قدرت کے عجیب وغریب کرشموں کو دیکھ کر، رات اور دن کی گردشوں پر نظر ڈال کر، اور حوادثات وانقلابات عالم کی حیرت انگیزیوں پر غور کر کے ہوتا ہے اور اس خوبی سے ہوتا ہے کہ شک وشبہ کی یہاں بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی، چنانچہ حق تعالیٰ قرآن پاک میں بار بار اپنے بندوں کو اپنی عجیب وغریب قدرت کی نشانیاں جتلا کر اپنی جانب اُن کی رہنمائی فرماتا ہے۔

**خوشامد:** اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کسی امیر وکبیر وذیجاہ وبلند مرتبہ ہستی کی بارگاہ میں رسوخ پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ خوشامد ہوا کرتی ہے۔ خوشامد بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مذموم دوسری محمود۔ جھوٹی اور دھوکا دینے والی خوشامد نہایت درجہ مذموم ہے۔ مگر سچی اور خلوص پر مبنی خوشامد جو نیک نیتی کے ساتھ کی جاتی ہے نہایت درجہ مستحسن ومحمود قسم کی خوشامد ہے۔ شریعت بھی محمود ومستحسن اور نہایت مؤثر قسم کی خوشامد ہے۔ یہ خوشامد ہی تو ہے کہ دیکھئے صاحب ہم دن میں کم از کم پانچ مرتبہ اپنے کام کاج چھوڑ کر پاک صاف ہو کر، اپنے دل کو ہر طرف سے ہٹا کر، آپ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ کھڑے اور بیٹھے، رکوع میں اور سجدہ میں، آپ ہی کی ثناء وصفت اپنی زبان سے اور اپنے دل سے کرتے ہیں۔ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ آپ کی قربت کے شوق اور آپ کی خوشنودی کے حصول کے ذوق میں سال بہ سال ماہ رمضان میں دِن دن بھر آپ کی یاد میں آپ کے درِ دولت پر بھوکے پیاسے حاضر رہتے ہیں۔ جملہ لذات

جسمانی سے حتی الوسع کنارہ کش رہتے ہیں۔ جن باتوں کو آپ ناپسند فرماتے ہیں ان سے مجتنب رہتے ہیں اور آپ کی رضا جوئی کی تمنا میں رات دن آپ ہی کی یاد، آپ ہی کی دھن، اور آپ ہی کی ثناء و صفت میں منہمک رہتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ شوق مزید میں لذات دنیا کی محبوب ترین شئے یعنی دنیوی مال و متاع کو آپ کی رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے آپ کے بندوں، آپ کی مخلوق آپ کے لونڈی غلاموں پر نثار کرتے ہیں تاکہ آپ اپنے بندوں کی عافیت رسانی کا سامان دیکھ کر ہم سے خوش ہوں اور ہماری جانب التفات فرمائیں۔ اسی پر بس نہیں کرتے۔ بلکہ جب موقع پاتے ہیں اپنا گھر بار، اپنے عزیز و اقارب، اپنا آرام اور اپنی آسائش کا ساز و سامان چھوڑ کر سمندر پار کا سفر اختیار کرتے ہیں گلے میں کفنی پہن، مسکینوں کی سی صورت بنا، راہ کی ہزاروں مصیبتوں اور سفر کی ہزاروں صعوبتوں کو برداشت کرکے لبیک لبیک پکارتے ہوئے آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوتے ہیں۔ کبھی آپ کے گھر کا طواف کرتے ہیں۔ کبھی صفا و مروہ کے چکر لگاتے ہیں۔ آپ کی قدرت کے تماشے دیکھتے ہیں۔ آپ کی نشانیوں سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

**اخلاق حسنہ:** مگر یاد رکھو کہ کسی امیر کی تم کتنی ہی خوشامد کرو اگر تم میلے کچیلے رہو گے، اگر تمہارے کپڑے کثیف اور بدبودار ہوں گے تو وہ امیر ہرگز تمہیں اپنے پاس نہ بیٹھنے دے گا۔ اس لئے طہارت کی بھی اشد ضرورت ہے، پھر اگر تم نے جسم اپنا پاک صاف کرلیا اور کپڑے اُجلے پہن لئے لیکن خصلتیں تمہاری خراب ہیں مثلاً تم بدزبان ہو، جھوٹ بہت بولتے ہو، غیبت کرتے ہو، حاسد ہو، دوسروں کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہو، دنیا کے لالچی ہو، اور بری عادتیں اور خصلتیں تم میں موجود ہوں، تب بھی وہ امیر تم کو منہ نہ لگائے گا۔

ضرورت اسکی ہے کہ تم اخلاق حسنہ سے بھی اپنے کو آراستہ کرو اور تزکیہ و تصفیہ سے اپنے باطن کو سنوارو۔ اوامر ونواھی کا لحاظ رکھو۔ وقعت بڑھانے والی خصلتیں اپنے میں پیدا کرو۔ چھچھورے پن سے اپنے کو دور رکھو۔ تب کہیں اس عظیم الشان ہستی سے مصاحبت و ربط دائمی کی قابلیت پیدا ہوگی۔ کوئی امیر اپنے کسی مصاحب پر کچھ انعام کرے اور وہ مصاحب اس انعام کی بے قدری کرے تو امیر غصّہ ہوتا ہے اور اس مصاحب پر عتاب کرتا ہے۔ حق تعالیٰ نے تم کو ایک بہت بڑی دولت انعام فرمائی ہے جسے عقل کہتے ہیں اگر تم نشہ آور چیزوں کے استعمال سے اپنی عقل کو معطل کردو اور اپنی رازداری کی قوت کو ضائع کردو تو یہ انعام الٰہی کی بے قدری ہوگی۔ اسی وجہ سے شراب حرام قرار دی گئی۔ حق تعالیٰ نے تم کو ایک بیش قیمت جوہر عطا فرمایا ہے جو تمہارے لئے اولاد پیدا ہونے کا ذریعہ بنتا ہے اگر تم اس قیمتی جوہر کو دربدر ضائع کرتے پھرو تو تم بہت بڑے کفران نعمت کے مرتکب اور عتاب الٰہی کے مستحق ہوگے، زنا کی حرمت میں یہی مصلحت ہے۔ پھر اس پر بھی غور کرو کہ باوجود اس کے کہ تم میں بکثرت ظاہری اور باطنی خوبیاں موجود ہیں تم اُس امیر کے دشمنوں سے میل جول رکھتے ہو تو وہ تمہیں باوجود تمہاری خوبیوں کے اپنی مصاحبت کے قابل نہ سمجھے گا۔ اسی طرح اگر تم حق تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے التفات خاص کے محتاج ہو تو اس کے اعداء یعنی کفار فساق و فجار سے اعراض، اس کے نواہی سے گریز، اور اس کے اوامر کی پابندی اختیار کرکے دن میں کم از کم پانچ مرتبہ اس کی رضا جوئی کی طلب میں اس کے حضور میں آکر اس کی حمد و ثنا کرتے رہو۔ سال میں کم از کم ایک ماہ مسلسل ترک لذّات اور اعراض عن ماسوائے اللہ اختیار کرکے شب و روز اسی کی دُھن میں منہمک رہو، مال و دولت جیسی محبوب اور آرام پہنچانے والی چیز کو اس کی خوشنودی کے لئے اس کے بندوں پر ایثار

کرو، عمر میں ایک مرتبہ بشرط استطاعت ترک وطن اور صعوبات سفر برداشت کر کے اس کے دیدار کے شوق میں حیران و سرگرداں سمندر پار اس کے در دولت پر حاضری دو، تو ممکن نہیں کہ حق تعالیٰ تمہاری جانب خاص طور پر التفات نہ فرمائے اور تم کو اپنی پسندیدہ جماعت میں داخل نہ فرمائے۔

## روح کے اتالیق:

ایک دوسرے موقع پر اسرار شریعت کے متعلق تقریر فرماتے ہوئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ:-

لڑکے کو کسی باہر کے مدرسہ میں تعلیم کی غرض سے بھیجا جاتا ہے تو بسا اوقات اس کے ہمراہ ایک اتالیق کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ لڑکے پر نگرانی رکھے اور ایسا نہ ہو کہ لڑکا اپنے کھلنڈرے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہو کر کھیل کود میں اپنے قیمتی وقت کو ضائع کر دے اور مقصد اصلی فوت ہو جائے۔ اسی طرح روح کو جسم کے بورڈنگ ہاؤس میں بھیجا گیا تو اس کے ساتھ متعدد اتالیق بھیجے گئے تاکہ وہ وقتاً فوقتاً روح کو تنبیہ کرتے رہیں اور اُسے اس کے فرض اصلی سے غافل نہ ہونے دیں۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ یہ سب اتالیق ہیں اور ان سب کے تنبیہ کے طریقے مختلف ہیں۔ نماز روح کو سُست اور آرام طلب نہیں ہونے دیتی۔ حج سیر و سیاحت کی عادت ڈال کر ترغیب دیتا ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرتوں اور نشانیوں کو ذرا چل پھر کر آنکھوں سے دیکھو اور اپنی اجمالی معلومات کو ترقی دے کر تفصیلی بناؤ۔ زکوٰۃ دلدادگیٔ دولت اور حب مال پر تازیانہ لگاتی رہتی ہے۔ روزہ بھی ایک اتالیق ہے مگر شدت میں جملہ بقیہ اتالیقوں سے بڑھا ہوا ہے۔ روزہ ہمیشہ موت کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ بعد مُردن اسی طرح ترک لذّات کرنا پڑے گا۔ اس وقت یہ ترک غیر اختیاری ہو گا گو اس وقت اختیاری ہے۔ یعنی مرنے کے بعد انسان ترک لذات پر مجبور ہو گا اور اس میں قدرت ہی نہ ہو گی کہ اپنی خواہشات کو پورا کر سکے۔ لیکن روزہ میں اُسے یہ قدرت ہوتی ہے کہ اپنی

خواہشات وہ پورا کر سکے گو اپنی خوشی اور اپنے اختیار سے وہ ترک خواہشات پر کار بند رہتا ہے۔

**روزہ :** ایک اور موقعہ پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :

روح کو لذّاتِ جسمانی سے مجرّد کرنے میں روزہ نہایت مفید ثابت ہوتا ہے جس طرح مرنے کے بعد انسان کو لذّات سے کنارہ کشی کرنی ہوگی اسی طرح مرنے سے قبل روزہ کی حالت میں انسان کو لذّات سے کنارہ کشی کرنی پڑتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ موت کے بعد مجبوراً یہ کنارہ کشی کرنی پڑے گی اور روزہ میں انسان اپنی خوشی سے اس کنارہ کشی کو اختیار کر لیتا ہے۔ چونکہ روزہ ایک روحانی مسہل ہے حق تعالیٰ نے اس کی سالانہ پابندی کو لازمی قرار فرما دیا ہے۔ اگر دو دو چار چار سال بعد روزے آتے تو اس قدر مفید ثابت نہ ہوتے۔ اس مسہل سے روح کی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور جو عادتیں کہ جسم کی ہم نشینی سے روح میں آجاتی ہیں ان کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔

روزہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تمہاری اگلی پچھلی عادت وہ تمہیں یاد دلاتا رہتا ہے۔ روح جسم میں آنے سے قبل بلا خواہش تھی۔ جسم سے نکل جانے کے بعد پھر بلا خواہش ہو جائے گی۔ جسم میں آکر اسے خواہشات کا چسکا پڑ جاتا ہے چنانچہ جسم سے نکلنے کے بعد روح پر ان خواہشات کے اثرات ایک مدت تک رہتے ہیں جن کی کہ وہ ہم نشینئ جسم کے زمانہ میں عادی ہو چکی ہے اور یہ اثرات اس کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔ روزہ میں خواہشات کو چونکہ عارضی طور پر دو کا جاتا ہے اس لئے اس بات پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے کہ ہم کسی زمانہ میں ایسے تھے کہ کسی قسم کی خواہش ہی نہ رکھتے تھے اور ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ہمیں کسی قسم کی خواہش نہ رہے گی۔ روح جب جسم میں آکر خواہشات جسم اور لذّات نفس کی

خوگر ہو جاتی ہے اُس وقت بس دو ہی چیزیں ایسی ہیں جو روح کو ترک لذّات پر آمادہ کردیتی ہیں۔ایک رنج دوسرے خوشی۔بعض وقت رنج و خوشی میں انسان کا کھانا پینا تک چھوٹ جاتا ہے۔

روزہ میں انسان مثل ملکوت کے ہو جاتا ہے جو کھاتے پیتے نہیں اور یادالٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔

مگر روزہ رکھ کر غیر اللہ میں منہمک رہنا۔جھوٹ بولنا۔غیبت کرنا۔منہیات کا مرتکب ہونا ایسا ہے جیسے کسی نے صابن سے منہ دھویا اور پاخانہ کے سنے ہوئے کپڑے سے اس منہ کو پونچھ لیا۔ایسا شخص تمہارے سامنے آئے تو کیا تمہارا جی چاہے گا کہ اس سے بات کرو اور اسے اپنے پاس بیٹھنے دو۔نہیں۔ہرگز نہ چاہے گا۔بلکہ اُسے ذلّت کے ساتھ اپنی محفل سے اٹھا دوگے۔یہی حال حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس روزہ دار کا ہوگا جس نے اپنے روزہ کو جھوٹ، غیبت اور غیر اللہ میں انہماک سے بگاڑا ہو۔

**نماز:** ارشاد فرمایا کہ حقیقت الصلوٰۃ کی دو قسمیں ہیں۔ایک ظاہری، دوسری باطنی۔حقیقت ظاہری یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت جب ہاتھ کانوں پر لے جاتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بندہ نے ماسوائے اللہ سے ہاتھ اُٹھائے اور غیر اللہ سے کانوں پر ہاتھ رکھے یعنی دست بردار ہوا اور اللہ کی پناہ میں آیا پھر ہاتھ باندھ کر مودّب بارگاہ قدس میں کھڑا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی ثناء وصفت بیان کرتا ہے۔بندہ کی کیا مجال ہے کہ اپنی ناقص زبان میں حق تعالیٰ جیسی پاک و منزہ و جلیل القدر ہستی کی ثناء و صفت کر سکے۔اس لئے بندہ کلام الٰہی ہی کے وسیلہ سے مخاطبہ کرتا ہے اور دربار میں حاضر ہوتے ہی آداب شاہی بجا لاتا ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ جب تاریکی سے انسان اچانک تیز روشنی میں آتا ہے

تو اس کی آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں اور اُسے اُس روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر تھوڑی دیر بعد جب آنکھیں روشنی سے مالوس ہو جاتی ہیں تو سب کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ نماز بھی ایک نور ہے روشنی ہے۔ جب بندہ ماسوائے کی تاریکی سے نکل کر نماز کی قدسی روشنی میں آتا ہے تو پہلے تو اس کی نگاہیں چوندھیائی ہوئی ہوتی ہیں اور اُسے کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد جب اس کی نگاہیں اُس روشنی سے مالوس ہو کر دربار شاہی کے جاہ وجلال اور حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کا مشاہدہ کرنے لگتی ہیں تو بندہ فوراً جُھک جاتا ہے اور آداب بجالاتا ہے۔ یہ رکوع ہے۔ جب رکوع سے سر اُٹھاتا ہے تو سمع اللہ لمن حمدہ کی خوشخبری سے نوازا جاتا ہے اور اس نوازش کے شکریہ میں وہ فوراً سجدہ میں گر پڑتا ہے اور حق تعالیٰ کی پاکی وعظمت بیان کرنے لگتا ہے۔ حالت سجدہ میں بندہ کو حق تعالیٰ سے کمال قرب نصیب ہوتا ہے اور انتہائے شفقت کے ساتھ دست حق بڑھتا ہے اور بندہ کا سر اُٹھا کر اُسے دربار میں بیٹھنے کا حکم کرتا ہے۔ اس نوازش خاص کے شکریہ میں بندہ دوسرا سجدہ بجالاتا ہے۔ دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر تعمیل حکم میں بندہ دربار میں بیٹھتا ہے اور حق تعالیٰ کی ثناء وصفت بیان کرنے لگتا ہے۔ التحیات پڑھتا ہے۔ درود شریف پڑھتا ہے۔ عرض معروض کرتا ہے۔ درود شریف پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اتنے بدتمیز اور گستاخ نہیں کہ بلا طلب اور بلا اجازت اور اپنی تنہا ذمہ داری پر آپ کے دربار میں گھس آئے ہوں۔ بلکہ آپ کے پیارے رسول آپ کے مقبول بارگاہ حضور سرور کائنات امام الانبیاء خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے ہم آپ تک پہنچے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی جلیل القدر بادشاہ کے دربار سے انسان انعام واکرام لے کر آتا ہے تو اہلکاران دربار متوقع ہوتے ہیں کہ یہ شخص اس خوشی میں ہمیں بھی کچھ انعام

دے گا۔ دوست احباب اسکے منتظر رہتے ہیں کہ اس خوشی میں ہمیں بھی کچھ تحفے تحائف ملیں گے۔ چنانچہ جب بندہ نوازشاتِ الٰہی سے مالامال ہوکر دربارِ شاہی سے واپس آتا ہے تو اپنے ساتھیوں کیلئے بھی تحفۂ سلام لاتا ہے اور دائیں بائیں السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز سے باہر آتا ہے۔ یہ نماز کی ظاہری حقیقت ہے۔ باطنی حقیقت ایک حال ہے جو قال میں نہیں آسکتا۔ پاک پروردگار سے اسکے حصول کی التجا کرو۔

بعض لوگ اہلِ تصوّف سے ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں مگر نماز کو ترک کر دیتے ہیں یہ اُن کی خامی ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ انہیں حضوریٔ دوام حاصل ہے اور چونکہ نماز کی غایت بھی حضوری ہے اس لئے اُن کو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اہلِ حق کے نزدیک یہ لوگ ناقص ہیں حقیقت الصلوٰۃ اُن پر منکشف نہیں ہوئی۔ بیرونِ صلوٰۃ جو حضوری ہوتی ہے وہ اُس حضوری کے مقابلہ میں بہت ضعیف ہوتی ہے جو حالتِ صلوٰۃ میں حاصل ہوتی ہے۔

نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم دینے میں شارع علیہ السلام کی علاوہ مصالح دینی کے یہ مصلحت دنیوی بھی تھی کہ اُمتِ محمدیہ میں مساوات کی عادت رہے، اتفاق رہے میل جول کے مواقع رہیں، ہمدردی کا مادہ قوی ہو اور امتیازاتِ مراتب شخصی سے افراد میں جو کبر ونخوت وغرور کی بو پیدا ہو جاتی ہے اُس کا قلع وقمع ہوتا رہے۔

**اسلام ماورائے عقلِ عوام:** ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ آج کل یورپ میں بعض لوگ جو اشاعت اسلام کی کوشش میں مصروف ہیں غلط روش پر چل رہے ہیں۔ وہ صحیح اسلام کو توڑ مروڑ کر اُسے اہلِ یورپ کی عقول کے مطابق بنا کر پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ اصلی اسلام ماورائے عقولِ عوام ہے۔ کسی چیز کا ماورائے عقل ہونا اور بات ہے اور خلاف

عقل ہونا اور بات۔

# تقابل طلب دنیا و طلب آخرت

**طفلان دنیا:** ارشاد فرمایا کہ، تم جانتے ہو کہ بچوں کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز شے کیا ہے؟ برفی، پیڑا، لڈو۔ جس طرح لڑکے مٹھائی پر فریفتہ ہوتے ہیں اہل دنیا ثنا، وجاہ وعزت دنیا پر مفتون ہوتے ہیں۔ مذمت سُن کر رنجیدہ ہوتے ہیں۔ شہرت کے پیچھے دیوانہ رہتے ہیں۔ جاہ وعزت کی خواہش میں بڑی بڑی تکلیفیں اور بڑے بڑے نقصانات برداشت کرتے ہیں۔ اہل آخرت کی نگاہ میں ان میں اور بچوں میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح بچے ناسمجھی کی باتیں کرتے ہیں اور چٹورپن کے پیچھے اپنے نفع اور نقصان کا خیال نہیں رکھتے اسی طرح یہ طفلان دنیا بھی ایک خیالی چیز کے پیچھے جان تک نذر کر دیتے ہیں "چڑھ جا بیٹا سولی پر" کا بھرا کسی نے دیا اور جان پر کھیل گئے۔ ان احمقوں کی اپنے نیک وبد اور اپنے انجام پر ذرا نظر نہیں ہوتی، یہ بچوں کی طرح بے عقل ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچہ کو ستاتے ہیں۔ اس کے کان کھینچتے ہیں۔ چپت لگاتے ہیں۔ مارتے ہیں۔ پیٹتے ہیں۔ پھر ایک لڈو بھی دیدیتے ہیں۔ تو ایسے لڈو کے کھانے میں کیا لطف آسکتا ہے۔ جب کہ گوشمالی بھی ساتھ ساتھ جاری ہو اہل دنیا کو بھی دنیوی جاہ وثروت کی شیرینی کے ساتھ بے انتہا تلخیاں بھی چکھائی جاتی ہیں مگر وہ بچوں کی طرح اپنے خیالی لڈو کی خاطر سب کچھ سہہ جاتے ہیں۔ بڑی بڑی سی دنیوی خواہشات کے حصول میں رنج وغم و تفکرات اور پریشانیوں سے اس شدت سے اُنہیں سابقہ پڑتا ہے کہ ان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ ترازو کے ایک پلہ پر بیوی کی لذت کو رکھو اور دوسرے پلہ پر ان مصائب، تفکرات اور پریشانیوں کو رکھو جو بیوی اور

بچوں کی بدولت تمہیں جھیلنی پڑتی ہیں تو یقیناً دکھ درد کا پلّہ بہت زیادہ وزنی نکلے گا۔ طفلانِ دنیا اِس قدر بے عقل ہوتے ہیں کہ اپنی بربادی اپنے آپ مول لیتے ہیں اور اُس لذّت کے پیچھے جس میں تلخیوں کی بکثرت آمیزش ہے اپنی زندگی کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔ وہ لذّت لذّت ہی نہیں جس میں تلخیوں کی آمیزش ہو۔ جس شربت میں ذرا سی بھی تلخی شامل کر دی گئی ہو اسے کوئی شربت نہیں کہتا۔ اگر کچھ نہیں تو لذّت کے فانی ہونے کا خیال ہی بہت کافی تلخی ہے۔ دنیا کی لذّات میں سے ایک بھی لذّت ایسی نہیں جو اس تلخی سے پاک ہو۔ برعکس عاقبت کی لذات کے جو غیر فانی ہیں اور جن میں رنج و ملال اور فکر و پریشانیوں کی مطلق آمیزش نہیں۔ اس دنیا میں ہفت اقلیم کی بھی سلطنت مل جاوے تو اسے بقا نہیں۔ اس لئے اس دنیا کا عیش عیش نہیں بلکہ تشویش ہے اُس تھوڑی سی بھی راحت کے مقابلہ میں جو ابدالاباد تک رہے۔ مگر لذّات عقبیٰ کی قدر اہل دنیا کو نہیں۔

**ضرورت بصیرت:** ایک چیز جسامت اور پھیلاؤ میں بڑی ہوتی ہے۔ مگر وزن میں کم۔ جیسے روئی لوہے کے مقابلہ میں۔ بعض چیزیں وزن و جسامت میں زیادہ مگر قیمت میں کم ہوتی ہیں۔ ایک بڑا سا پتھر لو جیسے چکّی کا پاٹ۔ اِس کی قیمت دو پیسے ایک بہت ہی ذرا سا پتھر لو جسے ہیرا کہتے ہیں۔ اس کی قیمت ایک ہزار روپیہ معلوم ہوا کہ قیمت کا انحصار جلاء اور کمیابی پر ہے نہ کہ وزن و ضخامت پر۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہیرے کی شناخت جوہری ہی کر سکتا ہے۔ کسی گنوار کے پاس اُسے لے کر جاؤ گے تو وہ اُسے فضول شئے سمجھ کر پھینک دے گا۔ سونے کی طشتری میں شیرینی رکھ کر کسی بچہ کو دو۔ وہ شیرینی کھا لے گا اور طشتری پھینک دے گا۔ طفلانِ دنیا بھی اسی طرح عارضی اور فانی لذّات کے پیچھے کروڑوں برس کی زندگی برباد کر دیتے ہیں۔ لذّات عقبیٰ کی قدر کے لئے جس

بصیرت کی ضرورت ہے وہ اہل دُنیا سے مفقود ہے۔ اہل دنیا مثل اُس گنوار کے ہیں جو گڑ کو دنیا میں لذیز ترین چیز سمجھتا ہے۔ یا مثل گولر کے اُن کیڑوں کے ہیں جن کے تصوّر میں گولر سے وسیع تر دُنیا اور گولر سے شیریں تر کوئی اور چیز نہیں آتی۔ مگر یہ کیڑے جب گولر سے نکل کر شہد کے چھتے تک پہنچتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور اُن کی سمجھ میں آتا ہے کہ چھتہ کے طول و عرض کے مقابلہ میں گولر کی وسعت اور شہد کی شیرینی کے مقابلہ میں گولر کی شیرینی کوئی چیز نہیں لذّاتِ عقبیٰ کی دولت اُن ہی کے لئے ہے جو لذّاتِ دنیا کے گُڑ کی طرف رغبت نہیں کرتے۔

## دنیا اور اہل دنیا کی چند مثالیں:

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے شہد اور دنیادار کی مثال ایسی جیسے مکھی۔ مکھی شہد پر اس نیت سے گئی کہ سیر ہو کر کھائے اور پھنسی۔ وہاں سے اُڑ جانے کی کوشش میں جس قدر ہاتھ پیر مارتی ہے اُسی قدر زیادہ پھنستی جاتی ہے حتیٰ کہ بالآخر ہلاک ہو جاتی ہے اگر وہ مکھی شہد کے کنارے بیٹھ کر تھوڑا سا شہد الگ سے کھا کر اُڑ جاتی تو ہلاک نہ ہوتی۔ مگر حرص اور زیادتی کی تمنّا نے اسے جان سے کھو دیا۔ اہل دنیا بھی حرص دنیا کی تمنا میں دنیا میں پھنستے ہیں تو مکھی کی طرح سر ٹکرا ٹکرا کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مگر جو بقدر ضرورت دنیا سے حصہ لے کر اپنے الگ تھلگ رہتے ہیں ہلاکت سے بچ جاتے ہیں۔ دیکھو! پلاؤ کیسی لذیذ غذا ہے۔ مگر اس کا زیادہ کھا لینا تخمہ اور ہیضہ کا باعث ہوتا ہے۔

ایک دوسرے موقعہ پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ: دنیا میں سب کچھ انسان کے لئے ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی امیر شخص نے کسی کی دعوت کی ہو تو وہ امیر شخص اپنی حیثیت کے مطابق شاندار دسترخوان چنے گا اور انواع و اقسام کے کھانے افراط کے ساتھ پیش کرے گا۔ ایک اعتبار سے

یہ سارا کھانا مہمان ہی کے لئے ہوگا۔ مگر یہ سارا کھانا مہمان نگل جائے تو یقیناً ہلاک بھی ہو جائے گا۔ مہمان کو لازم ہے کہ لبقدر اپنی ضرورت کے اُس دسترخوان سے کھانا کھائے۔ دنیا بھی ایک دسترخوان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی شان و برتری کے لحاظ سے اپنے بندوں کے لئے چُنا ہے اور ساتھ ہی اُس کے یہ بھی فرما دیا ہے کہ کلوا واشربوا ولا تُسْرِفُوْا۔ جس طرح کہ امیر شخص کے بچھائے ہوئے دسترخوان پر بد احتیاطی برتنا اور حد سے زیادہ کھانا ٹھونس لینا جسمانی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے بچھائے ہوئے دسترخوان دنیا پر بد احتیاطی کا برتنا اور جانوروں کی طرح پیٹ بھر لینا رُوحانی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے جس سے لاکھوں کروڑوں برس کی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

ایک اور موقعہ پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :۔ دنیا مثل اُس چُھری کے ہے جس کے گرد شیرینی لپٹی ہو۔ طالب دنیا اسے خالص شیرینی سمجھ کر مثل بچوں کے اس کے لئے مچلتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ہاتھ نہیں آتی تو تلملا اٹھتے ہیں اور جان و ایمان تک نذر کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں ناکامیوں کے تازیانے اور غم و اندوہ کی برچھیاں لگتی ہیں مگر انہیں ہوش نہیں آتا۔ دل کے چین اور اطمینان تک کی اُنہیں پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ دنیا ہی کو اپنا مقصود اصلی سمجھتے ہیں اور صحیح مقصود اصلی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے روحِ انسانی کے ساتھ زیورِ عقل سے بھی اُنہیں آراستہ فرمایا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عقل سے وہ کام ہی نہیں لیتے۔ عقل اُن کے حق میں بیکار ثابت ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عقل کے ذمّہ دو خدمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نفس کو ضروریات زندگی کے فراہم کرنے میں مدد دے۔ دوسری یہ کہ وہ نفس کو حدِّ اعتدال میں رکھے۔ مگر نفس بہت ضدی ہوتا ہے۔ جب نفس لذّاتِ دنیا کی جانب مائل ہوتا ہے اور عقل کی بات

نہیں سُنتا جوکہ اُن لذّات کے مضرت رساں ہونے کا فتویٰ دیتی ہے تو اُس وقت گویا نفس اور عقل میں ایک جنگ چھڑ جاتی ہے اس جنگ میں عقل غالب آجاتی ہے تو انسان بچ جاتا ہے اور نفس کمبخت غالب آجاتا ہے تو انسان ہلاک ہو جاتا ہے اہل دنیا جب عقل کے فتویٰ پر نہیں چلتے اور نفس کے دام میں پھنس جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ خواہشات نفس کی پیروی کی مضرّتوں کا احساس بھی اُن کا جاتا رہتا ہے۔ عقل کا تریاق اور عقل کو قوت دینے والی چیز یقین ہے اور وہم اُس کے لئے زہر کا حکم رکھتا ہے بعض مریضوں کی حالت پر غور کرو کہ باوجود طبیب کی ممانعت کے وہ مُضر چیزوں کا استعمال کر لیتے ہیں اور نقصان اُٹھاتے ہیں باوجود اس کے کہ طبیب کو اپنے علم اور تجربہ کی بنا پر مُضر چیزوں کے مضرت رساں اثرات پر کامل یقین ہوتا ہے مریض اس یقین میں بہت ضعیف ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اُسے بد پرہیزی کی جرأت ہوتی ہے۔ اہل دنیا بھی مثل ان ہی مریضوں کے ہیں۔ دنیا کی عقل رکھتے ہیں آخرت کی عقل نہیں رکھتے۔ آخرت کا انہیں پورا پورا یقین تک نہیں ہوتا۔ اطبائے آخرت یعنی انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین اُن لوگوں کو مُضرّات آخرت سے بار بار اور بہ تاکید روکتے ہیں مگر وہ باز نہیں آتے ان بد پرہیزیوں کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو احساس مضرت ہی نہیں رہتا۔ اہل معرفت کو دنیا کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے اور بدیں وجہ وہ دنیا سے پرہیز کرتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اطبائے آخرت کی ہدایت پر عمل کر کے صحت حاصل کر لیں۔ اور دنیا طلبی کی مضرّتوں سے محفوظ و مامون رہیں یاد رکھو کہ معرفت حق کے لئے اس سے بھی بالاتر عقل کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت کے لئے عقل کی نہیں بلکہ عشق کی سواری کی ضرورت ہے وہاں اُس ادنیٰ درجہ کی عقل سے کام نہیں چلتا جس سے صوفیہ حقیقت دنیا کا ادراک کرتے ہیں۔

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ : دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آگ۔ دور سے دیکھو تو لال جوڑا پہنے ہوئے کیسی خوشنما، خوش رنگ، روشن اور چمکدار نظر آتی ہے لیکن ذرا ہاتھ لگا کر دیکھو جلا دے گی۔ اس کی ظاہری اور باطنی صورت میں کتنا اختلاف ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے۔ اس کی ظاہری حالت دلکش، دلفریب، دل کو للچانے والی عیش و آرام کے خواب دکھانے والی ہوتی ہے۔ مگر ذرا ہاتھ لگا کر دیکھو اور اُس کی باطنی کیفیت کا اندازہ کرو تو سوزش و مصائب و رنج و غم و آلام و افکار کے سوائے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ حصول لذّات میں کیسے کیسے غم لاحق ہوتے ہیں جو انسان کی ہستی کو جلا کر خاک کر ڈالتے ہیں۔ کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ نادان بچہ آگ کے سُرخ انگاروں کو دیکھ کر اُن کی جانب بڑھتا ہے اور لپکتا ہے اور اُنہیں ہاتھ میں لے لیتا ہے تو کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ ہاتھ جل جاتا ہے اُس پر آبلے پڑ جاتے ہیں جو پکتے ہیں پھوٹتے ہیں اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں۔ اس پر بھی گلو خلاصی نہیں ہوتی ایک مدت تک تکالیف کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور کبھی جان کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں۔ یہی حال طفلان دنیا کا ہے جو لذّات دنیا کے حُسن ظاہری سے فریب کھا کر اُن کی جانب لپکتے ہیں اور دنیا میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ غم و اندوہ کی آگ میں جلتے ہیں۔ رنج و فکر کے شعلوں سے اپنے دل و دماغ کو جلاتے ہیں۔ حرص و طمع اور بغض و حسد کے انگاروں پر لوٹتے ہیں۔ ناکامیوں کے تازیانوں پر تازیانے کھاتے ہیں مگر باز نہیں آتے۔ دنیا سے ہاتھ نہیں کھینچتے۔ دنیا کی نعمتیں نعمتیں ضرور ہیں۔ مگر ان نعمتوں سے متمتع ہونے کی بھی ایک حد ہے۔ مثلاً پلاؤ ایک نعمت ہے مگر بھوک اور اندازہ سے زیادہ پُلاؤ کھاجاؤ تو بجائے جزو بدن بننے اور مفید ثابت ہونے کے وہ مُضر بلکہ باعث ہلاکت ہو جائے گا۔ نعمائے دنیا سے ضرور متمتع ہو مگر حسب ضرورت اور بہ احتیاط۔ آگ کو احتیاط سے برتو۔ چمٹے سے اُسے

پکڑو تو اُس سے فائدہ اُٹھاؤ گے بے احتیاطی کے ساتھ اُسے ہاتھ لگاؤ تو ہمیشہ کے لئے داغی ہو جاؤ گے۔ اسی طرح احتیاط اور نفرت کے چمٹے سے آتشِ دنیا کو اٹھاؤ تو داغی نہ ہونے پاؤ گے ورنہ مکروہات دنیا میں آلودگی روح میں کثافت داخل کر کے ابدالاباد کے لئے تمہیں معرفتِ حق سے محروم رکھے گی۔ لذات دنیا سے فائدہ اٹھاؤ مگر نہ اس قدر کہ اُن میں ڈوب جاؤ۔ خواہشات دنیا کی غایت محض ترقیٔ کمالاتِ انسانی ہے۔ اگر یہ امتحانات نہ ہوتے تو کمالاتِ انسانی کا ظہور بھی نہ ہوتا۔ دیکھو! ملائکہ کے کمالات میں ترقی نہیں ہوتی۔ جو جس خدمت کے لئے معین ہے۔ اُسی خدمت کو بجالاتا ہے۔ آگے نہیں بڑھتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُن کے لئے کوئی آزمائش مقرر نہیں کی گئی۔ جس کا وہ مقابلہ کریں، اپنی قوت بڑھائیں اور ترقی کریں۔ اہلِ حقیقت دنیا کی حقیقت سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ ایک برف نما آتش ہے۔ جو لوگ اس آگ میں خود کودتے ہیں اور جل بھُن کر اپنے کو داغدار بنا لیتے ہیں وہ اگر شکایت کریں تو بے جا ہے۔ اہلِ حق انہیں منع کرتے ہیں اور تباہی و بربادی سے روکتے ہیں مگر جب وہ نہیں سُنتے اور نہیں مانتے اور ہلاکت کی جانب خود ہی بڑھے چلے جاتے ہیں تو کسی کا اس میں کیا قصور؟

فرمایا کہ :۔ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے نہایت نفیس پُلاؤ۔ جس میں سنکھیا مِلا دی گئی ہو اور اہلِ دنیا مثل ان لوگوں کے ہیں جو سات روز سے فاقہ سے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو اُس پلاؤ کی جانب کیسی کچھ رغبت نہ ہوتی ہو گی۔ لیکن وہ لوگ اُس پلاؤ کو اگر کھالیں تو نتیجہ بھی یقیناً موت ہو گا۔ دنیا میں انہماک بھی یقیناً روحانی اور ابدی موت کی جانب لے جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ اس بات کو خوب ذہن نشین کر لو کہ تمام

**دیوانگیٔ اہلِ دنیا:** اہلِ دنیا دیوانے ہیں۔ کوئی دیوانۂ جاہ ہے۔ کوئی دیوانۂ دولت

کوئی دیوانہ معاش، غرضیکہ کسی نہ کسی چیز کے پیچھے ہر اہل دنیا دیوانہ ہے۔ دیوانہ یا مجنوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جو بات اُس کے ذہن میں آتی ہے بلا خیال آغاز و انجام اُسے کر گزرتا ہے بجنسہٖ یہی حالت اہل دنیا کی بھی ہے۔ اگر کسی کو طلب جاہ کا جنوں پیدا ہوا تو وہ اس جنون کے مقابلہ میں جائز و ناجائز، حلال و حرام، نفع و نقصان، کسی چیز کی بھی پرواہ نہ کرے گا۔ ایسا ہی شخص دیوانہ ہوتا ہے، ہم اہل دنیا کی کسی بات کو نہیں مانتے کیوں کہ یہ لوگ دیوانے ہیں۔ طلب دنیا کے جنوں میں وہ چار دن کی زندگی کی خاطر اپنی ابدالاباد کی زندگی کو برباد کر رہے ہیں۔ وائے برحال اہل دنیا۔

فرمایا کہ :۔ خبطی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو ایسے کام کرے جس کا کوئی فائدہ بخش انجام نہ ہو۔ چونکہ اہل دنیا اسی قسم کے مشاغل میں مبتلا رہتے ہیں جو انجام یعنی آخرت میں کام آنے والے نہیں پس میں اُن کو بھی خبطی کہتا ہوں۔ دیکھو! اُن لوگوں کی پوری عمر اِس تنِ خاکی کی خدمت، درستی، زینت، آرائش اور راحت رسانی میں گذر جاتی ہے۔ مگر بالآخر وہی جسم حشرات الارض کی خوراک بنتا ہے۔ پس اہل دنیا کے افعال لغو ہوئے یا نہ ہوئے؟ لہٰذا اس کشمکشِ حوائج دنیا میں جو وقت حقِ تعالیٰ کی یاد میں صرف ہو اُسے غنیمت سمجھو اور حاصلِ زندگانی جانو۔ وقت کا یہی حِصّہ سفرِ آخرت کے لئے زادِ راہ مہیّا کرتا ہے۔ بقیہ زندگی بالکل برباد ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ فرض کرو کہ ایک شخص اپنی راحت و آرام کے لئے ایک مکان تیار کرنا چاہتا ہے۔ فرض کرو اُس تعمیر کی غرض سے اُس نے اینٹ چونا لکڑی وغیرہ خود اپنے اوپر لاد لاد کر جمع کیا۔ خود اس مکان کی بنیاد کھودی خود تعمیرِ مکان میں مصروف ہوا۔ غور کرو کہ کس قدر محنت شاقّہ کے بعد تعمیر مکان کے لئے ضروری سامان مہیّا ہوا ہوگا کس قدر مدّت تعمیرِ مکان میں صرف ہوئی ہوگی۔ ایک

تنہا شخص پچاس ساٹھ سال سے کم میں کیا اُس آرام دہ و راحت بخش مکان کو تعمیر کر سکے گا۔ فرض کرو کہ پچاس ساٹھ سال کی محنت شاقّہ اور دشواریہائے شدید کے بعد اُس مکان کی تعمیر پوری ہوگی۔ فرنیچر وغیرہ اور ہر قسم کے سامان ضروری اور اسباب راحت سے وہ مکان آراستہ کردیا گیا اور قریب ہے کہ مالک مکان سکونت اختیار کرنے کی غرض سے اُس مکان میں داخل ہو کہ دفعتًا ایک ایسے زور کا زلزلہ آیا جس نے مکان کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر مسمار کردیا اور اُس کے اندر کے سارے ساز و سامان کو درہم و برہم اور تباہ و برباد کردیا۔ بھلا ایسے وقت پر اُس مکان بنانے والے کے دل کا کیا حال ہوگا اور اپنی گذشتہ محنت و مشقت اور آئندہ کی محرومی کے خیال سے اُس کے دِل پر کیا گذرتی ہوگی۔ پس یہی حال دنیا کے اُن دیوانوں اور خبطیوں کا ہے جو تمام عمر اپنے جسم خاکی کی تعمیر و درستی و پرورش و آرائش و آرام رسانی میں صرف کر ڈالتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ایک دن موت کا بھونچال جسم و بدن کی اس عمارت کو بیخ و بن سے اُکھیڑ کر پاش پاش کردے گا اور عمر بھر حصول راحت میں جو محنتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جو رنج و غم برداشت کئے ہیں وہ کسی کام نہ آئیں گے۔ انسان ہر وقت ضروریات جسمانی کے پورا کرنے میں مصروف کار رہتا ہے، کبھی کھاتا ہے۔ کبھی پیتا ہے۔ کبھی رفع حاجت کو جاتا ہے۔ کبھی خط بنواتا ہے۔ کبھی غسل کرتا ہے۔ کبھی سوتا ہے۔ کبھی کپڑے بدلتا ہے۔ کبھی بیمار ہوجاتا ہے تو علاج کی فکر میں مبتلا ہوتا ہے۔ کبھی تغذیۂ جسم کی خاطر تلاش معاش میں دربدر ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ غرض کہ غور کرو تو تمام دن بلکہ تمام عمر اس تعمیر خاکی ہی کی درستی و آراستگی میں صرف ہوجاتی ہے اور بالآخر اس کشمکش کا نتیجہ زیر زمین جا کر کیڑوں کی غذا بن جاتا ہے۔ اس کشمکش میں یاد الٰہی میں جتنا وقت صرف ہو اُسے غنیمت اور حاصل زندگی سمجھو۔ باقی سب افعال بے سود ہیں اور بقیہ ساری محنتیں

اور کوششیں ایک دن رائیگاں ہوجانے والی چیزیں ہیں۔

**چند نصیحت آمیز مثالیں:** ایک روز ارشاد فرمایا کہ دیکھو! جس طرح ہر دنیاوی شے فانی ہے اسی طرح ہر حالت کو بھی فناء ہے۔ آج جو واقعات ہیں وہ کل نہیں جو واقعات کل پیش آئیں گے اُن کا وجود پرسوں باقی نہ رہے گا۔ ارشاد فرمایا کہ میری ہی حالت کو دیکھو کہ ایک روز یہیں (یعنی لکھنؤ۔ ٹیلہ پیر محمد شاہ صاحبؒ پر) میں بیمار اور مجبور اس بستر میں مقیّد تھا۔ آج بفضلہ تعالیٰ تندرست ہوں اور اس وقت تقریر کر رہا ہوں۔ اُس وقت دواؤں اور پرہیزی کھانوں سے میری زندگی کو قائم رکھنے کی کوشش جاری تھی۔ آج پُلاؤ قورمہ مجھے کھلایا جا رہا ہے مگر جس طرح وہ حالت نہ رہی یہ حالت بھی نہ رہے گی۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

بجز ذات و صفات باری تعالیٰ کے کسی شے کو بقاء نہیں۔

ایک روز حلقہ میں ایک شخص شریک تھے جن کی طرف اشارہ کرکے فرمایا جانتے ہو یہ کون ہیں؟ خاندان مغلیہ کے یہ ایک شہزادہ ہیں۔ اِن کی حالت دیکھ کر عبرت پکڑو۔ آج جس سرزمین پر یہ کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ اُسی سرزمین پر تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے کہ اِن کے آباؤ اجداد کے قبضہ میں حق تعالیٰ نے کروڑوں مخلوق کی جان دے رکھی تھی۔ اُن کے ایک اشارہ پر مخلوق کی قسمت کا فیصلہ ہوجاتا تھا۔ اکبر، شاہجہاں، جہانگیر کی سالگرہ پر کروڑوں روپے کی خیرات ہوجاتی تھی۔ اورنگ زیب بہت جزرس تھا مگر اُس دن وہ بھی بہت کچھ خرچ کر ڈالتا تھا۔ آج اُن ہی کی اولاد ہے کہ چند روپے ماہوار کی خاطر اُن لوگوں کی چشم مروت کی محتاج نظر آتی ہے جو کسی زمانہ میں بہزار عجز و انکسار سوئی بیچک فروخت کرنے اور روٹی کمانے اس ملک میں آئے تھے۔ ان کی حالت دیکھو اور دنیا کی بے ثباتی پر غور کرو

کہ یہ کسی کا بھی ساتھ نہیں دیتی۔ یہ اولوالعزم شاہانِ اسلام دنیا کے شیدائی اور تماشائی تھے۔ ان کی آنکھ بند ہوتے ہی اُن کے لئے سارا کھیل مٹی میں مل گیا۔ سب کچھ خواب وخیال اور افسانہ ہوگیا۔ واقعات گزشتہ کا تذکرہ حسرت اور افسوس باقی رہ گیا۔ آج اُن کی قبروں پر کوئی جاتا بھی ہے تو صرف بہ نیت تماشہ۔ برعکس اس کے راہِ حق پر چلنے والوں کو دیکھو کہ یہاں کی زندگی میں جو جاہ وجلال اُن کے گرد پایا جاتا تھا۔ وہی اُن کے مزارات پر آج بھی قائم ہے اور تاقیامت قائم رہے گا۔

فَاعْتَبِرُوْا يَاُولِي الْاَبْصَارِ﴿۲﴾

ایک روز فرمایا کہ جہاں آرا شاہجہان کی بیٹی تھی۔ کروڑ روپیہ کی اُس کی جاگیر تھی۔ روزانہ نہایت بیش قیمت اور نئی پوشاک زیب بدن کرتی تھی۔ اُس کے لباس کی تیاری کے لئے ایک پورا کارخانہ قائم تھا۔ جب مرض الموت میں گرفتار ہوئی تو حکم دیا کہ اُس کے زیور اور لباس کا سارا خزانہ خیرات کر دیا جائے اور اپنے باپ سے وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو اُس کی قبر خام بنوائی جائے اور سرہانے ایک پتھر لگا دیا جائے جس پر یہ شعر کندہ ہو ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا　　　کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

جہاں آرا کا مزار دہلی میں آستانۂ حضرت سلطان المشائخ میں واقع ہے۔ حسرت وعبرت کے ان نمونوں کو دیکھو اور سبق لو۔

**حُبِّ جاہ:** ارشاد فرمایا کہ انسان یوں تو عموماً نفس کا غلام ہوتا ہے۔ مگر جملہ خواہشات نفسانی سے بدترچیز حُبِّ جاہ اور طلب عزت ہے۔ اس کے حُصول میں انسان سے علاوہ افعال قبیحہ کے بدترین مظالم سرزد ہوتے ہیں اور انتہائی شرمناک جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھو! اگر اپنا پیٹ بھرنے کے لئے انسان سے کوئی فعل بد جیسے سرقہ وغیرہ وقوع میں آئے تو یہ کہا جاسکتا ہے

کہ یہ فعل ایک ایسی خواہش کے لئے سرزد ہوا ہے جس کے پورا کرنے پر انسان مجبور ہے۔ کیوں کہ بغیر پیٹ پالے انسان کی جسمانی حیات قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح اور بھی ضروری خواہشات کو لے لو۔ مثلاً لباس کا مہیّا کرنا یا اسی قسم کی اور ضرورتیں مگر عزت وجاہ کی خواہش اس دائرہ میں نہ آئے گی۔ انسان بغیر عزت وجاہ کے زندہ رہ سکتا ہے اور اپنے کل حوائج پورے کر سکتا ہے۔ دیکھو! عزت وجاہ اور نام و نمود کس قدر خیالی اور فانی چیزیں ہیں۔ ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے یہ دونوں باتیں ثابت ہو جائیں گی۔

شاہجہاں کی عادت تھی کہ ہر سال اپنی سالگرہ کے موقعہ پر دو کروڑ روپیہ خرچ کرتا تھا اور اپنے وزن کے برابر زر و جواہر تول کر خیرات کرتا تھا اور اپنے اس فعل سے نام و نمود حاصل کر کے خوش ہوتا تھا۔ مگر اس جاہ وحشم کا بالآخر کیا انجام ہوا؟ جب اُس کے بیٹے داراشکوہ نے جس کا کہ وہ حامی تھا اورنگ زیب سے شکست کھائی تو دونوں کے دونوں قید کر دیئے گئے نہ وہ زر و جواہر کی خیرات رہی۔ نہ وہ قدم قدم پر بسم اللہ اور آمین کہنے والے رہے۔ کس طرح طرفتہ العین میں ساری عزت خاک میں مِل گئی۔ اب ذرا دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالو۔ اورنگ زیب نے بخیال اس کے کہ ہمیشہ کے لئے خدشہ مٹ جائے اور قصّہ پاک ہو جائے داراشکوہ کے قتل کا حکم دے دیا اور بیس آدمی اس کام پر مسلّط کر دیئے جنہیں تاکیدی حکم تھا کہ شاہجہاں ہزار واویلا مچائے اور خوشامد کرے اس کا کہا ہرگز نہ ماننا اور داراشکوہ کا سر لے ہی آنا۔ مگر سر کو دھو کر لانا تاکہ خون کی بوندوں سے فرش نہ خراب ہو اور شناخت میں دقت نہ پیش آئے۔ چنانچہ جس وقت قاتل پہنچے داراشکوہ پیاز تراش رہا تھا اور شاہجہاں چولہا سُلگا رہا تھا۔ بیٹے کے قاتلوں کو دیکھ کر بیٹے سے چمٹ گیا۔ قاتلوں کی خوشامد کی۔ اپنے احسانات انہیں یاد دلائے۔ سب ہی کچھ کیا۔

مگر حکم کی تعمیل سے انہیں باز نہ رکھ سکا۔ قاتلوں نے حکم کی پوری تعمیل کی۔ شاہجہاں کو علیحدہ کر دیا اور داراشکوہ کا سر کاٹ کر اُسے دھویا۔ صاف کیا اور دربار میں لاکر حاضر کیا۔ اللہ اللہ! کیا عبرت کا مقام ہے! یہ وہی شاہجہاں تھا جس کے قبضہ میں کروڑوں مخلوق کی جان تھی۔ آج وہ اپنے لختِ جگر کی جان نہ بچا سکا اور یہ وہی داراشکوہ تھا جس کی نگاہِ مہر کے لوگ متمنی رہتے تھے آج وہ چند قاتلوں کو اپنے اوپر مہربان نہ کر سکا یہ ہے عزت وجاہ کی حقیقت بھلا ایسی منقلب شئے سے دل لگانا کون عقل مند پسند کرے گا۔ اورنگ زیب کو دیکھو کہ جب اُسے اس قدر قوت حاصل ہو گئی تھی۔ تو داراشکوہ کو قید میں زندہ رہنے دیتا تو کیا ہرج تھا۔ یہ ظلم آخر کیوں کیا گیا؟ صرف آئندہ کا خدشہ رفع کرنے کے لئے محض اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی وقت شاہی اعزاز کا مدعی بن جائے اور اورنگ زیب کی جاہ و حشم شاہانہ میں مخل ہو۔ اسی بناء پر اُس نے اپنے چھوٹے بھائی مراد کو بھی قید کیا اور قتل کرادیا۔ یہ تمام مظالم اُسی ایک خیال اور ہوس کی بناء پر سرزد ہوئے۔ یہ خواہش باوجود دیرپا نہ ہونے کے اور باوجود انسان کو جسمانی اور مادّی فائدہ نہ پہنچانے کے اس قدر قوی ہوتی ہے کہ تمام خواہشات پر فوقیت لے جاتی ہے چنانچہ جس شخص کے سپرد خاص طور پر داراشکوہ کا قتل کیا گیا تھا وہ ایک ایسا شخص تھا جس کو دارا نے شاہجہاں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا تھا۔ محض منصب و مراتب کی ہوس میں اُس نے اتنے بڑے احسان کا بھی پاس نہ کیا۔ یہ ہیں بدترین اخلاقی اور دینی جرائم جو انسان سے اس طلب میں سرزد ہوتے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾ ۔ ذرا غور تو کرو کہ عزت وجاہ سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ صرف یہی کہ چند لمحوں کے لئے نفس میں خودی پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم کو یہ مرتبہ حاصل ہے۔ حالانکہ جن کا دشمنوں سے اِس میں سابقہ پڑتا ہے اُن کے مقابلہ میں یہ خوشی ہیچ ہے اگر انسان کو حقیقی امن

ومسرت کی تلاش ہے تو بس اس شعر پر اس کا عمل ہونا چاہیئے ؎

تا توانی دِل از جہاں بگسل
رشتۂ مہرِ ایں واٰں بگسل

فرمایا کہ اہل دنیا عجیب خواب غفلت میں سوتے ہیں۔ ذرا انجام نہیں سوچتے اور حُبِ جاہ و حرص و ہوا کے پیچھے کیا کچھ فریب اور کیا کچھ ظلم و ستم نہیں کرتے۔ حالانکہ قبل آخرت اسی دنیا میں اُن کو اپنے کردار کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ باوجود اس کے وہ لوگ بیدار نہیں ہوتے۔ دہلی میں خلجیوں کے دَورِ حکومت میں ایک بزرگ تھے جن کا نام سید مولٰی تھا۔ انہیں دستِ غیب تھا۔ روزانہ پانچ اشرفیاں خرچ کیا کرتے تھے۔ نفیس نفیس کھانے پکوا کر مریدوں مہمانوں اور اہل شہر کو کھلایا کرتے تھے۔ جلال الدین خلجی کو رشک پیدا ہوا۔ کوتاہ اندیش مشیروں نے کان بھرنا شروع کئے کہ اِن کی جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ اندیشہ قوی ہے کہ یہ مدعی سلطنت بن بیٹھیں۔ یہ احمق عموماً کانوں کے کچے ہوتے ہی ہیں۔ حکومت کی محبت میں اُن بزرگ کو قتل کرا دیا۔ قتل ہوتے وقت سید صاحب نے فرمایا کہ خونِ سادات خالی نہ جائے گا۔ چنانچہ خون ناحق رنگ لایا۔ جلال الدین کا ایک بھتیجا علاؤ الدین تھا جو ایک راجہ سے لڑ کر فتحیاب ہوا اور دس من سونا دو سو من چاندی اور ایک من جواہرات اپنے ساتھ لا رہا تھا کہ طمع زر سے برانگیختہ ہو کر چچا بھتیجے کے استقبال کو نکلا۔ دریائی سفر تھا۔ کڑے سے قریب بھتیجا بھی پیشوائی کو نکلا۔ کشتی میں خود بھی سوار ہوا اور چچا بھی سوار تھا۔ علاؤ الدین اپنی جدید فتح پر نازاں تو تھا ہی ہوسِ سلطنت و حکومت بھی دامنگیر ہوئی۔ قصّہ مختصر یہ ہے کہ کشتی ہی پر اپنے چچا کو قتل کرا دیا۔ سر دریا میں غائب ہو گیا۔ دھڑ کشتی میں رہ گیا۔ جس مقام پر سر غائب ہوا تھا اُس گاؤں کا نام آج تک گم سر رہا ہے اور جس گاؤں میں ملاحوں نے تاج پایا اُس کا نام آج

تک تاج ملاحان ہے۔ یہ ہے انجام حرص و ہوائے دنیا اور ظلم ناروا کا۔

**اہل دنیا سے احتراز:** دنیا میں دو گروہ ہیں۔ اہل دنیا اور اہل آخرت۔ بظاہر دونوں ایک ہی راہ چل رہے ہیں۔ راہ حیات طے کرتے ہیں۔ پھر سفر آخرت اختیار کرتے ہیں۔ لیکن دونوں کے انجام میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔ اہل دنیا کی مثال بالکل اُس لکڑی کی سی ہے جس کو اندر سے گھُن لگ گیا ہو مگر بظاہر مسلّم معلوم ہو۔ دیکھنے میں کیسی پائدار اور اچھی نظر آتی ہے مگر حقیقتاً بجز ایندھن کے کسی کام نہیں آتی۔ گو بظاہر اہل دنیا کا جسم صحیح تندرست چاق چوبند نظر آتا ہے مگر ہوا و ہوس دنیا کے گھن نے اندر سے اُن کی روحوں کو ایسا بیکار کر دیا ہے کہ جہنّم کا ایندھن بننے کے سوائے اور وہ کسی کام ہی کے نہیں۔ سبق آخرت کو فراموش کر دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے ؎

تا توانی دل از جہاں بگسل
رشتۂ مہر ایں و آں بگسل

صوفیائے کرام نے طالبان حق کو اہل دنیا کی صحبت سے پرہیز کرنے کی بہت سخت تاکید فرمائی ہے۔ کیونکہ اہل دنیا کی صحبت میں رہنے سے اہل دنیا کی روح کا پرتو طالب حق کی روح پر پڑتا ہے اور طالب حق میں حُبِّ دُنیا پیدا ہوتی ہے جو حارج طلب حق ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ طالب حق جب مبتدی ہوتا ہے تو اہل دنیا کی صحبت کے اثر سے اہل دنیا کے حرکات و سکنات اُسے پسند خاطر ہونے لگتے ہیں اور ان ہی کے اتباع کی جانب اس کی طبیعت رجوع ہو جاتی ہے۔

**دام ابلیس:** صیاد پرندوں کو اپنے دام میں کیوں کر گرفتار کرتا ہے؟ وہ پہلے دام پھیلاتا ہے اور اُس کو اس طرح پوشیدہ کرتا ہے کہ نظر نہ آئے

پھر دانہ ڈالتا ہے۔ پرند کو دام نظر نہیں آتا۔ دانہ نظر آتا ہے۔ دانہ چگنے کے لئے آجاتے ہیں جب صیاد اُنہیں دانہ چُگنے میں منہمک پاتا ہے دام کھینچ لیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو اُن پرندوں کے گلے چھُری کے نیچے آتے ہیں اور وہ اپنی جان کھو بیٹھتے ہیں۔ یا عمر بھر کے لئے پنجرہ میں مقید ہو جاتے ہیں۔ ہو بہو یہی مثال اہل دنیا کی ہے جن کو پھانسنے کے لئے شیطان غفلت کا جال بچھاتا ہے اور لذات فانی و خواہشات نفسانی کے دانے پھیلاتا ہے اہل دنیا ان دانوں کو مایۂ عیش اور مقصود حیات سمجھ کر چننے لگتے ہیں اور غفلت کے جال میں پھنس کر اسیر شیطان ہو جاتے ہیں پھر یا تو قہر الٰہی کی چھری سے حلال ہوتے ہیں یا دوزخ کے حبس دوام میں مقید ہو جاتے ہیں۔ بعض پرندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو دو چار دانہ الگ سے چُگ کر ٹشک جاتے ہیں اور قریب بہ ہلاکت ہونے کے بعد بچ جاتے ہیں اور مامون ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ اہل دنیا جو معاصی و خبائث و لذاتِ دنیا میں قدرے قلیل مبتلا رہ کر توبہ و استغفار کے پروں سے دامِ غفلت سے اڑ بھاگتے ہیں، وہ ہلاکت سے محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں اور قہرِ الٰہی کی چھُری اور دوزخ کی قیدِ دوام سے محفوظ رہتے ہیں حق تعالیٰ نے دنیا میں تم کو اس واسطے بھیجا ہے کہ آخرت کے لئے زاد راہ مہیا کرو۔ نہ اِس واسطے کہ قہر و غضب الٰہی کے سزاوار ٹھہرو اور شیطان کے دام غفلت میں اسیر ہو۔

**سبک روی:** اہل دنیا کو حالتِ سفر میں دیکھ کر ہمیں بہت ہنسی آتی ہے۔ کیسے کیسے آسائش و راحت کے سامان مہیا کرتے ہیں اور اپنے ساتھ سفر میں رکھتے ہیں۔ مگر کیسے نادان و ناقص فہم ہوتے ہیں کہ اس زیادتی سامان سے مقصد تو اُن کا ہوتا ہے راحت مگر پہنچتی ہے ان کو اذیت اس سامان و اسباب کی باربرداری، حفاظت اور دیکھ بھال اور اس کے متعلق اہتمام و اخراجات و

محصول چُنگی وغیرہ میں انہیں بے انتہا تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ یہ جملہ مصائب ایک ذراسی خیالی راحت کی خاطر برداشت کئے جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے دریائی سفر کیا ہے۔ وہ خصوصیت کے ساتھ اِن تکالیف و آرام کا تجربہ رکھتے ہیں۔ افکار و غم جو اس زیادتی سامان کے لوازمات سے ہیں۔ تکالیف جسمانی کے ماورائے ہیں۔ ہم نے ایک بار عراق کا سفر کیا۔ بجز تسبیح و لُنگی کے اور کچھ پاس نہ رکھا۔ بڑے آرام اور اطمینان سے سفر طے ہوا۔ کسی قسم کی بھی تکلیف نہ ہوئی۔ جہاز پر پہنچے تو اپنی لُنگی بچھا کر بیٹھ گئے۔ حق تعالیٰ نے سارا سامان مہیا فرما دیا۔ بستر بھی مِل گیا استنجہ اور وضو کے لئے لوٹے پانی کا بھی انتظام ہو گیا۔ خورد و نوش کی بھی صورت پیدا ہو گئی۔ کُل ضروریات مہیّا ہو گئے۔ جب جہاز ساحل پر پہنچا تو نہایت بے فکری سے اپنی لنگی اٹھا کشتی پر سوار ہو کر جانبِ ساحل روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر ایک مسجد میں قیام کیا جہاں بڑے آرام سے گذری۔ اسی طرح وہاں سے شام پہنچے۔ شام سے حجاز آئے اور حج کیا۔ حق تعالےٰ نے پورے سفر اور زمانۂ قیام میں کل اسباب راحت مہیّا فرما دیا۔ کسی قسم کی تکلیف نہ محسوس ہوئی۔ کوئی ضرورت اٹکی نہ رہی۔ زیادتیٔ اسباب کی وجہ سے جو کلفت و رنج و پریشانی و تکلیف لوگوں کو محسوس ہوتی ہے اُس سے نجات رہی گو اہل دنیا اس درجہ اختصار نہیں برت سکتے اور اُن کا توکل اتنا قوی نہیں ہوتا تاہم "ہر چہ گیرید مختصر گیرید" پر حتی الوسع وہ عمل کریں تو بہتر ہے۔

**دنیا کی عمر:** مادّہ پرست لوگوں کا بالعموم اور اہلِ طبعیات کا بالخصوص یہ خیال ہے کہ دنیا کا وجود قدیم ہے اور زمانۂ ازلی سے قائم ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بجز تغیر صورت کے نفس مادّہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی مختلف قوتوں اور کششوں کے اثر سے اشیائے غیر موجودہ ظہور میں آتی ہیں مگر اُن لوگوں کا

یہ خیال بالکل غلط اور بے اصل ہے۔ دنیا کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک روشن لٹو لو اور اُسے تیزی سے چکر دو تو تمہیں دائرہ نظر آنے لگے گا۔ لیکن تم خوب جانتے ہو کہ تمہارا مشاہدہ غلط ہے۔ نظری اعتبار سے وہ دائرہ ہے مگر حقیقتاً صرف ایک روشن لٹو ہے جو تیز ئی حرکت سے دائرہ کی صورت میں متوہم ہوتا ہے حضرا صوفیہ کو کشفاً معلوم ہوا ہے کہ عالم کو ہر وقت فنا ہوتی رہتی ہے اور ہر وقت فیضان وجود اسے ہوتا رہتا ہے۔ فناء اور بقاء کے اس تسلسل کی تیزی سے عوام کو اس کا ادراک نہیں ہونے پاتا اور جس طرح دریا میں پانی کی روانی سے انسان دھوکا کھاتا ہے اسی طرح عالم کے اِس دورِ فناء و بقاء کے تسلسل سے بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔

دنیا کی عمر کچھ زیادہ نہیں۔ صرف آٹھ ہزار اور کئی سو برس کی ہے۔ صوفیائے کرام کو کشف باطن سے معلوم ہوا ہے کہ دس ہزار برس سے زائد دنیا کی عمر کسی طرح نہیں۔ اس کے مقابلہ میں انسان اپنی عمر کو دیکھے تو بھنگا ہے۔ جیسے بھنگا ہاتھ کی ذرا سی جنبش سے مسل دیا جاتا ہے اسی طرح انسان بھی ملک الموت کے ہاتھوں مسل دیا جائے گا۔ اور جسم بیچارہ کی تو کوئی ہستی ہی نہیں۔

جس طرح کپڑے پر کی گرد جھٹک دینے سے صاف ہو جاتی ہے اسی طرح ملک الموت کے صرف جھٹک دینے سے جسم علیحدہ ہو جائے گا۔ ہر ہزار برس میں ایک اسم کا دَور ہوتا ہے۔ حقیقت اسماء کا انکشاف قبل ورودِ دور ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ انکشاف حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہی کے پاس پہنچ کر ہوتا ہے۔ کہیں اور نہیں ہوتا۔ یہ مرتبہ نہ کسی اور پیغمبر کو عطا ہوا ہے نہ فرشتوں کو۔

---

لے کانپور میں بروز پنجشنبہ بتاریخ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ قبل نماز فجر یہ تقریر فرمائی گئی۔

# اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً

**کمالاتِ انسانی:** انسان کے کمالات پر غور کرو تو عقل متحیر ہو جاتی ہے۔ سطح زمین پر بیٹھا ہوا قعر دریا کی پیداوار برآمد کرتا ہے اور اُن سے متمتع ہوتا ہے زمین کے خزانے کھود کھود کر نکالتا ہے کیسے کیسے قوی مہیب اور خونخوار جانوروں کو اپنا تابع فرمان بنا لیتا ہے۔ قدرت کی مختلف قوتوں کو تسخیر کر کے اُن سے اپنا کام چلاتا ہے رحم دل بھی ہے اور غضب آلود بھی یہ سب کچھ محض اُس عالم ملکوت کی چڑیا کے کرشمے ہیں جو قفس خاکی میں بند ہے چونکہ اصل ذات خالق بھی ہے صانع بھی ہے اور صاحب جمال و جلال بھی ہے۔ ذرّہ روح میں بھی ان ہی خصائص کا پرتو آیا حضرت انسان کی بابت حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً اس آیت کریمہ کی تفسیر روزمرہ کے واقعات میں پائی جاتی ہے۔ انسان کی قوتوں کا ذرا اندازہ کرو کہ طبیعت کی ذراسی قوت سے دوسرے کو بے ہوش کر دیتا ہے۔ خدا نے انسان میں بڑی بڑی قوتیں پوشیدہ رکھی ہیں اور اُسے بڑے بڑے امور سرانجام دینے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔

**نفخ روح:** وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ حق تعالیٰ نے لبِ وجود لگا کر بے جان کالبد آدم میں روح پھونکی تو جملہ جلوہ ہائے اسماء و صفات کالبد خاکی میں آگئے مثل آواز نے کے۔ آواز نے باطناً ایک سادہ آواز ہے مگر ظاہراً اس میں اُتار چڑھاؤ۔ مختلف ترکیبیں۔ مختلف کیفیتیں، اور مختلف شانیں مثل مظاہر اسماء و صفات کے ہیں۔ بانسری بجانے والا اپنی آواز سے دوسرے کو بھی مست کرتا ہے اور خود بھی مست ہو جاتا ہے

اور دل میں اپنے کمال پر وجد کرتا ہے انسان بھی شل نے کے ہے وہ غلطی سے اپنے کمالات کو اپنا سمجھتا ہے۔ اس خودی کی حقیقت پر آگاہ ہوتے ہی حقیقت پر سے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ

## قصہ آدم علیہ السلام :

دیکھو! آج کل بھی بعض جنگلی اقوام پتوں سے اپنا بدن ڈھانپتی ہیں آیت مذکورہ بالا کی اس سے ایک طرح کی تصدیق ہوتی ہے اور سمجھ میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے بھی تمدن کے اُس ابتدائی زمانہ میں ایسا ہی کیا ہوگا۔

ابلیس نے فطرت انسانی کو کیسا پہچانا۔ جس طرح جانور کو گھاس دکھا کر پکڑتے ہیں آدم علیہ السلام کو لالچ دیا کہ گیہوں کھا لینے سے ہمیشہ کے لئے یہیں رہ پڑو گے اور یہاں سے اخراج کا احتمال جاتا رہے گا۔ شیطان بوجہ صحبت ملائکہ کے انسانی کمزوریوں سے واقف ہو گیا تھا۔ آدم علیہ السلام پر نظر عنایت اُسے ناگوار گذری۔ اُس نے کوشش کی کہ آدم علیہ السلام کی کمزوریاں اور اُن کے نقائص نمایاں ہوں تا کہ وہ نظروں سے گر جائیں۔ ابلیس نے اپنی معلومات کی بنا پر یہ چال چلی۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں سے وہ واقف نہ تھا۔ اس لئے جو کام اس نے آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گرانے کی غرض سے کیا وہی باعث ہو گیا اُن کے اکتساب کمالات اور حصول فضیلت کا چنانچہ فرمان الٰہی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً پورا ہوا۔

جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر آدم کو اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ "یا اللہ! تیری خلافت کے زیادہ مستحق ہم ہیں جو رات دن تیری تسبیح میں رہتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں یا وہ لوگ جو زمین میں

فساد مچائیں گے اور خرابی پیدا کریں گے"۔ فرشتوں کا یہ علم اجتہادی تھا۔ اسفل سے وہ اس نتیجہ پر آئے کہ فساد اور خرابی انسان کی فطرت میں داخل ہے معلوم ہوا کہ فساد کا مادّہ انسان سے کبھی زائل نہ ہوگا خواہ زمانہ کتنی ہی ترقی کرے چنانچہ ہر زمانہ میں مہذب سے مہذب دنیا داروں اور بڑے سے بڑے فلسفیوں سے کچھ نہ کچھ وحشیانہ حرکات سرزد ہوتے ہی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی کے دونوں پہلوؤں پر کس خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ ایک پہلو کی بابت تو فرشتوں کی زبان سے کہلوا دیا کہ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ اور خود پردہ میں رہے اور دوسرے پہلو کا اظہار خود یہ فرما کر کیا کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا علمائے ظواہر اور صوفیائے کرام کے درمیان اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ علمائے ظواہر اسماء سے اُن اشیاء کے نام مراد لیتے ہیں جو دنیا میں برتی جاتی ہیں یہ تفسیر ایسی ہے کہ اس پر ہنسی آتی ہے۔ اسے تسلیم کر لینے پر سینکڑوں اعتراضات وارد ہوتے ہیں صوفیائے کرام کے نزدیک یہ علم علم اسماء و صفات ہے۔ اسماء و صفات کی معرفت میں آدم علیہ السلام کی تکمیل فرما کر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے دریافت کیا کہ بھلا بتلاؤ تمہاری معرفت کتنی ہے۔ فرشتوں نے اپنے نقص کا اعتراف کیا اور عرض کیا کہ ہمیں تو بس اُسی قدر علم ہے جس قدر کہ تو نے ہمیں بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ فرمائی کہ جب تمہارے علم سے آدم کا علم زیادہ ہے اور وہ ہماری معرفت میں بڑھا ہوا ہے تو اُس کے مقابلہ میں تم کیوں کر خلافت کے متوقع ہو سکتے ہو۔ بس اپنا سر آدم کے آگے جھکا دو۔ صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ یہ سجدہ دراصل اُس روح کو تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں پھونکی تھی۔

خلافت کے مسئلہ پر بحث چھڑی تو اعتراض فرشتوں کی جانب سے بھی ہوا اور

ابلیس کی جانب سے بھی پھر کیا وجہ ہے کہ فرشتوں کی گرفت نہ ہوئی اور ابلیس ہمیشہ کے لئے راندہ گیا؟ جواب اس کا یہ ہے کہ فرشتوں کے اعتراض کے بعد جب وہ مقابلہ میں لائے گئے اور علم معرفت میں آدم کے مقابلہ میں کمزور ثابت ہوئے تو لچ گئے اور اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے لگے اور جب انہیں سجدہ کا حکم ملا تو فوراً سجدہ میں گر پڑے۔ اُن سے یہ اظہار عبدیت ہوگیا اور کوئی بازپُرس نہ ہوئی۔ برعکس اس کے ابلیس فرشتوں کے اعتراض پر خاموش کھڑا روئیداد جلسہ دیکھتا رہا اور خود کچھ نہ بولا۔ حالانکہ دل میں کپٹ رکھتا تھا اور جب امتحان میں آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہوئی تو بجائے اس کے کہ فرشتوں کی طرح اعترافِ قلّتِ معرفت کرتا اور خدا کے حکم کی تعمیل میں سجدہ میں گر پڑتا، خشک ٹہنی کی طرح نہ لچا اور بول اٹھا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ پس فرشتوں میں شانِ عبدیت پائی گئی اور معاف کر دیئے گئے۔ برعکس اس کے ابلیس میں سرکشی پائی گئی اور پھٹکارا گیا۔

قصّہ آدم علیہ السلام سے معلوم ہوا کہ تنزل کا آغاز خواہش سے ہوتا ہے آدم علیہ السلام میں نہ جنت میں ہمیشہ رہنے کی خواہش غلبہ کرتی نہ اس اخراج کی نوبت آتی۔

(اختلاف متذکرہ بالا متعلق بہ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے ضمن میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ) ہر شخص مجبور ہے کہ اپنے فہم کے مطابق معنی سمجھے۔ ایک شخص نے چادر کے کونے میں کچھ موتی باندھ کر کسی دیہاتی گنوار سے پوچھا کہ بھلا بتا۔ میری چادر میں کیا بندھا ہے۔ اُس نے ٹٹول کر جواب دیا کہ چنے۔ دراصل موتی کی جانب اُس کا ذہن منتقل ہی نہ ہو سکتا تھا۔

## کمالاتِ باطنی:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو آنکھیں بنائی ہیں، ایک زبان اور دو ہونٹ، ہونٹ بظاہر ایک ناقص چیز ہیں مگر باطناً کمال کا باعث ہیں۔

ایک ہونٹ بھی کم ہو تو انسان صحیح تلفظ نہ ادا کر سکے۔ ناک بظاہر ایک ناقص چیز ہے۔ مگر حسنِ انسانی کی تکمیل کا باعث ہے کمال پیدا کرنے والی چیز بھی کامل ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی شے کی ہیئت ظاہری میں نقص واقع ہونے کے یہ معنی نہیں کہ باطنی کمال اُس سے مفقود ہے تم میں اور بادشاہ میں صوری اعتبار سے کوئی فرق نہیں ایک ناک دو کان دو آنکھیں اور دو ہاتھ جو تمہارے ہیں وہ اُسکے ہیں۔ یہ نہیں کہ چار کان دس آنکھیں اور پچیس ہاتھ اُس کے ہوں جن کی وجہ سے وہ ایک غیر معمولی شخص ہو گیا ہو۔ ظاہری اعتبار سے وہ تمہارے برابر ہے۔ خوبصورتی عقلمندی اور علمی قابلیت میں بھی اس کی رعایا میں متعدد لوگ ایسے ہوں گے جو اُس پر فوقیت رکھتے ہوں۔ مگر باوجود اس کے تم میں اور اُس میں کتنا عظیم الشان فرق ہے کہ وہ بادشاہ ہے اور تم رعیت۔ اُس کا ذکر آتے ہی لوگوں کا ذہن فوراً اُس کی خصوصیت کی طرف منتقل ہوتا ہے جس نے اُسے دوسروں پر ممتاز کر رکھا ہے۔ اُس کی سواری نکلتی ہے تو باوجود ظاہری صورت میں عوام کے مشابہ ہونے کے لوگ اُسے دیکھنے کو دوڑتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں میں دریافت مجہول کا اشتیاق فطری طور پر ودیعت کیا گیا ہے۔ یہ مادّہ انسان میں حق تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ لوگ اُس کی جانب مائل ہوں۔ لوگوں میں نامعلوم شے کے معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا کر کے خود پردہ میں چھپ گئے۔

اوپر کی مثال سے یہ واضح ہو گیا کہ کسی شے میں نقص ظاہری کے ہونے سے کمال باطنی کے اُس میں سے مفقود ہونے پر دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ ہر چیز کے ظاہری ٹکڑوں میں نقص ہوتا ہے مگر وہ ناقص ٹکڑے کامل چیز کی تکمیل کا باعث ہوتے ہیں اور یہ خود ایک کمال ہے "ہمہ اوست" کے کہنے والے جُزو کو کل نہیں کہتے۔ اگر کسی شخص کا نام زید ہے تو وہ سر سے پیر تک زید ہے۔ اُس کے کسی جزو

کو زید نہ کہیں گے۔ اُس کا ہاتھ یا اُس کا پیر یا اُس کی آنکھ ناک زید کہلائی جانے کی مستحق نہیں بلکہ یہ سب زید کے اجزاء ہیں۔ اسی طرح کائنات جن اشیاء کا مجموعہ ہے اُن اشیاء پر فرداً فرداً "اوست" کا اطلاق نہیں ہوتا۔

**قیودِ انسانی:** ارشاد فرمایا کہ انسان پانچ زبردست قیود میں مقید ہے پہلی قید قانونِ قدرت کی ہے۔ مثلاً بھوک پیاس۔ اس قید سے انسان نکل نہیں سکتا۔ دوسری قید رسم و رواج کی ہے جن میں انسان بشیتر جکڑا رہتا ہے۔ تیسری قید حکومت کے قوانین کی ہے۔ جو انسان کو غلام بنائے رہتے ہیں۔ چوتھی قید مذہب کی ہے جس کی پابندی انسان کے لئے ضروری ہے۔ پانچویں قید خیال کی وہ زنجیریں ہیں جن میں انسان جکڑا رہتا ہے اور جن سے آزادی حاصل کرنا سب سے زیادہ مشکل ثابت ہوتا ہے ان جملہ قیود سے آزادی حاصل کرنے کے نہایت آسان طریقے وہ ہیں جو میں وقتاً فوقتاً تمہیں بتا چکا ہوں۔ اصلی آزاد زندگی وہی ہے جو خوشی اور غم دونوں سے آزاد ہو۔ وہ عیش جس میں غم کا بھی احتمال ساتھ ساتھ ہو مثل اُس میٹھے زردہ کے ہے جس میں ذراسی کڑواہٹ ملادی گئی ہو اور جو ہر لقمہ پر کھانے والے کے منہ کو کڑوا کر دیتا ہو۔ جس شیرینی کے ساتھ کڑواہٹ ہو وہ شیرینی ہی نہیں۔

**کرامت بنی آدم:** ارشاد فرمایا کہ دریا کی آبادی کس قدر وسیع ہے اور اس میں کی خلقت کتنی عجیب و غریب اور تم سے کس قدر مختلف ہے۔ تم بھی ہوا کے سمندر میں رہتے ہو۔ تم وہ ہو کہ ذرا سے بوجھ سے دب جاتے ہو۔ مگر لاکھوں من ہوا تمہارے سر پر رہتی ہے لیکن خدا کی حکمت پر نظر کرو کہ تم اُس کا بوجھ مطلق محسوس نہیں کرتے۔ اسی طرح مچھلیوں کے سر پر بھی لاکھوں من پانی کا بوجھ ہوتا ہے مگر وہ بھی اس بار کو محسوس نہیں کرتیں دیکھو!

کس قدر عجیب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی تو بڑے عجائب پسند ہیں اور تم بھی عجائب پسند ہو۔ جانتے ہو۔ یہ عجائب پسندی اللہ نے تم میں کیوں پیدا کی؟ یہ اس لئے پیدا کی کہ تم اللہ کی طرف مائل ہو عجائبات کے کھلونے تمہیں اس لئے نہیں عطا ہوئے کہ تم اپنا وقت اُن ہی میں برباد کردو۔ بچہ جب روتا ہے یا مچلتا ہے تو اُس کا باپ اُسے کھلونے دیتا ہے۔ باپ کا منشاء یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ بچہ ان کھلونوں میں عمر برباد کردے۔ بلکہ صرف دفع الوقتی کے لئے وہ ایسا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا منشاء عجائب پسندی کا مذاق تم میں پیدا کرنے سے یہ ہرگز نہیں کہ عجائبات کے کھلونوں ہی کو تم اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لو۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ تم اُس عجیب العجائب کی طرف رغبت کرو اور بچوں کی طرح کھلونوں میں سرشار نہ رہو۔ ایک اور بات قابل غور ہے۔ ہوا کے سمندر اور پانی کے سمندر کے درمیان ایسی مضبوط حد فاصل قائم کردی گئی ہے کہ ایک سمندر کا رہنے والا دوسرے سمندر میں نہیں جا سکتا۔ ہوا کے سمندر کا رہنے والا پانی کے سمندر اور پانی کے سمندر کا رہنے والا ہوا کے سمندر میں جائے تو سزائے موت کا حکم اُسے سنا دیا جاتا ہے۔ مچھلی خشکی پر آکر ایک دن زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور خشکی کا جانور پانی میں جاکر تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتا مگر وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا

انسان کو اللہ تعالیٰ نے کس درجہ کرامت عطا فرمائی ہے کہ ان دو دریاؤں میں باوجود ایک زبردست حدّ فاصل کے قائم ہونے کے وہ خشکی اور تری دونوں پر چلتا پھرتا ہے۔ خشکی پر چلتا ہے اور سواری پر بڑی سفر طے کرتا ہے تو دریا میں تیرتا ہے اور جہاز اور کشتیوں پر بحری سفر طے کرتا ہے اور غواصیاں کر کے موتی اور مونگے سمندر کی تہ میں سے نکال لاتا ہے جو کرامت اللہ تعالیٰ نے

انسان کو عطا فرمائی ہے وہ کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی مصاحبت کے لئے منتخب فرمایا ہے یہ مرتبہ کسی اور کے لئے نہیں۔ مگر جب مصاحبت کے لئے کسی کو منتخب کرتے ہیں تو دیکھ لیتے ہیں کہ وہ شخص مصاحبت کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ یہ دیکھنے کے لئے پہلے دیکھتے ہیں کہ انسان اُجلا ستھرا بھی رہتا ہے اور ہماری محفل میں آنے کے قابل ہے بھی یا نہیں۔ یہ تزکیہ ہے۔ پھر دیکھتے ہیں کہ عادات وخصائل اُس کے ہماری ہم نشینی کے قابل ہیں یا نہیں۔ یہ تصفیہ ہے۔ پھر دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں کے آداب مجلس سے واقف ہے یا نہیں۔ یہ تجلیہ ہے پھر دیکھتے ہیں کہ ہمارے مزاج سے بھی واقف ہے یا نہیں کیونکہ بغیر اس کے انسان مصاحبت کے قابل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ معرفت ہے۔ ان اوصاف کے بغیر مصاحبت کے لئے کوئی منتخب نہیں ہو سکتا۔

# شیخ و مُرید

**مصلحت رسالت:** ارشاد فرمایا کہ شب دیجور میں آنکھوں والا اور اندھا برابر ہیں۔ آنکھوں والے کی آنکھیں اُسے مطلق فائدہ نہیں پہنچاتیں ظاہر ہے کہ آنکھ باوجود تندرست ہونے کے روشنئ آفتاب کی محتاج ہے۔ اسی طرح راہِ حق میں سالک خیال کی آنکھ سے آفتاب قدس کی روشنی میں حقائق ومعارف کی سیر شروع کرتا ہے اور دوربین الٰہی کی مدد سے بہت دور دور کی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ آنکھ مشاہدہ میں غلطی بھی کیا کرتی ہے۔ مثلاً تارا دیکھنے میں ذرا سا نقطہ معلوم ہوتا ہے مگر دوربین کہتی ہے کہ آنکھ کا فتویٰ غلط ہے تارا ذرا سا نقطہ نہیں بلکہ ایک بہت بڑی چیز ہے جو سینکڑوں بلکہ

ہزاروں میل لمبی چوڑی ہے۔ دوربین کے اس مشاہدہ کو تسلیم کر لینے پر عقل مجبور ہوتی ہے۔ اسی طرح خیال سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ خیال کی غلطیاں دوربین الٰہی سے دور ہوتی ہیں۔ چنانچہ جو لوگ فیض رسالت سے محروم رہتے ہیں اُن کی محنت وریاضت اُنہیں ان غلطیوں میں مبتلا کر کے منزل مقصود سے دور ہٹا دیتی ہیں۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ حق تعالےٰ نے کلام پاک میں یہ حکم تو صادر فرمادیا کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ مگر طریقہ صلوٰۃ اور نصاب زکوٰۃ کچھ نہ ارشاد فرمایا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم چونکہ منظور باری تعالیٰ تھا وہ دیا گیا۔ رہا طریقۂ صلوٰۃ و زکوٰۃ تو چونکہ ان چیزوں کا تعلق عمل سے ہے ان کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر چھوڑ دی گئی اور یہ تعلیم وہبًا آپؐ کو عطا فرما دی گئی تاکہ طالبان حق اسے آپؐ کے توسل سے حاصل کر لیں۔

ایک موقعہ پر حضرت اقدس کو کلکتہ تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں انگریزی داں طبقہ کے چند معزز لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُنہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ :- سنو! میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ ذرا صحیح طور پر اس کا جواب دینا۔ اس وقت انگریزی عملداری میں اگر کوئی شخص بفرض محال سعدیؒ کا فارسی میں ہم پلہ ہو اور گورنمنٹ میں یہ درخواست پیش کرے کہ میں فارسی کا اتنا بڑا ادیب و فاضل ہوں لہٰذا مجھے کسی صوبہ کی گورنری کا عہدہ یا کم از کم کلکٹری ججی یا منصفی ہی کا عہدہ دیا جائے تو تمہاری رائے میں کیا گورنمنٹ اُس کی درخواست منظور کر لے گی؟ جب کہ ان عہدوں پر مقرر ہونے کے لئے جو شرائط مقرر کی گئیں ہیں۔ اس شخص میں موجود نہ ہوں اور خدمتِ مطلوبہ کے انجام دینے کی اس میں مطلق صلاحیت نہ ہو تو کیا محض اس بناء پر کہ وہ فارسی کا بہت بڑا ادیب ہے اِس کو اِن عہدوں میں سے کسی عہدہ پر مقرر کیا جا سکتا ہے؟

لوگوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ بس اسی پر قوانین خداوندی کو بھی قیاس کرو۔ جو شخص محض نابلد ہو اور احکام خداوندی سے ناواقفِ محض ہو۔ اُس کو خداوند کریم کیوں کر اپنی مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لئے منتخب و مبعوث کرنا پسند فرمائے گا۔ وہ ہدایت خلق کے لئے یقیناً ایسے ہی اشخاص کو منتخب فرمائیگا۔ جو اس کے اسرار کے محرم راز بن سکیں اور اُس کی کتاب مبین کو پڑھ کر اور اس میں امتحان دے کر پاس ہو چکے ہوں۔ یا پھر دوسری مثال یہ لو کہ آج کل بی۔ اے اور ایم۔ اے یوں تو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں کالجوں سے نکلتے ہیں مگر ان میں سے غیر معمولی قابلیت و صلاحیت کے لوگ چند ہی ہوتے ہیں۔ جو دوسروں کو بھی بی۔ اے اور ایم۔ اے پاس کرا سکیں۔ بنی نوع انسان ہونے کی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام اور عوام الناس دونوں برابر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ برعکس عوام کے انبیاء اور اولیاء وہ برگزیدہ کامیاب اور منتخب گریجوئیٹس ہیں جنہوں نے خدائی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے اور اس کی کتاب مبیں یعنی صحیفۂ ہستی کا غور و خوض سے مطالعہ کر کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ہو اور حق تعالیٰ نے اُن کو اپنے بندوں کی ہدایت و تعلیم و تلقین کے لئے مختص فرما دیا ہو۔

**ضرورت شیخ:** ارشاد فرمایا کہ نطفہ کو دیکھو کہ بظاہر سفید بدبودار پانی ہے۔ مگر حقیقتاً اُس کے اندر کیسی کیسی دلفریب صورتیں پوشیدہ ہیں جو ابتداء میں ذہن میں نہیں آتیں لیکن بالآخران کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی نطفہ کو اگر ہیرے زمرد سونے یا چاندی کے ظروف میں رکھا جائے تو برباد ہو جائے گا۔ معلوم ہوا کہ نطفہ میں گو قابلیت ہے مگر تندرست رحم مادر مختص ہے اس کے لئے کہ وہ قابلیت نتائج بخش ہو۔ یہی حال روح کا ہے جس طرح نطفہ رحم مادر میں پرورش پا کر پاکیزہ شکل و صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اسی طرح روح بھی انبیاء علیہم السلام

اور بواسطہ اُن کے اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کی آغوش رحم میں تربیت پا کر حُسن اصلی کو پہنچتی ہے مطلب یہ ہے کہ مرشدِ کامل کی تربیت کے بغیر روحانی ترقیات ظہور میں نہیں آتیں۔

**اوصاف شیخ:** ارشاد ہوا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ (یعنی اور راہ چل اُس کی جو رجوع ہوا طرف میرے) اس سے یہ نکلتا ہے کہ مرشد وہ ہونا چاہیئے جو اللہ اللہ کرنے والا ہو اور حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو۔ یہ بھی فرماتا ہے کہ اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِيۡرَةٍ (یعنی بلاتا ہو اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر) اس سے معلوم ہوا کہ دعوت الی اللہ وہی دے جو بصیرت رکھتا ہو۔ پھر حق تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ وَّدَاعِيًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا (یعنی بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چراغ روشن) اس سے اجازت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے جس کا صوفیہ کے ہاں ہر بات میں لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ایک بات یہاں اور بھی قابل لحاظ ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو چراغ سے تشبیہ دی گئی حالانکہ چاند اور سورج چراغ سے زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک سورج سے یا ایک چاند سے دوسرا سورج یا دوسرا چاند نہیں بن سکتا حالانکہ ایک چراغ سے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور پہلا چراغ اپنے حال پر قائم رہتا ہے اس سے پایا گیا کہ شیخ میں اس صفت کا ہونا بھی لازمی ہے کہ وہ خود بھی روشن ہو اور دوسروں کو بھی روشن کر سکے یعنی اُس کی نسبت متعدی ہو نہ کہ لازمی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ شیخ اور مُرید کی مثال بالکل تسبیح کے دانوں کی سی ہے۔ شیخ مثل رشتہ کے ہے جو دانوں اور امام میں یکساں پیوست ہے اور سب کو یکجا کئے ہوئے ہے۔ اگر تسبیح کو جھٹکا دیا جائے تو کوئی دانہ جُدا نہ ہونے پائے

گا۔ مریدین مثل دانوں کے ہیں شیخ مثل دھاگے کے ہے اور ذات پاک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم امام ہیں۔

ایک موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مرشد مشاطہ کی طرح ہوتا ہے جو دو اجنبیوں میں تعلق کا باعث ہوتا ہے دونوں اجنبی ایک دوسرے سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ مشاطہ ایک کی طرف سے دوسرے کے پاس وکالت کرتی ہے کچھ اُن سے اِن کی کہی کچھ اِن سے اُن کی۔ کچھ اِنہیں راضی کیا کچھ اُنہیں۔ غرضکہ دونوں کو منا کر پھسلا کر ایک کر دیا اور خود الگ ہو گئے وصال کے بعد مشاطہ کا دخل نہیں رہتا۔

## اقسام شیخ:

ارشاد فرمایا کہ شیخ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ شیخ کامل[۱]۔ شیخ مکمل[۲] اور شیخ اکمل[۳]۔

شیخ کامل[۱] خود تو کامل ہوتا ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک بی۔ اے کسی طالب العلم کو ابتدائی کتابیں بھی نہیں پڑھا سکتا۔ ایک بچہ کو ابتدائی کتابیں تو ہر بی۔ اے پڑھا دے گا۔ مگر معمولی قابلیت کا بی۔ اے باوجود خود بی۔ اے ہونے کے دوسرے کو بی۔ اے نہ کرا سکے گا۔ اس کے لئے کوئی غیر معمولی قابلیت کا بی۔ اے منتخب کیا جائے گا۔

شیخ مکمل[۲] خود بھی کامل ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکتا ہے۔

شیخ اکمل[۳] بھی مثل شیخ مکمل کے خود کامل ہوتا ہے اور دوسروں کو کامل بنا سکتا ہے مگر وہ دوسروں کو کامل بنایا نہیں کرتا۔ کیونکہ اس پر استغراق کا غلبہ رہتا ہے اور وہ مغلوب الحال ہوتا ہے برعکس شیخ مکمل کے جو کہ ابو الحال ہوتا ہے۔

شیخ مکمل کو غوث دوراں اور قطب ارشاد بھی کہتے ہیں۔ ہمارے سلسلہ کی یہی خصوصیت ہے کہ اس سلسلہ میں بہت زیادتی کے ساتھ ایسے ہی شیوخ ہوتے ہیں۔ تو تم لوگ اپنے کو ہرگز محروم نہ سمجھو۔ اللہ نے چاہا تو کوئی بھی محروم نہ رہے گا۔ بس

شرط یہ ہے کہ تین باتوں کا پورا خیال رکھا جائے۔ وصول الی اللہ کے لئے جملہ مشائخوں کا اِن ہی تین شرائط کے ضروری ہونے پر اتفاق ہے۔ اوّل یہ کہ طالب ذکر کرتا رہے۔ دوّم یہ کہ مراقبہ کرتا رہے۔ سوّم یہ کہ اپنے شیخ سے رابطہ محبت قائم رکھے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا میں اسی رابطہ کی جانب اشارہ ہے ایک واقعہ سنو۔ ایک بزرگ کلام مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ خضر علیہ السلام نے آکر سلام کیا۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ خضر نے پھر سلام کیا۔ پھر جواب نہ ملا۔ متعدد بار یہی ہوتا رہا۔ جب ساتویں بار سلام کیا تو اُن بزرگ نے ڈانٹ کر کہا کہ "خضر! کیا بار بار سلام کرتے ہو۔ جاؤ میری تلاوت میں مخل نہ ہو۔" یہ کہہ کر پھر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ خضر علیہ السلام فرمانے لگے کہ "ہزاروں لوگ مجھ سے ملنے کی تمنا میں رہتے ہیں۔ درآنحالیکہ یہ وہ بزرگ ہیں کہ میں تو ان کے پاس آیا ہوں اور یہ مجھ کو دھتکار رہے ہیں۔ اِن کے وہ مراتب عالیہ ہیں کہ ہمارا کشفِ باطن بھی اُن مقامات عالی تک رسائی پانے سے قاصر ہے"۔ پھر خضر علیہ السلام نے اُن بزرگ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ "اچھا! ایک بات تو بتا دو۔ اگر تمہارے شیخ اس وقت آتے تو تم کیا کرتے؟" آپ نے فرمایا کہ "فوراً کلام مجید بند کر کے اُن کے قدموں پر گر پڑتا اور جہاں وہ جاتے ان کے پیچھے پیچھے جاتا" حضرت خضر نے پوچھا کہ یہ کیوں؟ فرمایا کہ "مجھے خدا بھی اُسی دروازہ سے ملا ہے"۔ یہ فرما کر مسکرائے اور تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ مرید کو پیر کے ساتھ اس قسم کا رابطہ قائم رکھنا چاہیئے۔

<u>برکاتِ شیخ</u>: فرمایا کہ جب کوئی رئیس معزز مہمانوں کی دعوت کرتا ہے تو ایک طرف تو نفیس اور لذیذ کھانوں کا انتظام کرتا ہے جو معزز مہمانوں کے لئے ہوتے ہیں اور دوسری طرف دانے گھاس کا انتظام کرتا ہے جو مہمانوں کے گھوڑوں اور جانوروں کے لئے ہوتا ہے اسی طرح اہل اللہ کے ہاں بھی مہمان نوازی کے دوہرے

دوسرے انتظامات ہوتے ہیں۔ جو طالب اللہ ہیں اُن کے لئے تو لطیف روحانی غذاؤں کا سامان ہوتا ہے اور جو طالبانِ دنیا ہیں اُن کے لئے گنڈے تعویذوں کا دانہ گھاس۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ بعض مریدین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ انہیں ہماری صحبت میں اتنا زمانہ گذرا اور باوجود اذکار و اشغال میں مصروف رہنے کے کوئی فائدہ اُنہیں محسوس نہ ہوا۔ اس پر ہم کو حضرت جمال الدین کبریٰ رح کا ایک قصہ یاد آگیا۔ آپ نے اپنے دو مریدوں کو خلوت میں بٹھایا۔ ایک تو ان میں سے حضرت شمس تبریز رح تھے اور دوسرے ایک اور صاحب تھے۔ بعد اختتامِ خلوت دونوں سے خلوت کا حال دریافت کیا گیا۔ دوسرے صاحب نے تو خلوت کی جملہ کیفیات بیان کردیں۔ مگر حضرت شمس تبریز رح بوجہ ادب کے خاموش رہے اور جب ان سے حالات دریافت فرمائے گئے تو عرض کیا کہ ادب مانع ہے۔ شیخ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہاری زبان قونیہ میں ہے اور وہ تمام عالم میں پھیلے گی، پھر دونوں مُریدوں کو جُدا جُدا مقامات پر روانہ فرمادیا۔ بارہ برس بعد دونوں کو طلب فرمایا اور دونوں کی کیفیات قلبی کو سلب کر کے حالت دریافت فرمائی۔ مریدِ ثانی نے شکایت شروع کردی کہ باوجود زمانہ دراز تک مجاہدہ کرنے کے کچھ نہ حاصل ہوا۔ حضرت شمس تبریز رح نے عرض کیا کہ پیرومرشد کے تصدق میں یہ ہی کیا کم ہے کہ زبان کو اللہ اللہ میں مصروف رہنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ:۔ "شمس رح! دیکھ! تیرے سر پر شمس سایہ افگن ہے تو قونیہ جا" مریدِ ثانی کو حکم ہوا کہ "تم اصفہان جاؤ۔ اور پھر خلوت کرو"۔ حاصل اس حکایت کا یہ ہے کہ شیخ کی صحبت میں بفرضِ محال مرید کو کچھ اور نہ حاصل ہو تو یہ کیا کم ہے کہ توفیقِ طاعت اُسے نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کے ذکر سے زبان کا تر رہنا خود بہت بڑی بات ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ ایک موقعہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی چند روز تک بند رہا۔ آپؐ پر اس درجہ انقباض طاری ہوا اور آپؐ اس حد تک مغموم و پریشان ہوئے کہ پہاڑ پر جا کر آپؐ نے اپنے آپؐ کو گرا کر ہلاک کر دینے کا قصد فرمایا کہ اُسی وقت وحی نازل ہوئی اور یہ نزول وحی آپؐ کی بڑی تسکین خاطر کا باعث ہوا۔ حضرت بابا فرید الدّین گنج شکرؒ بھی ایک روز کسی بات پر اپنے مرید حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ سے ناراض ہو گئے تھے حضرت سلطان المشائخؒ کو اتنا صدمہ ہُوا کہ کنوئیں میں ڈوبنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ بابا صاحبؒ نے انہیں بُلوا بھیجا اور حضور سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا متذکرہ بالا واقعہ بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ ہماری ناراضی تمہاری پختگیٔ حال کے لئے تھی۔ دیکھو! ہماری ناراضی سے تمہیں یہ سُنّت اضطراری طور پر حاصل ہو گئی۔ شیخ کی ناراضی بھی مصلحتاً ہوتی ہے اور باعث ترقیات ہو جاتی ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے دروازہ پر ایک گداگر بھیک مانگتا ہوا پہنچا۔ آپ کی خادمہ اناج لے کر اُسے دینے باہر آئی۔ گدا کسی قدر آوارہ مزاج تھا۔ مزاحاً خادمہ سے پوچھنے لگا کہ تیرے سینہ پر یہ بلندی کس چیز کی ہے۔ خادمہ نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے ان محتاجوں کے لئے جو طاقت سوال نہیں رکھتے اُن کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اپنی رحیمی کریمی اور رزاقی سے یہ چشمۂ رزق جاری فرما دیا ہے۔ اُس گداگر پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے فوراً شیخ کے ہاتھ پر بعیت کر لی اور شیخ کے حکم سے جنگل میں چلّہ کشی کے لئے چلا گیا اور مشغول بہ عبادت ہو گیا۔ زمانہ چلہ کشی میں شیخ اُسے دو رُوٹیاں شب و روز میں کسی وقت بھجوا دیا کرتے تھے۔ باوجود چلہ کشی کی ریاضتوں اور دو روٹیوں کی قلیل مقدار کے وہ گدا فربہ ہو گیا۔ جو خادم روٹیاں لے کر جایا کرتا تھا۔ اس نے ایک دن فربہی کا سبب دریافت

کیا۔ گدا نے جواب دیا کہ زمانہ گداگری میں حصولِ رزق فردا کی فکر میں روح تحلیل ہوتی رہتی تھی اور باوجود بکثرت بھیک بٹورنے کے دُبلا رہتا تھا۔ اب اس غم سے آزاد ہوں۔ یہ روٹیاں نہ ملیں جب بھی فکر نہیں۔ بس راہِ حق میں چلنے کا سب سے بڑا دنیوی فائدہ تو یہی ہے کہ انسان غمِ دنیا سے نجات پا جاتا ہے ؎

غنی را ز زر و سیم آرائش است
ولیکن فقیر اندر آسائش است

ذرا غور کرو کہ خدمت شیخ اور فیضان شیخ نے خادمہ میں یادِ حق کا وہ رنگ پیدا کر دیا کہ اُس نے ایک آوارہ مزاج گدا کے گستاخانہ سوال کا جواب ایسے مؤثر پیرایہ میں دیا کہ اُس گدا کی کایا پلٹ گئی اور اصلاح حال کا اُس کے لئے دروازہ کُھل گیا ع

صحبت صالح ترا صالح کند

ایک روز ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ سے فیوض و برکات جس طرح حیات ظاہری میں حاصل ہوتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ بعد وصال بھی حاصل ہوتے ہیں مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پیر و مرشد کا جب وصال ہو رہا تھا تو مرزا صاحب ایک طرف کھڑے ہوئے رو رہے تھے۔ اُن کے پیر و مرشد نے فرمایا کہ "میں جانتا ہوں تم کیوں رو رہے ہو۔ میرے مزار پر آجایا کرو۔ تمہاری تکمیل وہاں ہو جائے گی" چنانچہ مرزا صاحب کی تکمیل اُن کے شیخ کے مزار پر ہوئی۔ اسی قسم کا واقعہ ایک اور شخص کے ساتھ بھی پیش آیا جن کے مرید کے انتقال کو صرف (۲۹) انتیس ہی برس گذرے ہیں۔ جب ان کے شیخ کا وصال ہو رہا تھا۔ تو یہ بھی کھڑے رو رہے تھے۔ شیخ نے فرمایا کہ "تین دن تک تو میری قبر پر نہ آنا کیونکہ اُس عالم میں پہنچ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ملاقات میں یہ وقت صرف ہوگا اور مجھے فرصت نہ ملے گی۔ بعد تین دن کے میری قبر پر

آجایا کرو اور دو رکعت نماز پڑھ کر میری طرف متوجہ ہوجایا کرو۔ میں تمہیں سبق پڑھا دیا کروں گا اور توجہ بھی دے دیا کروں گا۔" اُنہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ اُن کے شیخ روز قبر سے نکل کر ترمذی شریف کا اُنہیں سبق دیتے اور توجہ کر دیا کرتے تھے۔ دو مہینہ تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ مگر اُن کی بی بی کو شب کی ان مسلسل غیر حاضریوں پر شک گزرا۔ انہوں نے ایک شب اپنی لونڈی (بختاور) کو اپنے میاں کے پیچھے پیچھے تفحص حال کے لئے بھیجا۔ اُس نے چھُپ کر سب کچھ دیکھا اور آکر بیوی سے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بیوی کو تعجب ہوا اور حالات مزید معلوم کرنے کی غرض سے میاں پر زور ڈالا۔ میاں اول تو رکے اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹالتے رہے مگر جب بہت دباؤ پڑا تو بیان کر دیا۔ بس اُس دن سے اُن کی تعلیم کا یہ سلسلہ بند ہوگیا اور قبر سے آواز آئی کہ "تو نے ہمارا راز فاش کر دیا۔ اب ہم نہ آئیں گے تو ہمارا مُرید کاہے کو ہوا۔ اپنی بیوی کا مرید ہوا۔" اُنہیں اس کا اتنا قلق ہوا کہ مرتے دم تک نہ بیوی کی صورت دیکھی نہ گھر میں داخل ہوئے۔

ارشاد فرمایا کہ میرے بعد بھی میرے مریدوں کو مجھ سے بڑا فائدہ پہنچتا رہے گا اور جو فیوض تمہیں اب حاصل ہوتے ہیں اُن میں فرق نہ آوے گا۔ بلکہ زیادتی ہوگی۔ تم میرے پاس آکر اندر سے ایک کشش محسوس کروگے اور اُٹھنے کو تمہارا جی نہ چاہے گا۔ مگر دو شرطیں ہیں جن کا لحاظ رکھنا۔ ایک تو با طہارت آنا۔ دوسرے کسی غیر کو ہمراہ لے کر نہ آنا اور جیسے اب آتے جاتے ہو ایسے ہی جب بھی آتے جاتے رہنا۔

شیخ اسی عالم میں ہو اور مُرید اُس عالم میں منتقل ہوجائے اُس صورت میں بھی شیخ سے مرید کو برابر فیض پہنچتا رہتا ہے۔ حضرت ابوالفرج طرطوسیؒ شیخ تھے حضرت امام احمدؒ کے ایک روز امام صاحب کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا

رہے تھے کہ راستہ میں ایک درخت کے نیچے سے گذرے تو شیخ پر بہ شدت گریہ طاری ہوا اور دیر تک روتے رہے۔ امام صاحب نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ ہمارا ایک مرید یہاں بیٹھ کر سودا بیچا کرتا تھا۔ اُس کا اب انتقال ہو گیا ہے۔ اُس کی یاد میں یہ گریہ آ گیا۔ شب میں امام صاحب نے ایک خوبرو وجیہ شخص کو پُرتکلف و زرق برق لباس میں خوبصورت اور زیورات سے آراستہ و پیراستہ گھوڑے پر سوار عالم رویا میں دیکھا۔ پوچھا کہ تم کون ہو۔ جواب دیا کہ شیخ الوالفرح طرطوسیؒ کا میں وہی مرید ہوں جس کے لئے حضرت نے گریہ فرمایا تھا۔ یہ سواری اسپ گریۂ شیخ کا نتیجہ ہے اور زینت و آراستگی بوئے محبت شیخ سے پیدا ہو گئی۔ محض تعلق شیخ کی بناء پر یہ سارا کروفر آپ دیکھ رہے ہیں۔ شیخ بننے کے لئے بہت ضروری ہے کہ دیگر متعلقین کے مقابلہ میں اپنے مریدین سے بدرجہا زیادہ محبت رکھی جاوے۔ ہمارے سلسلہ کے شیخ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مرید کے مرید حضرت نظام الدین بلخیؒ حج کو جانے لگے تو قطب عالم حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ نے حکم دیا کہ جب دربار رسالت میں حاضر ہونا تو ہماری طرف سے بھی سلام عرض کرنا۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا گیا تو جواب ملا کہ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہنا۔ واپسی پر حضرت شیخ نے دریافت فرمایا کہ ہمارے سلام کا کیا جواب لائے ہو۔ تو حضرت نظام الدین بلخیؒ ادباً خاموش رہے اور کچھ نہ بولے۔ حضرت قطب عالم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے جواب سُنا نہیں؟ کیوں نہیں بیان کرتے کہ "بدعتی پیر" کا خطاب عطا ہوا ہے۔ پھر یہ مصرعہ پڑھا کہ :- ع

جواب تلخ میزیبد لب لعل شکر خارا

اور سات روز تک وجد میں رہے۔ تمام اہل خانقاہ پر بھی شیخ کے پرتو سے

وجد طاری رہا۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پاس سے ایک شخص ملتان جانے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ راستہ میں جب حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ کے آستانہ پر حاضر ہونا تو میری طرف سے بھی سلام عرض کرنا۔ وہ شخص جب آستانہ پر پہنچے تو مرزا صاحبؒ کی طرف سے سلام عرض کرنا بھول گئے۔ جب مزار کے قریب بیٹھ کر متوجہ ہوئے تو امام ربّانیؒ کو اپنی جانب متوجہ نہ پایا۔ بالآخر مرزا صاحب کا سلام یاد آیا۔ جب یہ سلام عرض کیا گیا تو اس سلام کا جواب بھی ملا اور امام ربّانیؒ بھی متوجہ ہو گئے۔

ایک موقعہ پر دو شخص مرید ہونے کی غرض سے حاضر ہوئے۔

**بیعت:** ارشاد فرمایا کہ بیعت مشتق ہے بیع سے اور بیع کے معنی بیچ ڈالنے کے ہیں۔ جس شخص نے بیعت کی اُس نے گویا اپنے آپ کو مرشد کے ہاتھ راہ خدا میں بیچ ڈالا۔ جس طرح مال فروخت شدہ پر انسان کو کوئی اختیار نہیں رہتا۔ اسی طرح انسان کو بھی بیعت کے بعد اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں رہتا اور اگر خود رائی سے کام لے تو نقص عہد کا الزام اُس پر عائد ہوتا ہے اور وہ نقصان اُٹھاتا ہے۔ مرید حقیقتاً وہ ہے جس کا ذاتی ارادہ سلب ہو چکا ہو اور جس نے اپنے آپ کو بالکل شیخ کے تابع کر دیا ہو اور شیخ کے احکام کو اپنی خواہشات اور اپنے ارادوں پر ترجیح دیتا ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مرید کو شیخ کا اس درجہ تابع فرمان ہونا چاہیئے کہ اگر صدور حکم میں شیخ سے بظاہر کوئی خطا بھی سرزد ہو جائے تو اُسے صواب اور اپنے حق میں مُفید سمجھے۔

**اجازت:** ارشاد فرمایا کہ اوراد و وظائف میں اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلا اجازت نقصان کا اندیشہ ہے۔ گوشت انگاروں پر رکھ دو۔ جل جائے گا اور کچھ حصّہ کچّا رہ جائے گا۔ انگاروں پر بجائے گوشت

کے دیگچی میں پانی رکھو اور گوشت پانی میں ڈال دو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ پانی گرم ہو کر گوشت کے ریشہ ریشہ میں سرائت کر کے گوشت کو خوب اچھی طرح سے پکا دے گا اور گوشت اور آگ کے درمیان خود برزخ بن کر گوشت کو جلنے سے محفوظ رکھے گا اوراد و وظائف میں اجازت شیخ۔ بمنزلہ پانی کے ہے۔

**توجہ غائبانہ:** سیمرغ ایک پرند ہے جو کوہ قاف میں ہوتا ہے۔ انڈے دیتا ہے اور برفباری کے زمانہ میں اپنے انڈے وہیں چھوڑ کر گرم مقامات کی جانب اُڑ جاتا ہے مگر اپنے انڈوں سے غافل نہیں رہتا۔ بلکہ توجہ غائبانہ اور اپنے خیال کی قوت سے انہیں سیتا رہتا ہے۔ جب برفباری کے اختتام کے بعد واپس آتا ہے تو بچوں کو انڈوں سے نکلا ہوا پاتا ہے پھر وہ اُن کو چُگنا اور پرواز کرنا سکھلا دیتا ہے۔ جب کہ حق تعالیٰ نے اس پرند کو اس درجہ قوت متخیلہ عطا فرمائی ہے تو کیا انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اتنی قوت بھی حاصل نہیں کرسکتا کہ اپنی قوت خیال اور قوت توجہ سے مریدین کی غائبانہ تربیت کرتا رہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ شیخ کامل کی توجہ غائبانہ سے مریدین کی تربیت برابر ہوتی رہتی ہے۔

**پیر و مرید میں تعلقات:** ایک روز فرمایا کہ ہماری علالت کے زمانہ میں ہمارے چند رشتہ دار وطن سے ہماری عیادت کے لئے آئے۔ کسی نے ہمیں اُن کی اطلاع کی لفظ "رشتہ دار" سُن کر ہمیں ہنسی آگئی خیال آیا کہ یہ کیسے نادان لوگ ہیں۔ غرض کے بندوں کو رشتہ دار کہتے ہیں اور اُن سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اُس محبت میں بھی خلوص نہیں ہوتا۔ ذرا غور تو کرو کہ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، خاوند، بیٹے، بیٹیاں، غرض کہ جتنے رشتے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اگر ان رشتوں میں سے کوئی سا بھی رشتہ حقیقی ہوتا تو وہ کبھی اور

کسی حالت میں بھی نہ لوٹتا۔ مگر دنیا کا تجربہ کیا تبلاتا ہے؟ یہ تبلاتا ہے کہ اگر بیٹا نافرمانی کرنے لگتا ہے تو باپ اُس کی صورت سے بیزار ہو جاتا ہے شوہر اگر بیوی کو خوش نہ رکھے، اس کے لئے سامان عیش فراہم نہ کرے، اُس کی مرضی کے مطابق نہ رہے تو وہ اُس شوہر کی زندگی تلخ کر دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کی محبت کسی نہ کسی غرض پر مبنی ہوتی ہے۔ لوگ عموماً غرض کے بندوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ مگر اس ناداقی اور حماقت کی بھی کوئی حد ہے کہ اہل دنیا ان رشتہ داروں کے پیچھے اپنی ہستی تک مٹا دیتے ہیں علاوہ اس کمزوری کے کہ ذاتی اغراض کی بناء پر رشتہ داروں کی رشتہ داری کا دارومدار ہے مرنے کے بعد یہ سب رشتے خود بخود منقطع ہو جاتے ہیں۔ حقیقی رشتہ وہی ہے جو بعد مرُدن بھی قائم رہے اور بعد مُردن وہی رشتہ قائم رہتا ہے جو یاد باری تعالیٰ سے متعلق ہوا اور رجوع الی اللہ کی اغراض مشترک سے وابستہ ہوا اور یہ وہ رشتہ ہے جو پیرو مرید کے درمیان قائم ہو۔

بنارس میں ایک غیر مقلد نے مجھ پر اعتراض کیا کہ آپ اپنے مریدین سے جس خصوصیت عنایت اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔ اس عنایت سے غیر مریدین سے پیش نہیں آتے۔ میں نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ میرا طریقہ یہی ہے اور میں نے اُن کے جواب میں یہ آیت پڑھی وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

خود پروردگار عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرماتا ہے اور خوشخبری سُناتا ہے کہ اپنے متبعین پر بھروسہ کرو اور مجمع کفار سے دل تنگ مت ہو۔ دوسری جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ تمہارے متبع ہیں وہ محض ہماری ہدایت سے ہیں۔ یہ احتیاطاً فرمادیا گیا کہ مبادا آپؐ ان لوگوں پر زیادہ بھروسہ کرلیں۔ شیخ اور مُرید کے تعلقات ایسے ہونا چاہئے جیسے ایک جان دو قالب مرید جب تک اپنی جملہ خواہشات کو تابع فرمان شیخ نہ کردے۔ شیخ کی روحانیت

سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور شیخ کا پرتو پوری طرح اُس پر نہیں پڑ سکتا۔ افسوس ہے اُن لوگوں کے حال پر جن کا تعلق اپنے شیخ کے ساتھ اتنا ضعیف ہو کہ اُس کی اس دنیا کی حیات میں کسی دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کی جانب راغب ہوں اُن کی مثال اُس عورت جیسی ہے جو اپنے شوہر کے جیتے جی دوسرے پر نگاہ ڈالے اور دوسرے سے نکاح کرلے۔ نکاح اپنی ذات سے فعل مستحسن ہے۔ مگر اس عورت کے لئے اِن حالات میں یہ نکاح بجائے فعل مستحسن ہونے کے معصیت اور گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے لوگوں کو بیعت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

کسی نے حضرت ابوبکر شبلیؒ سے سوال کیا کہ مرید کیسا ہونا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ دو تین دن بعد جواب دوں گا۔ دو تین دن بعد آپ نے اپنے ایک مُرید کو بُلا کر ہاتھ کا اشارہ ایک سمت کی جانب کیا اور حکم دیا کہ شام چلا جا۔ وہ مُرید اُسی جانب روانہ ہو گیا جس جانب کہ شیخ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ بوقت شام وہ مرید ایک شیخ کی خانقاہ میں جا پہنچا۔ شیخ خانقاہ نے اُسے اپنی خانقاہ میں ٹھہرایا۔ کھانا کھلایا اور اپنی صاحبزادی کو حکم دیا کہ زینت کرو اور فلاں مہمان کے جا کر پَیر دباؤ۔ صاحبزادی صاحبہ نے عذر کیا کہ اس فعل ممنوعہ کو کیوں کر بجا لاؤں۔ شیخ چونکہ حقیقت حال پر مطلع ہو چکے تھے۔ انہوں نے باصرار اپنی صاحبزادی کو بھیج دیا۔ پیر دلواتے وقت اس مرید کے دل میں جوں ہی وسوسۂ بد اور خیالِ شیطانی پیدا ہوا کہ فوراً ایک ہاتھ غیب سے نمودار ہوا اور اس نے زور سے طمانچہ کی ضرب مُنہ پر رسید کی اور ایک آواز آئی کہ ہمارا مرید اور یہ خیال بد۔ وہ مُرید فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ "بہن صاحبہ! اب آپ واپس تشریف لے جائیے میں راحت پا چکا"۔ صاحبزادی صاحبہ واپس تشریف لے گئیں۔ اُن کے والد بزرگوار نے اظہار واقعہ کی ممانعت فرمادی۔ شب میں مرید نے خواب میں دیکھا کہ شیخ واپس طلب فرما رہے

ہیں۔ صبح ہوئی تو اُن بزرگ خانقاہ نے بھی فرمادیا کہ واپس جاؤ تمہارے شیخ تم کو بلا رہے ہیں۔ مُرید واپس ہوا اور اپنے شیخ کی خدمت میں ایسے وقت پہنچا جب کہ سوال کنندہ بھی حاضر تھا۔ آپ نے مرید کو حکم دیا کہ اس سفر کا پورا واقعہ بیان کردے۔ اُس نے بلا کم و کاست سارا ماجرا سُنا دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ وہ ہاتھ کس کا تھا؟ عرض کیا کہ آپ کا۔ پوچھا کہ کیونکر پہچانا۔ عرض کیا کہ یہ انگوٹھی جو آپ کے ہاتھ میں ہے اُس وقت بھی ہاتھ میں تھی۔ پھر شیخ نے اس سوال کنندہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "دیکھو! مرید ایسا ہونا چاہیئے۔ جب مرید ایسا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے تو شیخ بھی اسی نوع کی توجہ کرتا ہے"۔

ارشاد فرمایا کہ اپنے بزرگانِ دین کی توہین کرنے والے پر غصّہ کا آجانا اپنے حضرات سے محبت ہونے کی دلیل ہے۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ کے سامنے ایک پہلوان نے نعوذ باللہ حضرت عمرؓ کو گالی دی۔ باوجود اس کے کہ مرزا صاحبؒ ضعف و پیرانہ سالی میں مبتلا تھے چھت پر سے کود پڑے اور اُس پہلوان کو دے پچھاڑا اور فرمانے لگے کہ "الحمدللہ! آج مجھے اپنے سُنّی ہونے کا یقین ہوا"۔

اب میں تمہیں اپنے حضرت کا قصّہ سناتا ہوں۔ جب آپ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوکر واپس وطن تشریف لائے تو لوگوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور یہ کہنے لگے کہ اتنے بڑے عالم ہوکر ایسے جاہل پیر کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ کسی عالم فاضل درویش کے مرید ہوئے ہوتے۔ حضرت فرماتے تھے کہ باوجود غلبۂ اتباع سنت کے اِن فقروں کو سُن کر میں مغلظات سُنانے لگتا تھا اور ڈنڈا لے کر مارنے کے لئے اٹھتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو ان کے والد ماجد کو ورغلا کر اور سکھا پڑھا کر بھیجا جب حضرت نے اپنے والد ماجد کی زبان سے بھی اُسی نوع کے فقرے سُنے تو چھُری لے کر دوڑے کہ

مار ڈالوں گا میرے پیر کے سامنے تم ہو کیا چیز۔

ارشاد فرمایا کہ مرشد کا حال مثل گنّے کے ہے۔ بظاہر لکڑی۔ بباطن رس۔ جس درجہ اُس سے تعلق رکھا جائے گا۔ اُسی درجہ اس کے چشمۂ فیض سے سیرابی ہوگی۔

ایک موقع پر فرمایا کہ شیخ مثل طبیب کے ہے اور طالب مثل مریض کے۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ مرشد کو تشبیہ ماں سے ہے۔ ادباً اُسے باپ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس طرح بچہ کے پستان مادر کو مُنہ لگاتے ہی فیضانِ شیر جاری ہو جاتا ہے اور ماں کا اپنے کام کاج میں مصروف رہنا اس فیضان میں مانع نہیں ہوتا اسی طرح رابطۂ قلب کے ہوتے ہی فیضانِ شیخ طالب کے لئے جاری ہو جاتا ہے اور شیخ کے دیگر مشاغل اس میں مانع نہیں ہوتے۔ مگر قلبی لگاؤ کا ہونا شرط ہے۔

ایک روز پیر اور مرید کے تعلقات اور مریدین کے فرائض پر تقریر کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا کہ کلام پاک میں سورہ کہف میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ موجود ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ ایک دن موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ اس زمانہ میں آپ سے بھی زیادہ کوئی واقف اسرارِ الٰہی ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے۔ یہ سعادت کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ہمارا ایک بندہ تم جیسا ہے جو تم سے زیادہ ہمارے اسرار کا محرم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مجمع البحرین پر ملیں گے اور اس مقام کی شناخت یہ ہے کہ تلی ہوئی مچھلی ساتھ لے جاؤ جب اس مقام پر پہنچو گے تو وہ تلی ہوئی مچھلی زندہ ہو جائے گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع کو ہمراہ لے کر اسی طرح روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں ایک مقام پر ناشتہ

کھا کر موسٰی علیہ السلام تو سو رہے لیکن حضرت یوشعؑ جاگتے رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ مچھلی زندہ ہوگئی اور دریا میں چلی گئی۔ موسٰی علیہ السلام کے غصّہ اور جلال کے خوف سے حضرت یوشعؑ نے اُس وقت اُنہیں بیدار نہ کیا اور جب وہ خود بیدار ہوئے تو دفعتہً آگے روانہ ہوگئے اور حضرت یوشعؑ آپ کا سامان لے کر پیچھے ہو لئے تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ آپ تھک گئے۔ غور کرنے لگے کہ آج تھک کیوں گئے، چلا کیوں نہیں جاتا؟ حضرت یوشعؑ نے اُس وقت مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں چلے جانے کا عجیب و غریب واقعہ بیان کیا۔ واقعہ سن کر تکان کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ پیچھے لوٹے اور اُس مقام پر واپس آگئے جہاں یہ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا تھا۔ یہاں خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور موسٰی علیہ السلام نے اُن سے اُن کا علم سیکھنے کی درخواست کی۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میرا علم نہ سیکھ سکو گے کیونکہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ جب زیادہ لجاجت کی تو پاس رہنے کی اجازت دی مگر فرما دیا کہ ہمارے معاملہ میں دخل نہ دینا اس قصہ سے اس بات کی تعلیم ہوتی ہے کہ باوجودیکہ موسٰی علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغمبر تھے اور خضر علیہ السلام صرف اولیاء اللہ میں سے تھے مگر پیری مریدی کا رشتہ قائم ہو جانے کے بعد کن آداب و قواعد کی پابندی لازم آجاتی ہے پھر آگے چل کر کشتی کا تختہ توڑ دینے کا ذکر آتا ہے جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اولیاء اللہ اُن اُمور پر مطلع ہو جایا کرتے ہیں جو نظر ظاہری سے اوجھل ہوتے ہیں لڑکے کے قتل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اولیاء اللہ تقادیر سے بھی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ دفینہ پر تحفظ کی نیت سے دیوار کا مستحکم کر دینا اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ اولیاء اللہ دفائن پر بھی مطلع ہو جاتے ہیں۔ مگر باوجود بھوکے ہونے کے بھی اُس اطلاع سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھاتے اور بالکل سادہ طور پر معمولی لوگوں کی طرح اپنی زندگی بسر کیا کرتے ہیں اور ایسے رہتے ہیں جیسے کچھ خبر ہی نہیں۔

اس کے بعد حضرت نے مریدین کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ:- دیکھو! یہ ہے مرتبہ ولایت کا تم لوگ ایسی چیز کے طالب بنے ہو۔ انشاءاللہ تعالیٰ کبھی محروم نہ رہو گے۔ یہ راہ محروم رہنے کی ہے ہی نہیں۔ اگر تم حلوائی کی دوکان پر جاؤ اور شکر سے بھرا ہوا کڑھاؤ دیکھ کر تمہارا جی للچائے اور تم اُس میں ہاتھ ڈال دو اور حلوائی یہ دیکھ کر تمہارے پیچھے ڈنڈا لے کر دوڑے تو تم شکر چھوڑ کر بھاگو گے۔ گو شکر تمہاری مٹھی میں نہ رہی لیکن تمہارا ہاتھ تو شکر میں بھر گیا اور شیریں ہو گیا۔ کچھ بھی ہو۔ مگر اس راہ میں شیرینی آہی جاتی ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:- ہم مذاقی بھی بڑی چیز ہے اور محبت باہمی کا نہایت اچھا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمالیا ہے اُن کو تم بھی پسند کرلو تو ذرا بتاؤ تو کہ تم کس کے ہم خیال ٹھہرے؟

دو مختلف اشخاص کے باہم متفق ہونے کی مؤثر ترین صورت یہ ثابت ہوا کرتی ہے کہ دونوں ہم خیال و ہم مذاق ہو جائیں۔ اس ہم خیالی و ہم مذاقی سے دونوں میں اتفاق و یگانگت کی اس درجہ زیادتی ہو جاتی ہے کہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ یہ دونوں ایک جان دو قالب ہیں اتحاد وصفی کو روزمرہ کی بول چال میں اتحادِ ذاتی ہی سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ بس یہی معاملہ بندہ کا اللہ کے ساتھ بھی سمجھو۔ یگانگت کا باعث ایک چیز اور بھی ہوا کرتی ہے جس کی جانب اب میں اشارہ کرتا ہوں کسی شخص کے اوصاف کے تم قائل ہو جاؤ گے تو فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لامحالہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ مثلاً میں سالک منازلِ ستّہ ہوں۔ یعنی ناسوت وملکوت وجبروت و لاہوت وباہوت وہاہوت سے گذر کر سیر فی اللہ میں ہوں۔ تم بھی اسے تسلیم کرلو گے تو میری نگاہ میں تمہاری وقعت بڑھ جائے گی۔ گو تمہارا علم میرے متعلق تقلیدی ہو گا اور میرا علم میرے متعلق تحقیقی ہے

خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اللہ کے اسماء وصفات سے واقف ہونے کا بھی یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

**آداب مریدی:** باادب بانصیب۔ یاد رکھو کہ اُستادِ راہِ حق انتہائی تعظیم و تکریم کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ حالات صحابہ کرام پر غور کرو کہ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ ہمیشہ کس درجہ آداب وتعظیم کو ملحوظ رکھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ چند یہودیوں میں آپس میں کچھ تنازعہ تھا۔ وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ نے اُن کا فیصلہ فرما دیا۔ لیکن اُنہیں اُس فیصلہ پر کچھ اطمینان نہ ہوا تو وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں فیصلہ کی غرض سے حاضر ہوئے اور اُن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فیصلہ کی بابت کوئی تذکرہ نہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی وہی فیصلہ کیا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کیا تھا۔ اس کے بعد وہ لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیصلہ کی بابت درخواست کی۔ جس شخص کے حق میں پہلے فیصلہ ہوچکا تھا اس نے یہاں یہ بھی بیان کر دیا کہ ہم لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے فیصلہ میرے حق میں فرمایا لیکن فریق ثانی اُس پر رضامند نہ ہوا تو وہ مجھے لے کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی میرے ہی حق میں فیصلہ فرمایا مگر یہ شخص نہیں مانتا اور مجھے لے کر آپ کے پاس آیا ہے کہ آپ فیصلہ کریں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ اپنے مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ایک شمشیر برہنہ لے کر نکلے اور یہودی کی طرف اُسے قتل کرنے کی نیت سے جھپٹے۔ وہ یہودی بھاگا۔ آپ نے تعاقب کیا یہاں تک کہ وہ بھاگتے

بھاگتے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بغرض امان حاضر ہو گیا آپ بھی تعاقب کرتے کرتے وہیں پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ کو روکا اور اس تعاقب کا سبب دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! جو شخص اللہ کے رسولؐ کے فیصلہ کو نہ مانے اس کا فیصلہ تلوار ہے"۔ یہ انتہائی عظمت تھی جو اصحاب رسولؐ کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ آپؐ کے فیصلہ کی توہین کی بابت کچھ سُن بھی نہ سکتے تھے اور آپؐ کی خفیف سے خفیف بے احترامی بھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ مداح رسولؐ تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک روز اُن کے پاس آئے۔ اُس وقت مال غنیمت میں ایک نہایت بیش قیمت گھوڑا آیا ہوا تھا۔ اُس پر بلا اجازت سوار ہوئے اور چل دیئے۔ حضرت عمرؓ نے بھی کچھ تعرض نہ فرمایا۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ مداح رسولؐ ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خلوص و محبت کی بہت قدر فرماتے تھے۔ ایک روز صحابہ کرام کو محسوس ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نوش نہیں فرمایا۔ حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ کو بھی یہ بات معلوم ہوئی تو آپ بے چین و بے قرار ہو گئیں۔ اُس وقت آپ کے پاس صرف دو ہی روٹیاں تھیں۔ اضطراب کی حالت میں آپ نے یہ دو روٹیاں ایک کپڑے میں لپٹیں اور اپنے صغیر سن صاحبزادہ انسؓ کے ہاتھ عجلت سے بھیجیں کہ حضورؐ کی خدمت میں جا کر جلدی سے پیش کر آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اُس وقت مجمع اصحاب میں رونق افروز تھے۔ حضرت انسؓ نے وہ روٹیاں لے جا کر حضورؐ کی خدمت میں اِس بھرے ہوئے مجمع میں پیش کیں تو حضرت طلحہؓ کو اس سوء ادبی پر بہت غصّہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت طلحہؓ کو

اس غصّہ سے روکا اور فرمایا کہ اُس خلوص پر نظر نہیں کرتے جس خلوص کے باعث یہ تحفہ بھیجا گیا ہے اور ایک نادان بچہ کی بچپن کی حرکت پر غصّہ کرتے ہو۔ یہ فرماکر حضورؐ نے تحفہ قبول فرمایا۔ اسے تقسیم کیا اور خود بھی تناول فرمایا۔ حضرات صوفیہ بھی اسی سرچشمہ فیضانِ حقیقت کے کفش بردار ہیں اور بفرمان و بہ اتباع ہادیٔ برحقؐ اسی راہ کی تعلیم میں مصروف رہتے ہیں لہٰذا ان کے متبعین پر لازم ہے کہ وہ بھی ان ہی آداب کی پیروی کریں اور ہر امر میں خوشنودیٔ شیخ کو ملحوظ رکھیں تاکہ فیوض و برکاتِ مشائخ سے بہرہ اندوز ہوں۔ راہ تصوف میں ادب بہت بڑی چیز ہے۔ ہم جب اپنے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو ادب سے خاموش رہتے تھے اور کبھی دوبدو اُن سے گفتگو نہ کرتے تھے۔ بلکہ کبھی کچھ عرض کرنا ہوتا تھا تو دوسروں کی زبانی عرض کہلا بھیجتے تھے۔ اِس کا صلہ اور اس کا انعام ہمیں یہ ملتا تھا کہ ہم پر عنایات و توجہات زیادہ مبذول ہوا کرتی تھیں۔

مرید کو چاہیئے کہ جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تو صاف سُتھری حالت میں پاکیزہ اور اُجلے لباس میں باوضو حاضر ہو۔ مؤدب اور خاموش ہو کر بیٹھے۔ جب تک حاضر خدمت رہے کسی ورد و وظیفہ میں مشغول نہ ہو۔ اِدھر اُدھر خیالات کو نہ بھٹکنے دے۔ بلکہ بنظر استفادہ ہمہ تن شیخ ہی کی جانب متوجہ رہے۔ بلا اجازتِ شیخ گفتگو نہ کرے۔ شیخ جو کچھ فرمائے اُسے غور و توجہ سے سُنے۔ اس کی کسی بات پر اپنے دل میں کوئی اعتراض نہ پیدا ہونے دے اس سے شیخ کی اس مرید پر توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فیضان زیادہ ہوتا ہے روحانی فوائد بیشتر حاصل ہوتے ہیں اور شیخ کا مرید پر پر تو پورا پڑتا ہے۔

ایک[1] روز ارشاد فرمایا کہ: یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ

---

[1] یہ تقریر کانپور میں شب پنجشنبہ بتاریخ ۲۰ ؍ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ فرمائی گئی۔

صوفیائے کرام کو کلمات طیبات کے عالمِ ملکوت اور اس سے بھی اوپر صعود کرنے کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک مرتبہ بعد نماز (شائد وقت عصر تھا) مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے کہ یہ کون تھا جس نے نماز میں زیادتی کی۔ سب چُپ رہے۔ دوبارہ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ سہ بارہ آپؐ نے پوچھا۔ پھر سب خاموش رہے آپؐ نے فرمایا کسی سے مواخذہ نہ ہوگا۔ بلکہ میں نے دیکھا کہ گیارہ فرشتے آپس میں جھگڑ رہے ہیں کہ کون اِن کلمات کو اوپر لے جائے۔ ایک کہتا ہے کہ میں لیجاؤں دوسرا کہتا ہے کہ میں لے جاؤں تب ایک اعرابی نے عرض کیا کہ:۔ "یارسول اللہ! یہ خطا مجھ سے ہوئی۔ میں لکڑی کا گٹھا سر پر لئے ہوئے جارہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ جماعت کھڑی ہے۔ میں نے جلدی سے گٹھا پھینک دیا اور جماعت میں شامل ہوگیا۔ عجلت میں ربنا لك الحمد کے ساتھ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ بھی زبان سے نکل گیا۔" آپؐ نے فرمایا یہی وہ کلمات تھے۔ جن کے اوپر لے جانے کے متعلق فرشتے آپس میں جھگڑ رہے تھے، ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بعد نماز کے مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے کہ "تم لوگ نماز میں کیا کھُسر پھُسر کر رہے تھے۔ مجھ سے آج قرآن نہیں پڑھا گیا"۔ بعض نے عرض کیا کہ ہم لوگ سُورۂ فاتحہ پڑھ رہے تھے مقتدیوں یا متصل کھڑے ہونے والوں کے دل میں جب خطرات گذرتے ہیں یا اُن کی یکسوئی میں فرق آتا ہے تو کلمات طیبات کے صعود کے مشاہدہ میں خلل واقع ہوتا ہے اور درمیان میں ایک ابر سا آجاتا ہے۔ اس لئے (ہمارے حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ) نماز میں میرے پیچھے یا میرے متصل وہ لوگ کھڑے ہوا کریں جو فہم وادراک زیادہ رکھتے ہوں۔ ورنہ نقصان کا احتمال ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا :- کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جماعت نماز کو مرتب فرمایا کرتے تھے۔ کسی کو صفِ اول میں شریک ہونے کا حکم ہوتا تھا۔ کِسی کو پچھلی صفوں میں رکھا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد پچھلی صف والے اگلی صف میں آجاتے تھے۔ بعض اوقات باہر کے کچھ صلاحیت رکھنے والے لوگ آجاتے تھے تو بوجہ مہمان ہونیکے اور نیز بوجہ اس کے کہ اُن کا قیام مختصر ہوتا تھا۔ اُنہیں صف اول میں جگہ دے دی جاتی تھی۔ لہذا بہ اتباع حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم جس شخص کے لئے جو مقام تجویز کر دیں وہ نماز میں وہیں کھڑا ہو۔ کیونکہ بلحاظ قابلیت طالب حق کو جگہ دی جاتی ہے۔ جب یہ ترتیب قائم نہیں رہتی تو نماز میں کلفت ہوتی ہے اور دیگر طالبانِ حق کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ حلقہ کی نشست و ترتیب میں بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔

**مقبولیت سلسلہ :** ارشاد فرمایا کہ :- ہم ایک مرتبہ بیت اللہ میں تھے۔ مولوی مہال الدین اور بخشی کبیر الدین بھی ہمارے ساتھ تھے۔ تہجد کا وقت تھا۔ چاہ زم زم پر گئے اور ہم نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "تم لوگ سب آبِ زم زم خوب پیو اور ہمارے اوپر گن کر سات ڈول ڈال دو۔ ہم بھیگے ہوئے کپڑوں ہی سے نماز پڑھیں گے"۔ چنانچہ اسی طرح نماز پڑھی، پھر طواف کیا۔ اس کے بعد سب سے کہا کہ آج ہم اپنے مریدوں کے لئے تفاؤل کرتے ہیں۔ چنانچہ میزاب رحمت کے نیچے بیٹھ کر قرآن پاک کو کھولا تو پہلی آیت یہ نکلی۔ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ

(یعنی تحقیق وہی ہیں مدد دیئے گئے اور تحقیق لشکر ہمارے وہی ہیں غالب) اِس سلسلہ کی یہی شان ہے۔ اللہ نے چاہا تو سب فائز المرام ہوں گے۔ اگر اس جہان میں کمی رہ گئی تو اُس جہان میں پوری ہو جائے گی۔ فیض مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

اور برزخ میں بھی فیضان شیخ سے ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے سلسلہ کا جہاں قبرستان ہو وہاں کوئی اہل دل صاحب کشف قبور جا کر دیکھے تو بیشتر اہل قبور صاحب نسبت ملیں گے ہمارے ہاں کے مشائخ کی نسبت کا فیض ملائکہ کو بھی پہنچا ہے اور ملائکہ کا دیکھ لینا تو بہت ہی معمولی بات ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ جو لوگ ہمارے پیران عظام پر توہّب کا الزام لگاتے ہیں وہ دیوانے اور پاگل ہیں۔ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ایک شعر ہے۔

ے ثنائے او نہ مقدورِ جہان است
کہ کنہش برتر از کون و مکان است

بھلا ایسے اشعار کہنے والوں کو توہّب سے کیا تعلق ہو سکتا ہے مگر ایک راز کی بات بھی سُن رکھو۔ جو لوگ متمول اور دولت مند ہوتے ہیں وہ اپنے تمول اور اپنی دولت کو چھپا کر رکھتے ہیں اور اُسے حتی الوسع ظاہر نہیں ہونے دیتے تاکہ چور اچکّوں کی نظر اُس دولت پر نہ پڑے۔ جس کے پاس کوئی بیش قیمت چیز ہوتی ہے۔ وہ اسے چھپا کر رکھتا ہے اور اپنی کسی بات سے لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتا کہ اُس کے پاس ایسی بیش قیمت چیز ہے۔ یہ بھی تحفظ کی ایک صورت ہے۔

**بزرگوں کی عظمت :** ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں چار چیزوں کے لئے نور کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ایک تو اپنے لئے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۴ : ۳۵) دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (۵ : ۱۵)
تیسرے قرآن پاک کے لئے وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (۶۴ : ۸) چوتھے صوفی کے لئے اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ

فِی النَّاسِ (۶ : ۱۲۲) حق تعالیٰ کی نگاہ میں اہل اللہ کی بڑی قدروقیمت
ہے۔ اُن میں اور اہل دنیا میں بڑا فرق ہے۔ یہ فرق اس دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے
دیکھو! ایک شخص شب کو دوشالہ اوڑھ کر سوتا ہے اور دوسرا کمبل اوڑھ کر۔ رات
دونوں کی بسر ہو جاتی ہے۔ پہلے کی راحت کے ساتھ دوسرے کی ذرا کلفت
کے ساتھ یہی زندگی کا بھی حال ہے۔ حیات ختم ہوئی اور آغوش لحد نصیب ہوا
اور شاہ وگدا دونوں بظاہر برابر ہو گئے۔ مگر ایک بات قابل غور ہے۔ ایک بار
کا واقعہ ہے کہ میں جہانگیر کے مقبرہ پر گیا۔ گرمیوں کا زمانہ اور دھوپ کا وقت
تھا۔ خیال آیا کہ ذرا دیر سایہ میں آرام کر لوں عجیب عبرت کا سماں نظر آیا۔ دیکھا
کہ گڈریئے بھیڑوں بکریوں کو مقبرہ کے احاطہ میں چرا رہے ہیں۔ جہانگیر کی قبر پر
مینگنیوں کی چادر پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ :۔ "اے جہانگیر! کہاں گئی تمہاری
شاہی؟ کیا ہوا وہ تمہارا لباس فاخرہ؟ کدھر گئے وہ حاجب، چوبدار، عصا بردار،
اللہ! اللہ! آج بکریوں کے مینگنیوں کی چادر اوڑھے تم لیٹے ہو" قریب ہی ایک
بزرگ کا مزار تھا۔ دیکھا کہ خوشبوؤں کی لپٹ سے دماغ معطر ہوا جاتا ہے اور
دو چار تسبیح خواں بیٹھے اوراد و وظائف میں مشغول ہیں۔ سبحان اللہ! کیا خدا کی قدرت
ہے۔ لذات دنیا پر مرنے والوں کا حال اور ترک دنیا کرنے والوں کی شان کا اسی
دنیا میں موازنہ کر لو، اہل دنیا فقر و فاقہ کو مصیبت اور مال و دولت کو نعمت سمجھتے
ہیں حالانکہ صوفیائے کرام فقر و فاقہ ہی کو عزیز رکھتے ہیں۔ کیوں کہ مصیبت میں خدا
یاد آتا ہے اور جو چیز یادِ حق تعالیٰ میں معین ہو۔ وہ ان حضرات کو عزیز ہوتی ہے۔

حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیرؓ کی بابت اشتہار گرفتاری
دے رکھا تھا اور اُن کے قتل کا خواہاں تھا۔ آپ خود جا پہنچے اور اپنے آپ کو
شہید کرا دیا۔ طشت میں سر سامنے آیا تو حجاج بہت خوش ہوا۔ سر گویا ہوا کہ "ہم نے

اس واسطے خدا کی راہ میں گلا کٹایا ہے کہ انتقام الٰہی جوش میں آکر حجاج کو غارت کر دے۔ تاکہ دیگر علماء وصلحاء کی جانیں محفوظ رہیں"۔ چنانچہ شیخ کے اس کلام کا یہ اثر ہوا کہ اہل دربار حجاج پر اس درجہ غضب آلود ہوئے کہ اگر حجاج اُس وقت بھاگ کر گھر میں پناہ نہ لیتا تو قتل ہو گیا ہوتا۔ اکثر اولیاء اللہ ظالموں کے ہاتھوں اسی نوع کی اغراض سے جان دے دیتے ہیں۔

## بزرگوں سے حُسن ظن:

ارشاد فرمایا کہ :۔ خطائے بزرگاں گرفتن خطا ست۔ اہل اللہ کے معاملہ میں ہمیشہ حسن ظن سے کام لینا چاہئے اس بارے میں یہ نکتہ خوب اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ گو قانون میں قتل کی سزا موت ہے لیکن اگر قتل کا باعث اپنی جان کی حفاظت یا کسی بڑے فتنہ کا انسداد ہے تو نہ قانون سزائے موت دیتا ہے نہ شریعت۔ قرآن فاقہ کشوں کو اشیائے ممنوعہ کے بقدر ضرورت کھانے کی اجازت دیتا ہے اور فتنہ کے متعلق فرماتا ہے وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ اسی طرح اگر کوئی صوفی بوجہ حفاظت اپنے نفس کے یا باخیال کسی مصلحت شدید کے کسی خلاف شرع فعل کا بظاہر ارتکاب کرے۔ تو وہ قابل گرفت نہیں۔ ہر عقل مند شخص بڑی خرابی سے بچنے کے لئے چھوٹی خرابی کے قبول کر لینے کو پسند کرتا ہے۔ بعض بزرگان دین سے اُن افعال کا سرزد ہونا جو بظاہر معصیت معلوم ہو دو وجوہ سے ہوتا ہے یا تو وہ افعال محض عالم بے خودی کا نتیجہ ہوتے ہیں جیسے منصورؒ اور سرمدؒ کے واقعات ہیں۔ یا کسی شدید تر معصیت وخرابی سے بچنے کی غرض سے کسی کمتر معصیت کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر شبلیؒ کا واقعہ ہے۔ آپ کے صاحبزادہ کا انتقال ہوا۔ آپ داڑھی مونچھیں منڈوا کر خانقاہ میں بیٹھ گئے۔ یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں نے بُرا بھلا کہنا شروع کیا کہ بیٹے کے مرنے پر حالت ایسی دگرگوں ہوگئی کہ شریعت کا بھی احترام ہاتھ

سے جاتا رہا۔ مریدین تک منحرف ہو گئے ۔ صرف ایک بزرگ جو آپ کے ہم عصر تھے آپ کے پاس گئے اور آپ سے سوال کیا کہ یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ کو حق تعالیٰ سے کتنا قوی تعلق ہے اور آپ کے مدارج عالیہ کیا ہیں۔ یہ بھی میں جانتا ہوں کہ آپ کے اس فعل میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔ مگر وہ مصلحت کیا تھی؟ حضرت ابو بکر شبلیؒ نے فرمایا کہ "سچ کہتے ہو۔ میرا یہ فعل ایک مصلحت پر مبنی تھا۔ مصلحت یہ تھی کہ تم جانتے ہو کہ تقریباً سارا شہر خلیفہ سے لے کر ادنیٰ سپاہی تک میرا معتقد ہے۔ میرے بیٹے کا انتقال ہوا ہے۔ تعزیت کے لئے سارا شہر ٹوٹ پڑتا۔ میرے مشاغل کا بڑا ہرج ہوتا۔ پھر جو لوگ آتے وہ کہتے کہ بڑا افسوس ہوا کہ آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ یہ بات وہ لوگ جھوٹ کہتے کیوں کہ اُن کے بیٹے کا انتقال نہیں بلکہ میرے بیٹے کا انتقال ہوا ہے جس کا انہیں کیا صدمہ ہو سکتا ہے۔ تو ایک تو میرے اوقات و مشاغل کا ہرج واقع ہوتا دوسرے میں سارے شہر کو کذب بیانی میں مبتلا ہونے کا موقع دیتا۔ اس کے دفعیہ کے لئے میں نے کیا کیا۔ صرف یہی کہ داڑھی منڈوا لی جو پھر نکل آئے گی۔ اس کی وجہ سے میں کتنی بڑی زحمت سے بچ گیا اور لوگ کذب بیانی سے باز رہے۔" مولانا جامیؒ حضرت شیخ احمد جامؒ کے مرید تھے۔ ایک روز مہمانوں کی ایک جماعت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت شیخ احمد جامؒ تھوڑی دیر کے بعد سہ پہر کو اُن مہمانوں اور اپنے چند مریدوں کو ساتھ لے کر جن میں مولانا جامیؒ بھی تھے۔ باہر ہوا خوری کی نیت سے نکلے۔ راہ میں ایک نقاب پوش عورت ملی جس کے ساتھ آپ نے سرِ راہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی یہاں تک کہ مساس کی بھی نوبت آ گئی مہمان و مریدین سب لاحول پڑھتے ہوئے چل دیئے اور شیخ کی اس حرکت پر نفریں کرتے رہے۔ صرف آپ کے صاحبزادے اور مولانا جامیؒ اور چند

خاص مریدین حاضر رہے۔ جب شیخ نے دیکھا کہ جانے والے جا چکے تب آپ نے اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ ذرا نقاب اٹھا کر دیکھو تو کہ کون ہے دیکھا تو ان کی والدہ تھیں۔ مولانا جامیؒ نے اس تماشہ کا سبب دریافت کیا تو شیخ نے فرمایا کہ :۔" آج ہمارے ہاں فاقہ تھا۔ اوپر سے مہمان آ گئے۔ ہم نے چاہا کہ مہمانوں کی خاطر کچھ قرض ادھار لے کر انتظام کریں کہ خیال پیدا ہوا کہ ذرا نظر تو ڈالیں کہ ان میں سے کوئی خدا و رسولؐ کے لئے بھی آیا ہے معلوم ہوا کہ سب کے سب دنیاوی اغراض لے کر آئے ہیں۔ تو ہم نے کہا کہ ان کے لئے کون اُدھار لے۔ انہیں چلتا کرو۔ اِن کے دفع کرنے کے لئے ایک ایسی تدبیر سوجھی جس میں ہمارے مریدین کی عقیدت اور اُن کے اخلاص کا بھی امتحان ہو جائے۔ چنانچہ ہماری بیوی بھی صاحب نسبت ہیں۔ گھر سے نکلتے وقت ہم نے اُنہیں بھی اشارہ کر دیا تھا کہ تم بھی اوڑھے لپیٹے دوسرے دروازے سے نکلو اور راہ میں ہمیں فلاں مقام پر ملو"۔ مولانا جامیؒ فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ نے بڑا کڑا امتحان لیا۔ اگر حق تعالےٰ کی جانب سے امداد نہ ہوتی تو ہمارے قدم پھسل گئے ہوتے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ جو لوگ ریا سے اللہ کا نام لیتے ہیں اُن کا بھی ادب کرو کیوں کہ تمہیں تو اُن کے اللہ کے یاد کرنے پر نظر رکھنا چاہیئے۔ رہا اُن کے دل کا معاملہ وہ اُن کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ تم سے اُسے کوئی سروکار نہیں۔ علاوہ ازیں بہت ممکن ہے کہ آج وہ ریا سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ کل اسی یاد الٰہی کی برکت سے اُن کی ریا مبدل بہ اخلاص ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہوا ہے۔

## بزرگوں سے بے ادبی کی سزا :

ارشاد فرمایا کہ :۔ حق تعالیٰ لطیف ہے۔ اہل اللہ بوجہ حق تعالیٰ سے تعلق قوی رکھنے کے خود بھی لطیف المزاج اور بوجہ لطافت روحانی کے نازک مزاج ہوتے ہیں۔

ایسے حضرات کی خدمت میں کسی شخص سے کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جو اُن کے مزاج کے خلاف ہو یا اُن کے تکدر کا باعث ہو تو اُس شخص کو بجائے نفع کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک عورت اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کرنے لگی کہ میرے بیٹے کو آپ نے مرید کر کے بگاڑ دیا۔ وہ رات دن اپنے ذکر و شغل ہی میں مشغول رہتا ہے نہ کوئی دنیا کا دھندہ کرتا ہے، نہ کچھ کما کر لاتا ہے، نہ میری کوئی خدمت کرتا ہے۔ اُس عورت نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ آگے چل کر بیہودہ بکواس شروع کر دی اور گالیاں دینے لگی۔ آپ نے ایک مرید کو حکم دیا کہ اُس عورت کے ایک طمانچہ لگا دے۔ اُس مرید نے تامل کیا کہ ایک نامحرم عورت کو کیسے مس کروں۔ وہ مرید تامل ہی کر رہا تھا کہ عورت فوراً گری اور مر گئی۔ بزرگ کو بہت افسوس ہوا۔ اور وہ اُس مرید پر بہت ناراض ہوئے اور اُسے اپنی خانقاہ سے نکال دیا۔ فرمایا کہ "اس عورت کا قاتل یہی مُرید ہے۔ جب یہ عورت مجھے گالیاں دے رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور قریب ہے کہ انتقام کی صورت میں اُس پر نازل ہو۔ میں نے فوراً اس مرید سے کہا کہ اُسے ایک طمانچہ لگا دے تاکہ میری جانب سے خفیف سا انتقام ہو جائے اور انتقام حق سے وہ عورت بچ جائے۔ مگر اس مرید نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی اور انتقام حق سے وہ عورت نہ بچ سکی۔ پس اُس کا خون اِس کی گردن پر ہے اسے میری خانقاہ سے نکال دو۔"

صحابہ کرام کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی محبت میں انتہا درجہ کا غلو تھا اور وہ لوگ آپؐ کا بے انتہا ادب و احترام کرتے تھے۔ ایک صحابی تھے جنہیں دربار رسالتؐ سے "حمار" کا لقب عطا ہوا تھا۔ بوجہ اس کے وہ اپنی ظرافت سے آپؐ کو بہت خوش کرتے اور ہنساتے تھے۔ بازار سے خود کوئی چیز لا کر آپؐ

کو کھلاتے اور جب آپؐ اُس چیز کو تناول فرما لیتے تو وہ آپؐ سے اُس کے دام طلب کرتے اور طرح طرح سے آپؐ کو ہنساتے اور آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہتے۔ رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی اپنی دایہ کی اس درجہ تعظیم فرماتے کہ جب وہ آتیں تو آپؐ تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہو جاتے اور اپنی ردائے مُبارک اُن کے بیٹھنے کے لئے بچھا دیتے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں مال غنیمت کی تقسیم میں وہ اہتمام برتا جاتا تھا اور اس قدر احتیاط سے کام لیا جاتا تھا کہ ایک حبّہ بھی اِدھر سے اُدھر نہ ہونے پاتا لیکن یہ دونوں جب آتے جو چاہتے لے جاتے اور حضرت عمرؓ تعرض نہ فرماتے۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جن کی تعظیم رسُول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیا کرتے تھے اور جن سے آپؐ محبّت رکھتے تھے۔ میں کیوں کر ان سے تعرض کر سکتا ہوں"۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ حسام الدولہ ابو الفضل کا داماد تھا اور لاہور کا گورنر۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا وہ مُرید ہوا اور اپنی ساری شان وشوکت کو بالائے طاق رکھ کر اور اپنی امارت اور گورنری کو خیرباد کہہ کر حضرت کی خانقاہ میں آن بیٹھا اور پانی بھرنے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔ ابو الفضل کو بہت بُرا معلوم ہوا۔ اپنے داماد کو بلوا بھیجا۔ اس نے آنے سے انکار کیا ابو الفضل کو اس پر غصہ آ گیا اور نہایت بے ادبانہ انداز سے شیخ کو دھمکی دی اور کہلا بھیجا کہ اگر میرے داماد کو واپس نہ کیا تو تمہیں مشکیں بندھوا کر کھینچ بلاؤں گا اور تمہیں قتل کرا دوں گا۔ خواجہ باقی باللہؒ نے ایک مُرید کی معرفت کہلا بھیجا کہ اپنے سر کی خیر منا۔ وہ بہت مشتعل ہوا اور حضرت سے انتقام لینے کی تدبیر ہی میں تھا کہ اکبر کا حکم پہنچا کہ دکن جاؤ اور وہاں کی بغاوت کو فرو کرو۔ دکن کے راستہ میں جہانگیر کے اشارہ سے اُس کا سر کاٹا گیا اور اکبر کے

پاس بھجوا دیا گیا۔

محمد تغلق بھی حضرت سلطان المشائخؒ کو بہت دق کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ حاضر دربار ہوں مگر آپ تشریف نہ لے گئے۔ تغلق کو مہم بنگالہ پر جانا تھا۔ روانہ ہوتے وقت اس نے کہلا بھیجا کہ میں اس مہم سے واپس آؤں تو گردن میں رسّی ڈال کر کھینچتا ہوا اپنے دربار میں بلاؤں گا۔ جب وہ واپس آرہا تھا اور دہلی کے قریب پہنچا تو لوگوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ ظالم آرہا ہے اور اب دہلی سے قریب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "ہنوز دہلی دور است" یہ مشہور مقولہ آپ ہی کا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمدؐ تغلق راستہ ہی میں تھا کہ مکان گرا اور وہ دب کر مر گیا۔

**حب فی اللہ:** یاد رکھو کہ اہل اللہ سے محبت کا رکھنا بھی باعث رضائے الٰہی ثابت ہوتا ہے جو لوگ بزرگان دین اور اللہ کے محبوب بندوں سے محبت رکھتے ہیں وہ ضرور برکات و نوازشات الٰہی سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

ایک روز حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ آؤ آج شب میں سُنیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد صلوٰۃ تہجد کیا دعا کرتے ہیں کیوں کہ وہ دعا لازمی طور پر مقبول تر ہوگی۔ قرار یہ پایا کہ جس وقت حجرۂ مبارک سے مشک سے پانی لینے کی آواز آئے اُس وقت جو بیدار ہو وہ دوسروں کو بھی بیدار کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت ابوذرؓ بیدار تھے۔ انہوں نے پانی کی آواز سُن کر حضرت ابوہریرہؓ کو بھی بیدار کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بعد نماز تہجد کے یہ دُعا مانگی اللّٰھم انا نسئل حبك وحب من یحبك والعمل الذی یقربنی الی حبك۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا کی تو ہر کلمہ گو پر اس کا اتباع لازم ہو گیا۔

ایک روز[1] ارشاد فرمایا کہ :- میں تمہیں چار باتیں سناتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت اور حب فی اللہ کی منزل کے اعلیٰ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی صاحبزادہ نہ تھا اور آپ کی زوجہ بی بی سارہ نے ایک بکری کا بچہ لڑکے کی طرح رکھ کر پال لیا تھا جسے نہلاتی تھیں، دُھلاتی تھیں۔ کھانا کھلاتی تھیں اور بڑے لاڈ سے پالتی پوستی تھیں۔ ایک روز چند مہمان آگئے۔ کوئی چیز کھانے کو نہ نکلی تو ابراہیم علیہ السلام نے چُپکے سے اُس بکری کے بچہ کو باہر لے جاکر ذبح کر ڈالا اور گوشت بنا کر عجلت سے اندر لے آئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ جلدی سے یہ گوشت پکا کر مہمانوں کو کھلا دو۔ عجلت اس خیال سے کی کہ بچہ کو ڈھونڈھنے کی اُس وقت تک بیوی سارہ کو مہلت نہ ملے جب تک کہ مہمان کھانا نہ کھالیں۔ مہمان نوازی کی خاطر دیکھو محبوبہ کی محبوب چیز کو ضائع کر دیا۔
جب کھانا تیار ہو کر سامنے آیا تو مہمانوں نے کہا ہم نہ کھائیں گے۔ ہم تو فرشتے ہیں جو لُوط علیہ السلام کی اُمت پر عذاب لے کر آئے ہیں۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا زاد بھائی اور بی بی سارہ کے حقیقی بھائی تھے۔ اس کے بعد بی بی سارہ نے جب بچہ کو ڈھونڈا اور حقیقت حال کُھلی تو وہ بھی چُپ ہو رہیں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے کتنی جلد اُنہیں اس کا انعام بھی دے دیا فرشتوں نے بشارت دی کہ تمہارے بیٹا ہوگا۔ بی بی سارہ بولیں کہ یہ کیوں کر ممکن ہے۔ میں بانجھ ہوں اور میرا شوہر بوڑھا ہو گیا ہے۔ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔ فرشتے یہ کہہ کر چلے گئے کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں تعجب مت کرو۔

اب دوسرا قصہ سُنو جو اس سے کم عجب نہیں۔ یہ فرشتے جب لوط علیہ السلام

---

[1] در کانپور۔ یوم شنبہ۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ قبل نماز ظہر یہ تقریر فرمائی۔

کے پاس پہنچے تو خوبصورت لڑکوں کی صورت میں اُن کے مہمان بنے۔ اُن کی بیوی نے اِن کی اطلاع قوم کے لوگوں سے کردی۔ وہ لوگ اکٹھے ہوکر آئے اور لوط علیہ السلام کا مکان انہوں نے گھیر لیا۔ یہ مہمان لوط علیہ السلام کے عزیز نہ تھے، دوست نہ تھے، اُن کے کسی دوست کے لڑکے نہ تھے، نہ اُن سے پہلے سے کوئی جان پہچان تھی۔ مگر اپنے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لئے جلدی سے بول اُٹھے کہ میرے مہمانوں پر ہاتھ نہ ڈالو بلکہ میری بیٹی اس کام کے لئے موجود ہے اللہ اکبر! کتنا بڑا ایثار تھا جو اجنبی اور ناواقف مہمانوں کی آبرو رکھنے کے لئے لوط علیہ السلام اُس پر آمادہ ہوگئے۔ ابراہیم علیہ السلام کے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے سے یہ بات کسی طرح کم نہ تھی۔ مہمانوں نے کہا کہ تم گھبراؤ مت۔ ہم تو فرشتے ہیں۔ ان لوگوں کو تباہ کرنے آئے ہیں اتنے میں ایک فرشتے نے اپنا قد بلند کیا اور زمین سے آسمان تک دراز ہوگیا۔ یہ دیکھ کر لوگ ڈر کے مارے بھاگے اور لوط علیہ السلام کی بی بی کو بُرا کہتے گئے کہ ہمیں ناحق ان مہمانوں کی اطلاع دی۔ یہ تو جن ہیں۔ پھر فرشتوں نے پانچ چھ بستیوں کو اکھیڑ کر اوندھا دیا اور سب کو ہلاک کر ڈالا۔

تیسرا قصہ سنو! اپنے شوق کی چیز کو تباہ کرنا کسی کو گوارا نہیں ہوتا۔ دریائی گھوڑے جب سلیمان علیہ السلام کی نماز کے ضائع ہونے کا باعث ہوئے تو انہیں سامنے بلوا کر اُن کی ٹانگوں اور گردنوں کو اُڑوادیا۔ سلیمان علیہ السلام کو گوارا نہ ہوا کہ اُن کا کوئی شوق حُب فی اللہ میں سدّراہ ہو اور سُنو۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو مارا پیٹا اور کنوئیں میں ڈال دیا۔ اس پر بھی قناعت نہ کی۔ بلکہ بنجاروں کے ہاتھ کھوٹے درہموں میں فروخت کرکے اپنی دانست میں ہمیشہ کے لئے اُن کی آزادی کو خاک میں ملا دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو منصب بلند پر پہنچایا اور ان کے بھائی حاجت مند ہوکر ان کے دروازہ پر آئے تو باوجود اس

کے کہ آپ انتقام کی پوری قوت رکھتے تھے کھڑے ہو گئے، اپنے بھائیوں سے گلے ملے، اور کہنے لگے کہ میں تمہارا بھائی ہوں لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اپنے ماں باپ اور کُنبے والوں کو بھی بلا لاؤ اور یہیں رہو۔ چنانچہ اُن کی اولاد چھ لاکھ کی تعداد تک پہنچ چکی تھی جب کہ موسیٰ علیہ السلام اُنہیں فرعون سے چھُڑا کر لے گئے۔ ہمارے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تو اپنی عمر ہی ان مجاہدات اور آزمائشوں اور تکالیف کی نذر کر دی۔ چالیس برس کا سنِ عمر کی بہار کا زمانہ ہوتا ہے آپؐ چاہتے تو آپؐ کے لئے عیش و آرام کا سارا سامان مہیا تھا۔ مگر آپؐ نے اپنی آسائش و راحت پر خاک ڈالی اور کلمہ توحید کا آوازہ بلند کر دیا۔ جس سے سارا ملک آپؐ کا دشمن ہو گیا اور بے انتہا مصائب آپؐ کو برداشت کرنا پڑے یہاں تک کہ اپنا وطن بھی آپؐ کو چھوڑنا پڑا۔ خاصانِ خدا اللہ کے لئے کسی مصیبت کو مصیبت نہیں سمجھتے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بھی اللہ کے لئے مصائب ہی میں بسر ہو گئی۔ یہ حکایات دل بہلانے کے قصّے کہانی نہیں بلکہ نہایت درجہ سبق آموز ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ط مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

# توبہ و استغفار

**برکات استغفار:** ارشاد فرمایا کہ :- بھیڑ پالنے والے اوقات معینہ پر بھیڑ کو پکڑ کر لے جاتے ہیں اور اُس کے بال تراش لیا کرتے ہیں۔ وہ اس برتاؤ کی عادی ہو جاتی ہے۔ جب لوگ اس بھیڑ کو پکڑ کر ذبح کرنے لے جاتے ہیں تو اُس وقت بھی وہ یہی سمجھتی ہے کہ میرے صرف بال ہی تراشے جائیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ جب چھُری اس کے گلے پر پھیری جاتی ہے۔ تب اُسے پتہ چلتا ہے کہ ماجرا کیا ہے۔ یہی حال ایک دن گناہ گاروں کا ہونا ہے۔ لوگ گناہ کرتے ہیں اور توبہ کے معاملے میں تساہل برتتے رہتے ہیں۔ تم لوگوں میں سے جب کسی کے جسم یا کپڑے میں نجاست لگ جاتی ہے تو یہ کوئی نہیں کرتا کہ کئی کئی دن تک نجاست لگی رہنے دے اور جسم یا کپڑے کو صاف نہ کرے۔ بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو دھو ڈالتا ہے۔ مگر معصیت کی نجاست میں لوگ لتھڑے رہتے ہیں اور اُنہیں گھن نہیں آتی۔ اس نجاست سے پاکی حاصل کرنے کو وہ مستقبل پر ملتوی کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اُنہیں چاہیئے کہ اس نجاست میں آلودگی ہونے کے بعد فوراً اُسے دُور کر دیں اور اُس سے طہارت و پاکیزگی حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس توبہ کے قبول کر لینے کا وعدہ فرمایا ہے جو گناہ کے بعد فوراً ہی کی جاوے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ :-

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا

(یعنی توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے

اُن ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں (یعنی فوراً) توبہ کر لیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے) بڑے کی بات بڑی ہوتی ہے۔ اس بڑی ہستی کی ایک اور بات سُنو جس سے توبہ کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اُن کے لئے بخشش مانگنے اور سفارش کرنے میں وہ فرشتے جو حاملانِ عرش ہیں مصروف رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ :۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ
یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ
عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا
سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝
رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِیْ
وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ
وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ
الْحَكِیْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ
السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

(یعنی حاملانِ عرش اور جو فرشتے کہ عرش کے اردگرد رہتے ہیں اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے وہ استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے!

تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو شامل ہے سو تو اُن لوگوں کو بخش دے جو توبہ کرتے ہیں اور تیرے راستے پر چلتے ہیں اور انہیں عذاب جہنم سے بچا۔اے پروردگار ہمارے! اور اُن کو ہمیشہ رہنے کی بہشت میں داخل کر جس کا کہ تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے صالح ماں باپ اور بیبیوں اور اولاد کو بھی داخل کر بلاشبہ تو زبردست حکمت والا ہے اور اُن کو ہر طرح کی تکالیف سے بچا اور تو نے جس کو اُس دن (یعنی قیامت) کی تکالیف سے بچا لیا اس پر تُو نے بڑی مہربانی فرمائی اور (اُس کے لئے) یہ بڑی مراد کا پا لینا ہے)

**داعی الی اللہ:** ارشاد فرمایا کہ:۔ رغبت دنیا اور رجوع الی اللہ کے درمیان ایک برزخ ہے جسے داعی الی اللہ کہتے ہیں۔مومن اور کافر سب پر ایک وقت ایسی حالت طاری ہوتی ہے جس میں اُسے ذات حق کی جانب میلان ہوتا ہے اسی حالت کو داعی الی اللہ کہتے ہیں۔جب یہ حالت طاری ہو تو اُس وقت کو غنیمت جانو اور ہمت سے کام لو تو اس حال کو کثرت ہوتی جائے گی لیکن جب کوئی اُسے ضائع کر دیتا ہے تو ان کیفیات کا ورود قلب سے مسدود ہو جاتا ہے۔

**طلب توفیق:** ارشاد فرمایا کہ:۔ لاحول ولاقوۃ اِلاّ باللّٰہ یہاں حول کے معنی ارادۂ ترک معاصی کے ہیں۔معنی یہ ہوئے کہ نہ ترک معاصی کے ارادہ کی قوت ہے نہ طاعت کی مگر ساتھ مدد اللہ کے۔چونکہ معاصی سے اللہ کی پناہ ڈھونڈھی گئی ہے اور طاعت کے لئے بھی اللہ ہی سے توفیق طلب کی گئی ہے اس لئے یہ کلمہ شیطان کے لئے تازیانہ کا کام دیتا ہے۔

ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو جنت

کی کنجی بتاؤں ؟ سب نے عرض کیا کہ جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فرمایا کہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ تو یہ جنت کی کنجی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مصیبت یا صدمہ میں مبتلا ہو جائے اور اسے پڑھ لیا کرے تو حق تعالیٰ اس کی تلافی فرماوے گا۔ اور اُسے اُس کا کچھ معاوضہ عطا فرماوے گا۔ ایسے موقع پر

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کا پڑھنا بھی مفید ہے۔ گمشدہ چیز پر اسے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اُس چیز کو ظاہر فرما دیتا ہے یا اُس سے بہتر چیز مرحمت فرما دیتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ صبح کے وقت استغفار کرنا بہت مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ کی تعریف فرمائی ہے۔

فرمایا جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے فوراً دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے معافی مانگے۔

یہ بھی فرمایا کہ صبح شام سجدہ میں جاکر روزانہ دس بار یہ پڑھ لیا کرے :۔

اللّٰھم اغفرلی وتب علیّ۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ جو بعد نماز مغرب اوّابین کی مداومت کرے اور صبح شام ایک ایک تسبیح اس استغفار کی پڑھ لیا کرے۔ استغفر اللہ العظیم الذی لا الٰہ الّا ھو الحی القیوم واتوب الیہ اسئلہ التوبۃ والمغفرۃ والھدایۃ انّہٗ ھو التواب الرحیم۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ چالیس ہی دن میں اسے اس بات کا تجربہ ہو جائے گا کہ اُس کے دل میں معصیت کی جانب سے نفرت پیدا ہو جائے گی۔

ماہ رمضان المبارک میں ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ :۔ ماہ رمضان کے عشرۂ آخری کی طاق شبوں کے لئے یہ استغفار نہایت مفید ہے :۔ اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنّی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :- جب حال وبال سے تمہارا سابقہ پڑے اور وہ تمہیں پچھاڑ دے اور بے بس کر دے تو حق تعالیٰ کی جانب اس مضمون کے تصوّر کے ساتھ متوجہ ہو جاؤ ے

کیسے میں لاگوں پیا تو رے گر وا
چُبھ چُبھ جات گر ے کے ہروا

نفس امارہ کمبخت گلے کا ہار بنا ہوا ہے جو وصول الی اللہ میں سدِّ راہ ہوتا ہے اور چُبھ چُبھ جاتا ہے۔

ایک روز مُریدین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ :- ابتداء سے ہماری حالت یہ رہی کہ طالب علمی میں رہے اور بجز مطالعہ کتب اور درس وتدریس کے اور کسی شغل سے واسطہ نہ رکھا۔ جب اس راہ میں مجاہدہ سے سابقہ پڑا اور ذکر وشغل میں مشغول ہونا شروع کیا تو بفضلہ تعالیٰ دنیا کے خطرات و وساوس نے تو مطلق پریشان نہ کیا مگر علمی خطرات و وساوس بکثرت آتے رہے اور پریشان کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے اس شعر کا ورد شروع کر دیا

ے زعصیاں می شوم برباد اللہ
بیا وجلد کن امداد اللہ

تو اس شعر کی برکت سے اُن خطرات و وساوس علمی کا الحمدللہ کہ قلع قمع ہو گیا۔ یہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا شعر ہے اور اس میں حضرت کا اسم گرامی بھی آگیا ہے۔ تم اس شعر کو یاد کر لو اور خطرات و وساوس کے دفعیہ کے لئے اسے پڑھا کرو۔ اس کی برکات سے تم بھی ضرور مستفید ہو گے۔

# طلب حق

## برکات ایمان :

ارشاد فرمایا کہ :- کلام اللہ اور احادیث نبوی میں جابجا اہل ایمان کی فضیلت اور اُن کے مراتب مختلفہ کی تصریح آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ :

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

اہل ایمان کا مرتبہ وہی ہے جو صدیقین و شہداء کا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ :- من کان لِلّٰہ کان اللہ لہٗ یعنی جو اللہ کا ہُوا اللہ اُس کا ہو جاتا ہے پس اہل دنیا کو اُمور ایمانی اور اصلاح آخرت کی جانب جو بے التفاتی اور عدم رغبتی ہے وہ قابل تعجب ہے لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات کچھ ایسی تعجب کی بھی نہیں۔ جو شخص سبز عینک لگائے ہوتا ہے اُس کو ہر چیز سبز ہی نظر آتی ہے آنکھیں اُس کی صحیح ہیں۔ اُن میں بینائی موجود ہے۔ اُن میں قابلیت ہے کہ وہ ہر چیز کو صحیح دیکھیں۔ ہر چیز کی اصلی صورت اُن پر منکشف ہو۔ مگر بوجہ سبز عینک کے حجاب کے کوئی چیز اپنے اصلی رنگ میں اُنہیں نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اہل دُنیا کی آنکھوں پر ہوائے نفس اور ہوس دنیا کی ایسی گہری عینک چڑھی ہے کہ باوجود بصیرت خلقی رکھنے کے ایمان کی قدر و قیمت کا اُنہیں احساس نہیں ہوتا۔ معاملات دنیا میں بھی یہ بات اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ کوئی تجربہ کار شخص اپنے تجربہ کی بناء پر کسی قسم کی نصیحت ناتجربہ کار شخص کو کرتا ہے تو وہ اُس نصیحت کو نہیں مانتا حتیٰ کہ اُسے خود تجربہ حاصل ہو۔ مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطا فرمائی

ہے وہ اس کُلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ لوگ اپنے سے زیادہ عقل مند اور تجربہ کار لوگوں کی نصیحت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے ہیں یہی حال آخرت کے معاملات کا بھی ہے۔ ماہرین علم آخرت اہل دنیا کو آخرت کی جانب مائل کرنے کی ہزار کوشش کریں اور رغبت الی اللہ کا اُنہیں کتنا ہی زیادہ سبق پڑھائیں اہل دنیا کے فہم میں ان باتوں کی قدر و قیمت نہیں آتی۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق و ہدایت عطا فرماتا ہے وہ اہل اللہ کے نصائح کو ہوش گوش سے سُن کر راغب الی اللہ ہو جاتے ہیں۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ متاخرین شاہان اسلام مثل موجودہ و ماضی شاہان غیر مسلم کے اپنے نام کے ساتھ بڑے بڑے القاب استعمال کرتے تھے اور جبروت و شان و شوکت کے اظہار میں نہایت غلو برتتے تھے۔ نتیجہ اس کا وہی ہوا جو کہ ہونا چاہیئے تھا۔ برعکس اس کے مسلمانوں میں شاہان سلف کو دیکھو جو اپنے کو ادنیٰ ترین بندۂ خدا سمجھتے تھے۔ ان کو عروج و ترقیٔ روزافزوں کے انعامات اللہ رب العزت کی بارگاہ سے ہمیشہ ملتے رہتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے جلال و جبروت پر نظر ڈالو اور اُن کی مُہر خلافت پر اس عبارت کا کندہ ہونا دیکھو کفیٰ بالموت واعظا یا عمر۔ حضرت علیؓ کی مُہر پر یہ کندہ تھا۔ الملك لله والحكم لله۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خاندان بنی اُمیہ میں نہایت صالح و برگزیدہ شخص گزرے ہیں۔ اُن کی مہر پر صرف اعدلوا کندہ تھا۔ اِن جلیل القدر شاہانِ اسلام میں سے کسی نے بھی اپنے کو "ظل سبحانی" و "سایۂ رحمانی" "وجهة الله على الارض" نہیں کہلوایا۔ ہندوستان میں بھی شیر شاہ اور غیاث الدین بلبن وغیرہ نہایت دیندار اور عادل بادشاہ گزرے ہیں۔ شیر شاہ کی حکایت مشہور ہے کہ ایک بار اُس کے بیٹے نے کسی بنیئے کی عورت کو برہنہ نہاتے ہوئے دیکھ لیا شیر شاہ ہاتھی پر سوار

جا رہا تھا۔ بنئیے نے اُس سے فریاد کی۔ شیر شاہ نے ہاتھی روک لیا اور حکم دیا کہ شہزادے کی بیوی بھی اسی طرح برہنہ نہاتی ہوئی بنئیے کو دکھلائی جائے۔ بنئیے نے معذرت کی اور کہا کہ یہ بات اُسے منظور نہیں۔ اُسے تو صرف عدل شاہی کا امتحان مقصود تھا۔ ہندوستان میں خاندان مغلیہ کے مسلّط ہو جانے سے تین سو برس ہی کے اندر اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ لوگ نو مسلم اور ضعیف الایمان تھے۔ اِن کی قومی جہالت یعنی خانہ جنگیوں اور برادر کشیوں نے باوجود قبول ایمان کے اِن کا ساتھ نہ چھوڑا اور جو کچھ حرارت خون مغلیہ کی ان میں باقی تھی اُسے عجمی تکلفات نے ستیاناس کر دیا ورنہ بیشتر یہی ہوتا رہا تھا کہ اگر ایک خاندان میں ضعف آگیا تو اُس کے بجائے دوسرا خاندان فرمانروا ہو گیا۔

## زھد: صُوفیائے کرام نے ترکِ لذات

کو معیار زہد نہیں قرار دیا۔ بلکہ اُن کے نزدیک ترک ماسوائے اللہ زہد ہے۔ شہرت دنیا کے لئے جنگل میں بیٹھ رہنا ہرگز زہد نہ ہوگا زہد کے معنی پرہیز کرنے کے ہیں۔ عرف عام میں تو زاہد اُسے کہتے ہیں جو اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھے لباس، سامانِ عیش و راحت اور دیگر زوائد زندگی سے پرہیز کرے اور صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتا ہو۔ لیکن یہ تمام باتیں اگر طلب شہرت کی غرض سے ہیں تو حقیقتاً ایسا شخص زاہد نہیں۔ کسی دنیوی شئے سے ایسا تعلق جو وصول الی اللہ میں سدِّراہ ہو زہد نہیں۔ غیر اللہ کے ساتھ دلدادگی اور ایسی محبت جو حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کی جگہ دل میں گھیر لے زہد کے منافی ہے ماسوائے اللہ سے کسی کو محبت نہ ہو اور وہ جو چاہے پہنے کھائے اور پیئے۔ ایسا شخص صوفیاء کے نزدیک زاہد ہے۔

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کو بکثرت فتوح ہوتی تھیں اور سازوسامان دنیا کے بکثرت مہیا ہونے کی وجہ سے آپ نہایت آسودگی سے اپنی زندگی بسر فرماتے تھے ایک بزرگ نے نصیحتاً آپ سے یہ عرض کیا کہ :۔ "آپ نے بڑی دنیا جمع کر رکھی ہے۔ درویش کے پاس اس قدر دنیا نہ ہونی چاہیئے۔" حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ نے فرمایا کہ : "حق تعالیٰ تو ارشاد فرماتا ہے کہ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ اور تم میرے پاس کی اتنی ذراسی دنیا کو بڑی چیز سمجھتے ہو تمہاری نگاہ میں دنیا کی بڑی وقعت ہے۔ زہد کی پہلی منزل یہ ہے کہ سامان دنیا کو بے حقیقت سمجھے۔ تم نے تو ابھی زہد کی پہلی منزل بھی طے نہیں کی۔" ان بزرگ ناصح نے حضرت کی اس تقریر سے یہ سبق حاصل کیا کہ سامانِ دنیا کے ترک کو زہد نہیں کہتے بلکہ سامانِ دنیا کے بے وقعت جاننے کو زہد کہتے ہیں۔

**تقویٰ :** تقوے کے چار اقسام ہیں۔ ایک عوام کا تقویٰ۔ یہ ترک کفر وشرک ہے۔ ایک متقیوں کا تقویٰ۔ یہ ترک معاصی اور منہیات شرعیہ سے پرہیز واجتناب ہے ایک خواص کا تقویٰ۔ یہ عبادات وریاضات میں خطرات و وساوس کا قلع وقمع کرنا ہے۔ مگر ایک خواص الخواص کا تقویٰ ہے جو سب سے زیادہ ارفع واعلےٰ اور حق تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ مقبول و برگزیدہ ہے یہ حضرات شب وروز میں ہر لحظہ ترک ماسوائے اللہ سے متصف رہتے ہیں اور خطرہ دنیا ان کے قلب میں کسی وقت اور کسی حالت میں وارد نہیں ہوتا۔ سرکار کی نظر صرف طالب کی ہمت و ذوق وبلندئ مقصود پر رہتی ہے اور حسب حوصلہ انعامات مرحمت ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اُن کے ایک مرید جنگل میں خلوت کیا کرتے تھے اور بعد خلوت کے اپنے شیخ کی خدمت میں سب سے پہلے حاضر ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار خلوت سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو دیکھا

کہ ضعف زیادہ ہے سامنے سے ایک شیر نکلا۔ اُس پر سوار ہو کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ اُس وقت اپنے مکان کی مرمت کے لئے ایک دیوار پر چڑھے ہوئے تھے۔ مُرید کو شیر پر سوار آتے دیکھا تو دیوار کو حکم دیا کہ تو بھی ذرا چل چنانچہ دیوار چل پڑی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ "یہ کھیل تماشے کوئی چیز نہیں جانوروں درندوں اور عناصر پر قابو پایا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ اُس برتر ہستی سے تعلق کا پیدا ہونا ہی بہت بڑی چیز ہے۔ یہ خلوت تمہاری ناکام رہی۔ تم ابھی ناقص ہو۔ پھر خلوت کرو"۔ چنانچہ پھر خلوت کی۔ جب اس خلوت سے باہر نکلے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے کیفیت دریافت کی۔ عرض کیا کہ تحت الثریٰ سے لے کر عرش تک حجابات اُٹھ گئے اور سب کچھ نظر آنے لگا۔ فرمایا کہ ابھی ناقص ہو پھر از سرِ نو خلوت کرو۔ اس خلوت میں شیخ بھی برابر متوجہ رہے۔ مرید پر حق تعالیٰ کی جانب سے نوازشات و انعامات کا متواتر فیضان ہوتا رہا اور مراتب عالیہ اور درجات قرب میں لمحہ بہ لمحہ ترقی ہوتی رہی مگر شیخ برابر یہی کہتے رہے کہ ہرگز راضی نہ ہونا۔ آخر جب جمال ذات حق تعالیٰ سے مُرید نوازے گئے تب شیخ نے فرمایا کہ "ہاں اب مراد کو پہنچے"

؎ آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

اس حکایت سے حق تعالیٰ کی مزاج شناسی کی بابت یہ پتہ چلتا ہے کہ سرکار کی نگاہ صرف طالب کی ہمتِ عالی، بلندیٔ مقصود اور ذوقِ کامل پر رہتی ہے اور صلۂ انعامات حسب حوصلۂ طالب ہوتا ہے۔ جس طرح دنیاوی ترقی حسب استعداد

وبلندیٔ نظر طالب دنیا ہوتی ہے۔ اسی طرح بارگاہ قدس میں ترقیٔ مدارجِ قرب طالب اللہ کی استعداد وہمت وذوق سلیم وبلندیٔ نظر پر موقوف ہے۔

**ذوق طلب وبلندیٔ نظر:** ارشاد فرمایا کہ طلب الٰہی میں اگر انسان کی جان بھی کام آجائے اور قرب میسر ہوجائے تو سودا سستا ہے کیوں کہ فانی چیز دے کر باقی کا سودا ہوا ہے اس عالم کی حیات عارضی جیسی بے حقیقت چیز دے کر حیات جاودانی مول لینا نہایت منفعت بخش معاملہ ہے اِس زندگی میں اگر مقصود نہ بھی حاصل ہوا تو یہاں سے رخصت ہونے کے بعد روح ضرور ترقی حاصل کرے گی۔ اگر اس دنیا میں یہ مسلک اختیار کر لیا جائے۔

ع سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

تو سمجھ لو کہ کامیابی کی منزل دور نہیں۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ آج تلاوت کلام پاک کے دوران میں چند نکتے بذریعہ القاء ہم کو معلوم ہوئے۔ ہم موسٰی علیہ السلام کے قصّہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ دیکھو! موسٰی علیہ السلام نے رَبِّ اَرِنِیٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کہا۔ طالب دیدار ہوئے۔ جواب میں لَنْ تَرٰنِیْ سُنا صاف جواب مِل گیا۔ لیکن اپنے بندہ خاص کی طلب ایسی بھلی معلوم ہوئی کہ باوجود صاف جواب دے دینے کے حکم ہوا کہ اچھا دیکھو۔ پہاڑ کی جانب دیکھو۔ سرکار کی عادت ہے کہ بندہ طالب ہوتا ہے اور اُس کی طلب میں صدق ہوتا ہے تو اُس طلب کی قدر کرتے ہیں۔ اُسے بالکل ردّ نہیں فرماتے۔ تعمیل حکم میں موسٰی علیہ السّلام نے دیکھا تو بے ہوش ہوکر گر پڑے اور کیوں نہ گرتے ؟ دیکھو! انسان اپنے محسن کے آگے سر نہیں اُٹھا سکتا۔ نہ آنکھیں چار کر سکتا ہے۔ موسٰی علیہ السلام نے آنکھیں ملانے کا قصد کیا ہی تھا کہ آنکھیں جھپک گئیں وہ خود غش کھا کر گر پڑے۔

حضرت موسیٰ کی طلب کچھ بڑھیا نہ تھی۔ کیونکہ دیدار کی مراد دل میں پیدا ہوئی اور صفات کے طالب ہوئے ؎

گر مراد خویش خواہی نامرادی پیشہ گیر
مامرادِ خویش را در نامرادی یافتیم

برخلاف اس کے ہمارے حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم طالب ذات تھے۔ صفات سے کبھی کوئی واسطہ نہ رکھا۔ ذات ہی سے لَو لگائے رہے۔ دیکھو! کیا مرتبہ پایا؟ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی غلامانِ آنحضرت یعنی اولیائے کبار کو بواسطۂ انبیاء علیہم السلام بالعموم اور بوسیلہ فخر الانبیاء رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بالخصوص ظلّی طور پر یہ مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے۔ چنانچہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ دستور تھا کہ بعد نماز فجر حاضرین پر ایک نظر ڈالتے اور روزمرّہ کے حاضر ہونے والوں میں سے اگر کوئی غیر حاضر ہوتا تو اس کا سبب دریافت فرماتے۔ پھر کچھ پند و نصائح کرتے۔ یا اپنے خواب سُناتے اور دوسروں کے خواب سُنتے اور اُن کی تعبیر عطا فرماتے۔ چنانچہ ایک روز حضرتؐ نے اپنا ایک خواب بیان فرمایا۔ کہ شب کو آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ جنّت کی سیر فرما رہے ہیں اور حضرت بلال رضؓ آگے آگے چل رہے ہیں پھر آپؐ نے حضرت بلال رضؓ سے استفسار فرمایا کہ تم نے ایسا کون سا عمل خیر کیا ہے جس کی برکت سے عالم رویاء میں تمہارا یہ حال نظر آیا۔ حضرت بلال رضؓ پر رقت طاری ہوئی اور عرض کیا کہ "یا رسولؐ اللہ! یہ کون سی تعجب کی بات ہے۔ قاعدہ ہے کہ غلام آقا کی جلوہیں ہوتے ہیں۔ غلام اور حاشیہ برداراں آقا کی سواری کے آگے آگے راستہ صاف کرتے ہوئے چلتے ہیں اور آقا کی سواری پیچھے پیچھے تزک و احتشام کے ساتھ چلتی ہے"۔ حضور سرور کائناتؐ نے فرمایا کہ "نہیں بلال! کوئی عمل بیان کرو"۔

بہت اصرار کے بعد حضرت بلال رضؓ نے عرض کیا کہ "حضور بعد وضو کے میں دو رکعت نماز نفل مختصر پڑھ لیا کرتا ہوں جس میں خطرات و وساوس نہیں آنے دیتا۔" حضورؐ نے فرمایا :- "یہی ہے یہی ہے"۔ دیکھو غلامانِ رسولؐ کے یہ مرتبے ہیں اور حضورؐ کے صدقہ میں قرب حق کی یہ اعلیٰ اعلیٰ منزلیں انہیں نصیب ہوتی ہیں۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :- بغداد میں ایک نہایت دولت مند سوداگر تھا۔ جس کی دوکان پر گاہکوں کا ہر وقت اتنا کثیر مجمع رہتا تھا کہ اُسے ہمیشہ عدیم الفرصتی کی شکایت رہتی تھی اور اسی شکایت کی بناء پر وہ نماز بھی نہ پڑھا کرتا تھا۔ لوگ اس بات پر اُسے بہت ملامت بھی کرتے تھے۔ اور نماز کے لئے نصیحت بھی کرتے تھے مگر وہ ہمیشہ عدیم الفرصتی ہی کا عذر پیش کر دیا کرتے تھے قریب ہی ایک مسجد تھی جس میں ایک مفلوک الحال سے درویش رہتے تھے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سمجھائیے۔ انہوں نے جواب دیا کہ کوئی جاہل بے لکھا پڑھا شخص ہو اُسے میں سمجھاؤں تو کچھ فائدہ ہو۔ وہ سوداگر تو لکھا پڑھا ہے۔ خود سب کچھ جانتا ہے۔ اُسے میں کیا بتاؤں۔ پھر جب وہ بڑے بڑے لوگوں کے کہنے کو نہیں سنتا اور اُن کی نصیحتیں اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتیں تو میں بے چارہ کس شمار میں ہوں۔ جب لوگوں نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ آپ اپنا حق تو ادا کر دیجئے۔ شائد اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے حصہ میں اُن کی ہدایت لکھی ہو تب آپ تشریف لے گئے۔ وہ سوداگر اپنی دوکانداری میں منہمک تھا۔ آپ کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہ کیا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا کہ "میں تمہارا زیادہ وقت نہ لوں گا۔ صرف دو مختصر سی باتیں پوچھنا ہیں۔ ایک سوال تو تم سے یہ ہے کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟" اُس نے کہا کہ "عجیب شخص ہے۔ دیکھتا ہے کہ کثرت کاروبار سے مجھے سر کھجانے کی تو فرصت ہے نہیں اور یہ پوچھتا ہے کہ نماز کیوں نہیں پڑھتے"

درویش نے کہاکہ "اچھا۔خفا مت ہو۔بس ایک بات اور بتادو (فرش پر اِدھر اُدھر دیکھ کر پوچھا کہ) یہاں کہیں پاخانہ پیشاب اس فرش پر پڑا ہوا نظر نہیں آتا۔ پاخانہ پیشاب آتا ہے تو کیا کرتے ہو؟" سوداگر نے کہا کہ "عجب احمق شخص ہے۔ارے بھائی۔ پاخانہ پیشاب کی حاجت ہوتی ہے تو باہر پاخانہ میں چلا جاتا ہوں"۔ درویش نے کہاکہ "اب ایک بات ذراسی اور سُن لو۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ حق تعالیٰ کی وقعت تمہاری نگاہ میں پاخانہ پیشاب کے برابر بھی نہیں کہ اس کی نماز کے لئے تمہیں وقت نہیں ملتا۔حالانکہ پاخانے پیشاب کے لئے وقت مل جاتا ہے"۔ یہ کہہ کر درویش چل دیئے۔ مگر یہ فقرہ ذرا توجہ سے کہہ دیا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ اُن درویش کے جاتے ہی سوداگر صاحب نے اپنی ساری دوکان اور اپنا سارا سامان لٹا دیا۔ حتیٰ کہ اپنے تن کے کپڑے تک دے ڈالے اور گھورے پر سے چیتھڑے لے کر ستر پوشی کے لئے ایک گدڑی سی۔ دجلہ میں لے جاکر اُسے دھویا اور پاک کیا۔اور اُسے پہن کر اُن ہی درویش کی تلاش میں نکلے۔جب اُن کی خدمت میں گدڑی پہنے ہوئے پہنچے تو عرض کیا کہ "جس علم کی ابجد پڑھائی ہے اُس میں اب منتہی بھی کر دیجئے"۔ چنانچہ منتہی ہو گئے اِن کا نام حضرت سری سقطیؒ ہے اور یہ حضرت جنید بغدادیؒ کے شیخ ہیں اور اِن کے شیخ یعنی وہ درویش جنہوں نے ان کی دوکان پر جاکر نصیحت کی تھی حضرت معروف کرخیؒ تھے یہی معروف کرخیؒ ہیں جن کے نام کی برکت سے گرتی ہوئی دیواریں تھم جاتی ہیں۔اگر کوئی دیوار کمزور ہو گئی ہو، تڑخ گئی ہو، یا گرنے کے قریب ہو اور ایک کاغذ کے پُرزے پر یہ شعر لکھ کرے

بحق حضرت معروف کرخی  بماند سالہا دیوار ترخی

اُس دیوار میں رکھ دیا جائے تو دیوار نہ گرے گی اور سلامت رہے گی۔ یہ عمل

مجرب و آزمودہ ہے۔

حضرت غوث الاعظمؒ اپنے اوائل حال میں شہر بغداد میں ایک بزرگ کی آمد کی خبر پاکر دو ہمراہیوں کے ساتھ اُن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن بزرگ نے آنے کا سبب دریافت کیا۔ ایک ہمراہی نے عرض کیا کہ میں دُعائے حصول دولت دنیا کے لئے آیا ہوں۔ دوسرے ہمراہی نے بھی کوئی اسی قسم کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت غوث الاعظمؒ سے سبب آمد دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو صرف ایک اہل اللہ کی خدمت میں سعادت قدم بوسی حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں۔ وہ بزرگ بہت خوش ہوئے۔ طالب دنیا سے فرمایا کہ جا تجھے اتنی دولت ملے گی کہ حلق تک بھر جائے گی۔ چنانچہ وہ شام کا قاضی القضات مقرر ہوا اور آخر میں رشوت ستانی کے الزام میں پگھلا ہوا سونا پلوا کر ہلاک کیا گیا۔ دوسرے ہمراہی کے ساتھ بھی اسی قسم کا معاملہ ہوا۔ حضرت غوث الاعظمؒ سے ان بزرگ نے فرمایا کہ تو آگے چل کر غوث وقت ہوگا چنانچہ آپ کے مراتب عالیہ سے کوئی بے خبر نہیں۔ طلب عالی، بلندئ ہمت اور نظر برانتہا رکھنے کا صلہ بھی بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں ایک بزرگ حضرت ابوالمعالیؒ تھے جن کی خدمت میں دو اشخاص ایک میراں خان اور دوسرے دولت خان رہتے تھے۔ ایک روز شیخ پر وقت خوش تھا دونوں سے دریافت فرمایا کہ کیا چاہتے ہو۔ دولت خاں نے عرض کیا کہ کثیر العیالی اور مفلوک الحالی سے تنگ آگیا ہوں۔ شیخ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا کہ "خیر! تجھے ہندوستان کا وزیر کیا"۔ اور اپنی خدمت سے جدا کر دیا۔ چنانچہ وہ کسی ضرورت سے دہلی گیا۔ وزیر وہاں کا فوت ہو چکا تھا۔ بادشاہ کا حکم ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہو اُسے وزیر مقرر کر دیا جائے۔ یہی شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہوا۔ اُسے حمام و تبدیل لباس کرایا گیا اور

قلمدان وزارت اُس کے سپرد کر دیا گیا۔ اسی نے بعد میں شیخ کی خانقاہ اور شیخ کا مقبرہ تعمیر کرایا۔ میراں خاں نے صرف طلب حق کی خواہش عرض کی تھی اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ میری زندگی ناکارہ ہے اور شیخ کی ذات سے ہندوستان میں فیض کثیر جاری ہے۔ میری بقیہ عمر شیخ کی عمر میں شامل ہو جائے تو کیا خوب ہو۔ شیخ نے حجرہ میں لے جاکر توجہ خاص فرمائی اور دعا دی کہ صاحب سلسلہ ہو گئے۔ چنانچہ آج تک آپ کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کا ظاہری فیض اس وقت تک یہ جاری ہے کہ حالت بخار میں لوگ آپ کی نذر مانتے ہیں۔ کیسا ہی تیز بخار ہو جاتا رہتا ہے اہل اللہ پر بعض وقت ایک حالت ایسی طاری ہوتی ہے کہ جو کچھ اُن کی زبان سے نکلتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے مگر یہ حالت اختیاری نہیں ہوتی۔ ایسے وقت میں جو لوگ اُن کے حاضر خدمت ہوتے ہیں وہ فائدہ اُٹھاتے ہیں بشرطیکہ اُن کے نصیب میں ہوں۔

**تعلق بہ حق:** مُلّا نظام الدین صاحب نے حضرت عبدالرزاق بانسویؒ کے دست مُبارک پر بیعت کی اور رات دن اُن کی خدمت میں رہنے لگے۔ درس تدریس سب چھوڑ دیا اور اپنے شیخ کی جاپیں بھرنے لگے۔ حُقّہ تازہ کرنے لگے۔ مُلّا صاحب کے بھائی مُلّا کمال الدین کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ ایک روز آپ نے اپنے بھائی سے کہا کہ "آپ نے اپنے علم و فضل کی مٹی پلید کر دی۔ آپ جیسا فاضل اور ایسے جاہل شخص کے ہاتھ پر بیعت۔ کسی عالم و فاضل شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوتی۔ آپ کی ذات سے جو طلباء کو فیض تھا وہ بھی بوجہ آپ کے درس و تدریس موقوف کر دینے کے جاتا رہا۔" انہوں نے جھڑک دیا اور کہا کہ "آپ میرے شیخ کے معاملہ میں کچھ نہ کہیں۔ میں اُن کے خلاف ایک لفظ بھی سُننے کی تاب نہیں لا سکتا۔" مُلّا کمال الدین نے دل میں سوچا کہ ایک روز ان کے شیخ کے پاس چل کر

چند ادق مسائل محفل عام میں دریافت کرنا چاہیئے۔ یقیناً جواب نہ دے سکیں گے۔ تب تو ہمارے بھائی کو یقین ہوگا کہ اُن کا شیخ کتنا جاہل ہے، چنانچہ اُسی نیت سے ایک روز حاضر ہوئے۔ مُلّا نظام الدین صاحب نے اپنے بھائی کا تعارف کرایا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "یہ تیرا بھائی ہے؟ اس کے دل میں بڑا چور ہے۔ جاؤ۔ فلاں شخص کے کتب خانہ سے فلاں فلاں کتابیں لے آؤ"۔ جب وہ کتابیں آگئیں تو فرمایا کہ فلاں کتاب کا فلاں صفحہ اور فلاں کتاب کا فلاں صفحہ اس کے سامنے کھول کر رکھ دو اور پوچھو کہ اس کے سوالوں کا جواب اسے ملا یا نہیں"۔ مُلّا کمال الدین اس کشف خاطر پر دنگ ہو کر رہ گئے۔ اس کے بعد نماز کا وقت آیا۔ حضرت نے مُلّا کمال الدین سے فرمایا کہ :- "بھئی میں تو ایک جاہل شخص ہوں۔ تم عالم و فاضل ہو۔ نماز تم ہی پڑھاؤ"۔ مُلا کمال الدین حضرت کے کشف خاطر کا تماشہ دیکھ ہی چکے تھے۔ سمجھے کہ نماز میں اِدھر اُدھر کا خطرہ کہیں آگیا تو مٹی ہی پلید کر دیں گے۔ اس لئے نماز پڑھانے سے عذر کیا۔ حضرت عبدالرزاق بانسویؒ آگے بڑھے۔ نماز پڑھائی اور محض مُلا کمال الدین کے چھیڑنے کی غرض سے نماز میں گیر المگجوب علیھم ولا الجوالین پڑھا۔ سلام پھیر کر حضرت تو تشریف لے گئے اور ملا نظام الدین کو آواز دی کہ چلم بھر دو اور ملا کمال الدین وہیں دل ہی دل میں بڑبڑانے لگے کہ "لا حول و لا قوۃ ۔ کس جاہل کے پیچھے نماز پڑھی۔ گیر المگجوب علیھم ولا الجوالین ۔ نہ معلوم نماز ہوئی بھی یا پھر سے دُہرانا پڑے گی"۔ اُدھر مُلّا نظام الدین چلم بھر کر لائے تو حضرت نے فرمایا کہ "تیرا بھائی وہاں کیا بڑبڑا رہا ہے اور مجھے گالیاں دے رہا ہے اُسے میرے پاس بلاؤ"۔ جب وہ سامنے آئے تو دریافت فرمایا کہ "مُلّا جی! تمہارے کچھ اولاد بھی ہے"؟ عرض کیا "جی ہاں! اللہ کے فضل سے ایک لڑکا بڑا ہے۔ فارغ التحصیل ہو چکا ہے۔ دوسرا اس سے چھوٹا

ہے قریب فارغ التحصیل ہونے کے ہے۔ تیسرا ابھی چار ہی پانچ سال کا ہے"۔ دریافت فرمایا کہ "جو لڑکا بڑا اور فارغ التحصیل ہے اُس کا تو شین قاف دُرست ہوگا اور اُس کی باتیں بھی شائستہ اور سُلجھی ہوئی ہوتی ہوں گی اور جو چار پانچ سال کا ہے وہ تُتلا تُتلا کر ٹوٹی پھوٹی زبان میں باتیں کرتا ہوگا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تمہیں اُس فاضل بیٹے کی شائستہ زبان میں شستہ باتیں زیادہ پیاری معلوم ہوتی یا چھوٹے لڑکے کی تُتلی زبان میں شکستہ باتیں۔" عرض کیا کہ "چھوٹے لڑکے کی تُتلی باتیں زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہیں"۔ اس پر حضرت نے ایک نعرہ مارا اور فرمایا کہ "ہاں! حق تعالیٰ سے یہی نسبت پیدا کرلو تو تمہارا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین بھی اُس کی نگاہ میں بہت پیارا ہو جائے گا"۔ مُلّا کمال الدین پر وجد طاری ہوگیا۔ کپڑے پھاڑنے لگے اور بیتاب ہوگئے اپنے بھائی سے کہنے لگے کہ سفارش کر کے مجھے ابھی مرید کرا دیجئے۔ ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔ حضرت انکار فرماتے رہے کہ "بھائی کسی عالم و فاضل شیخ کو تلاش کرو۔ میں تو جاہل ہوں اور تم لوگ عالم و فاضل"۔ بالآخر دونوں بھائیوں کے اصرار پر آپ نے مُلّا کمال الدین کو بھی مُرید کرلیا اور فرمایا کہ "کل سے تم دونوں بھائی درس دینا شروع کردو۔ ہم تو کل فلاں گاؤں میں ایک مُرید کے گھر رساول کھانے جائیں گے"۔ دوسرے دن دونوں بھائیوں نے جب درس دینا شروع کیا تو دیکھا کہ ایک حرف بھی نہیں چلتا اور شیخ ہی کی تصویر آنکھوں میں بسی ہے۔ دونوں نے اپنے کتب خانے لٹوا دیئے اور شاگردوں کو یہ کہہ کر رخصت کردیا کہ اب کوئی اور اُستاد تلاش کرلو۔ پھر دونوں کے دونوں شیخ کے پاس اُسی گاؤں میں پہنچے جہاں شیخ مدعو تھے۔ شیخ نے انہیں دیکھتے ہی میزبان سے کہا کہ "اب کھانا نکالو۔ ہم نہ کہتے تھے کہ دو شخص اور آرہے ہیں۔ اُن کا بھی انتظار کرلو۔ وہ یہی ہیں"۔ حق تعالیٰ سے صحیح تعلق کا پیدا

ہو جانا کتنی بڑی بات ہے۔ حق تعالیٰ ہی کو مقصود بنانا اور اس سے لَو لگائے رہنا، کاملین اور مقربین بارگاہ الٰہی کی صحبت اور ان کی خدمت، اور اپنے شیخ کی پوری پوری اطاعت منزل اعلےٰ پر پہنچنے کا زینہ ہے۔

## مشاغل لاحاصل سے اجتناب:

ارشاد فرمایا کہ:۔ طلب حق میں استغراق رکھنے والوں کو کھیل تماشوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ تم میری دو باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا ایک تو کیمیا کے خبط میں کبھی نہ پڑنا۔ دوسرے عملیات میں اپنی زندگی برباد نہ کرنا۔ جو باتیں میں نے تمہیں بتا دی ہیں انہیں کرتے رہے تو تم اپنے تصور سے وہ کام کر لیا کرو گے جو عامِل اپنے عملیات سے نہ کر سکیں گے۔ ایک تجربہ تم میں سے جس کا جی چاہے خواہ ابھی کر کے دیکھ لے۔ اگر کوئی شخص تم پر نامہربان ہے تو تم اُسے اپنے پر مہربان تصوّر کرنا شروع کر دو۔ چند ہی روز میں تم دیکھو گے کہ وہ واقعی تم پر مہربان ہو گیا۔ مجھ سے جس دن کہو بارہ بجے رات کو تمام لکھنو کا تصوّر کر کے اُنہیں سوتے سے جگا کر اپنے پاس کھینچ بلاؤں۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ جھانسی میں میرے پاس ایک ہندو فقیر آیا۔ اُس کے پاس کیمیا تھی۔ اُس نے اپنی کائنات ایک پڑیا میں لپیٹ کر مجھے پیش کی میں نے اُسی وقت اُس پڑیا کے سفوف کو زمین پر منتشر کر دیا اور پانی کا ایک لوٹا اُس پر بہا دیا۔ وہ فقیر سمجھا کہ میرے پاس شاید اس سے بھی بہتر کوئی چیز ہوگی جو میں نے اُس کی قدر نہ کی۔ اُس وقت تو وہ چلا گیا۔ مگر دو تین دن بعد اپنے ایک چیلہ کو میرے پاس بھیجا جس نے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے مجھ سے کہا کہ ہمارے گُرو میں یہ خوبی ہے کہ جب کسی کو مجاز کر کے کہیں بھیجتے ہیں تو کیمیا کا نسخہ اُسے بتا دیتے ہیں تا کہ وہ خلق سے مستغنی رہے۔ میں نے کہا کہ بہت بُرا

کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں درویشی کی ہوا تک نہیں لگی۔ گویا وہ یہ کرتے ہیں کہ بھیڑ کو بھیڑیئے سے چھڑا کر قصائی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ چیلہ ذرا سمجھدار تھا۔ بات اُس کی سمجھ میں آگئی اور وہ بہت متاثر ہوا۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :۔ میں ایک مرتبہ لاہور کے قریب میاں میر سے پیدل آرہا تھا۔ راستہ میں ایک درخت کے نیچے آنکھ بند کر کے لیٹ رہا۔ ایک ہندو جوگی آیا جس کی ڈھائی سو سال کی عمر تھی۔ یہ لوگ اپنی عمر کو یوں بڑھاتے ہیں کہ جب کسی جوان تندرست شخص کو کہیں سوتا ہوا پاتے ہیں تو حبس دم کر کے اپنی روح کو اس کی روح سے متصل کر کے اُس کے روح کی قوت جذب کر لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود تو مثل جوان کے توانا اور طاقتور ہو جاتے ہیں مگر وہ بے چارہ لاغر ناتواں و مریض ہو کر چند ہی روز میں مرجاتا ہے۔ میں اس زمانہ میں تندرست تھا۔ اُس نے میرے ساتھ بھی یہی ترکیب چھیڑی۔ میں پہچان گیا اور ذرا کڑا ہو گیا وہ سمجھا کہ غیر معمولی صحت و قوت کا شخص ہے خوب شکار ہاتھ آیا۔ اُس نے پوری قوت صرف کر دی۔ میں برابر مزاحمت کئے رہا۔ جب میں نے دیکھا کہ قریب ہے کہ یہ شخص مر کر گر پڑے تو میں ہنس کے اُٹھ بیٹھا۔ اب وہ سمجھا کہ یہ تو پتھر سے مقابلہ تھا۔ گھبرا کر بھاگا۔ میں نے اُسے لپک کر پکڑا اور کہا کہ "دنیا کے کتے! تجھے شرم نہیں آتی کہ تو لوگوں میں تارک الدنیا بنا پھرتا ہے۔ تجھ میں اور دنیا داروں میں کیا فرق ہے؟ وہ لوگ روپیہ صرف کر کے اچھی غذائیں کھا کھا کر عمر بڑھاتے ہیں اور تو اس نجس طریقے سے عمر بڑھاتا ہے"۔ دیر تک اسی نوع کی تقریر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ رو دیا توبہ کی اور میرے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔ میں نے جیب سے دو پیسے نکال کر اُسے دئے کہ بال ترشوا اور آدمیوں کی سی صورت بنا۔ پھر ایک مسجد میں اُسے مؤذن کرا دیا اور چند مشاغل

کی تعلیم دے کر اُس سے کہا کہ" بس اب یہیں اللہ اللہ کرو۔ دو سال سے زیادہ اب تم زندہ نہیں رہ سکتے۔ کمالاتِ باطنی تو اب تمہیں حاصل ہو نہیں سکتے کیونکہ اپنی زندگی کے بہترین حصہ کو تم نے ان لغویات میں صرف کر دیا۔ مگر تمہارے لئے اب اسی قدر اطمینان کافی ہے کہ ایمان پر تمہارا خاتمہ ہوگا"۔ چنانچہ دو سال کے اندر اُس کا انتقال ہوگیا۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ اپنے قیام بنارس کے زمانہ میں ایک روز میں اپنے ایک مہمان کے ساتھ شام کو چہل قدمی کے لئے نکلا۔ مسجد اورنگ زیب کے قریب ایک مکان تھا جس کے باہر ایک ہندو فقیر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ میرے مہمان نے کہا کہ بے چارہ مر گیا ہے۔ میں نے مُسکرا کر مزاحاً کہا کہ میں مسیحائی کروں؟ اسے زندہ کر دوں؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو بالکل مُردہ ہے اس میں کچھ باقی نہیں ہے۔ میں نے اُس کے ہاتھ کی آخری دو انگلیوں کو لیا اور اُنہیں آہستہ آہستہ ملنے لگا۔ اُس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ وہ شخص دراصل حبسِ دم کئے پڑا تھا اور اپنی روح کو سمیٹ کر اپنی آخری دو انگلیوں میں مقید کئے ہوئے تھا۔ میرے ملنے سے اُنگلیوں میں ذرا حرارت پہنچی تو روح جسم میں فوراً منتشر ہوگئی۔ اُس مکان کے اندر گیا تو ایک اور ہندو فقیر حبس دم کئے ہوئے نوکدار کیلوں پر بیٹھا ہوا اپنے مریدوں کو توجہ دے رہا تھا۔ اُس نے حبسِ دم سے اپنے جسم کو اتنا ہلکا کر لیا تھا کہ کیلوں سے اُسے کوئی ضرر نہ پہنچتا تھا۔ میں نے ایک نظر اُس پر ڈالی اور ذراسی کثافت کو اس کی روح میں داخل کیا تو وہ چیخ اُٹھا اور کہنے لگا کہ" دوڑو۔ مجھے اِن کیلوں پر سے اٹھاؤ۔ میں مرا جاتا ہوں"۔ وہ کوئی لکھا پڑھا شخص تھا۔ فارسی کے کچھ اشعار سُنائے اور کہنے لگا کہ" آپ لوگوں کی ابتدا ہم لوگوں کی انتہا ہے۔ اگر میں پہلے سے مشغول نہ ہوتا تو

کبھی ایسی گستاخی نہ کرتا کہ آپ کے سامنے مُریدوں کو توجہ دوں"۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ ایسی ریاضت سے کیا فائدہ جس کا نتیجہ صرف کھیل تماشہ ہو اور وصول الی اللہ میں مؤثر نہ ہو۔ پھر میں نے اُسے چند اور باتیں بتائیں۔

# ریاضت و مجاہدہ

**ضرورت مجاہدہ:** ارشاد فرمایا کہ:۔ انسان اپنے مکان سے نکلتا ہے اور اتنی دُور پہنچ جاتا ہے کہ مُڑ کر دیکھنے سے مکان نظر نہ آئے۔ تو بجائے پیچھے دیکھنے کے آگے دیکھتا ہے اور منزلیں گِننا شروع کر دیتا ہے افسوس ہے دنیا داروں پر جن کی نظر دنیا کی گذشتہ لذات میں مقید رہتی ہے اور آئندہ کی فکر وہ لوگ نہیں کرتے۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ یہ کرایہ کا ٹٹو یعنی جسم بجائے اس کے کہ ہماری خدمت کرے اُلٹی ہم سے خدمت لیتا ہے۔ خدمتیں لے کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ زیادہ خدمت کی جائے تو سرکشی کرتا ہے۔ دولتیاں پھٹکارتا ہے۔ چڑھنے نہیں دیتا۔ ایک مثال پر غور کرو تمہارے آقا نے تمہیں ایک ٹٹو دیا کہ اس پر سوار ہو کر فلاں مقام کا سفر کرو اور تمہیں زادِ راہ دے دیا کہ اس میں سے اس قدر ٹٹو کو کھلاؤ اور اس قدر اپنی دیگر ضروریات کے لئے رکھو۔ تم نے یہ کیا کہ ٹٹو کے حصہ کا بھی اور اپنا بھی پورا سفر خرچ ٹٹو کو دس پندرہ ہی دن میں کھلا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹٹو سرکش ہو گیا دولتیاں پھٹکارنے لگا۔ تمہیں سوار نہیں ہونے دیتا۔ سوار ہو بھی جاتے ہو تو وہ چلتا نہیں۔ یا تم جانا چاہتے ہو ایک طرف اور وہ تمہیں لے جاتا ہے دوسری طرف۔ اب تمہارے لئے کیسی بڑی مصیبت کا سامنا ہے۔ تمہاری ضرورتیں سب

اٹک گئیں۔ کیوں کہ اپنے حصہ کا بھی تم نے ٹٹو کو کھلا دیا۔ ٹٹو تمہارے کام کا نہیں رہا بلکہ وہ تمہارے ہاتھ ہی سے نکل گیا۔ سفر ناتمام رہ گیا۔ سفر کی عدم تکمیل سے تم اُن مفاد سے محروم رہے جو تکمیل سفر کی صورت میں تمہارے حصہ میں آتے۔ تمہاری جان کوفت میں پڑی۔ دنیا نے تمہیں بے وقوف بنایا اور تم اب اپنے آقا کو بھی مُنہ نہیں دکھا سکتے۔ کیونکہ تم نے اس کی حُکم عدولی کی ہے۔ اُسے کیا جواب دو گے۔ بڑی ذلّت اُٹھانی پڑے گی۔ لامحالہ تمہیں یہی کرنا پڑے گا۔ کہ ٹٹو کسی چابک سوار کے حوالہ کرو تاکہ وہ بھوک اور ریاضت کے چابکوں سے اُس کے بل نکالے اور اُسے سیدھا کر کے تمہارے کام کا بنا دے یہی معاملہ تم نے بھی اپنے نفس کے ٹٹو کے ساتھ کیا ہے اور اُسے منہ زور بنا دیا ہے۔ اُسے بھی چابک سوار کی ضرورت ہے جو ریاضت و مجاہدہ کے چابکوں سے اُسے تمہارے کام کا کر دے۔

ایک روز[1] ارشاد فرمایا کہ:۔ جس طرح ایک شریف زادہ لُچّوں شہدوں کی صحبت اختیار کر کے اُن ہی کی سی صورت و سیرت اختیار کر لیتا ہے اِسی طرح روح بھی لذاتِ دنیا کی صحبت میں اُن لذات کی خوگر ہو جاتی ہے۔ مگر یہ خو اُس کی عارضی ہوتی ہے نہ کہ اصلی۔ دیکھو! تماشہ کرنے والے ناچتے ہیں اور دیکھنے والے محظوظ ہوتے ہیں۔ ناچتا کوئی ہے اور خوش کوئی ہوتا ہے اِسی طرح خوش ذائقہ چیزوں کو چکھتی زبان ہے اور اُن سے خوش روح ہوتی ہے دوسروں کی لذتوں سے خود متاثر ہو کر رُوح بھی اُن لذات کی خوگر ہو جاتی ہے۔ مگر دھونے، رگڑنے مانجھنے سے یعنی مجاہدہ سے وہ صاف ہوتی رہتی

---

[1] یہ تقریر دہام شریف بمبئی میں ۷ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ بعد حلقہ فرمائی۔

ہے اس لئے تم اپنی روح کو مجاہدہ سے ہمیشہ صاف کرتے رہا کرو۔ اول المجاھدۃُ بعدہٗ مشاھدہ۔ مہینہ میں کم از کم ایک بار کھانے کا مجاہدہ کرلیا کرو۔ ایک بار پہننے کا۔ ایک بار سونے کا۔ نفس امّارہ کو بُرا تو رات دن میں چند بار ضرور کہہ لیا کرو کہ کمبخت! بدنصیب! تو ہماری لاکھوں کروڑوں برس کی زندگی تباہ و برباد کرتا ہے جا! ہم تیری بات نہیں مانتے۔ جسم مثل ایک فصلی میوہ کے ہے جو فصل گزرتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

موت اس فصلی چند روزہ پھل کو تم سے ہمیشہ کے لئے جُدا کر دے گی اور تمہارا یہ لباس جسمانی اُتر جائے گا۔ مگر روح میں ان لذاتِ جسمانی کے ساتھ جو دلدادگی پیدا ہوگئی ہے وہ باقی رہ جائے گی اور تمہیں تکلیف دیتی رہے گی۔ اس لئے مجاہدہ سے روح کو اِس عادتِ بد سے صاف کرتے رہا کرو۔ روح کی اصلی خاصیت تو رجوع طرفِ عروجِ توحیدی کے ہے مشق سے اور محنت و ریاضت سے اس اصلی خاصیت ہی کو چمکاؤ۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ شیطان تمہارے باپ کا دشمن ہے۔ اس نے تمہارے باپ کو بہت پریشان کیا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی وہ کینہ نکالتا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ خود بھی بچو اور اپنے باپ کا بھی بدلہ لو۔ بدلہ یوں ہی لے سکتے ہو کہ وہ تمہیں عبادت سے روکے اور معصیت کی جانب بُلائے تو اس کی ہرگز نہ سُنو اور خوب عبادتیں کر کے اُسے جلاؤ اور اپنے باپ کا بدلہ لو۔ ورنہ تم ناخلف ٹھہروگے۔ یوں تو مومن اور کافر دونوں ایک ہی باپ کی اولاد ہیں مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ کفار ناخلف ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ عیش پرستی تمام محاسن کی بربادی کا باعث ہوتی ہے حتیٰ کہ دین کی بھی۔ کفار کی فارغ البالی کے مقابلہ میں بعض مسلمان اپنی تنگ

دستی اور اپنے مبتلائے آلام ہونے کے شاکی رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ چونکہ موحد ہیں اُس غذاء سے روکے جاتے ہیں جس سے اندیشۂ فساد ہضم ہو اور یہ عین نوازش ہے۔ مکتب میں جب ہونہار لڑکے لہو ولعب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اُستاد انہیں سختی سے لہو ولعب سے روکتا ہے۔ اور اُن کی تنبیہہ کرتا رہتا ہے۔ مگر غبی اور بدشوق لڑکوں کی نگرانی تک نہیں کرتا اور اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

**برکات مجاہدہ**: فرمایا کہ:۔ دیکھو! فقراء قواعد صحت کی پابندی سے کس قدر آزاد ہوتے ہیں نہ اُن کے کھانے کا کوئی وقت معین ہے نہ سونے کا کھانا بھی کم مقدار میں ہوتا ہے اور سونا بھی۔ تنگ و تاریک حجروں میں عمر کا بڑا حصہ بسر کر دیتے ہیں۔ جن حجروں میں کافی طور پر نہ ہوا کا گذر ہوتا ہے نہ روشنی کا۔ باوجود اس کے عمریں اُن کی بالعموم دراز ہوتی ہیں برعکس امراء و دولت مندوں کے جو خوب، کھاتے ہیں۔ خوب پیتے ہیں۔ خوب سوتے ہیں، خوب حفظانِ صحت کی پابندی کرتے ہیں اور خوب عیش و عشرت میں بسر کرتے ہیں اور باوجود اِن تمام آسانیوں اور آسائشوں کے قصیر العمر ہوتے ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ فقراء افکار دنیا سے آزاد ہوتے ہیں اور دولت مند دنیا دار زیادتیٔ دولت کی مناسبت سے زیادتیٔ افکار اور پریشانیوں میں ہر وقت مبتلا رہتے ہیں افکارِ دنیا ہمیشہ روح کو تحلیل کرتے رہتے ہیں اور رُوح کی کمزوری عمر کی کمی کا باعث ہوتی ہے۔ وہ مجاہدات جو روح کو قوی کرتے ہیں عمر کو بھی بڑھا دیا کرتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ صدف کا مُنہ بند ہوتا ہے باوجود سمندر میں ہونے کے پانی نہیں پیتا بلکہ متوکل ہو کر رحمت حق کا متوقع رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مدت کے انتظار کے بعد رحمت حق کا ایک قطرہ ٹپکا دیا جاتا ہے جو صدف کے

پیٹ میں پہنچ کر موتی بن جاتا ہے۔ اندر سے صدف بھی صورتاً اور سیرۃً موتی کا ہم رنگ ہو جاتا ہے اطباء سے پوچھ دیکھو کہ خاصیت میں صدف مثل موتی کے ہوتا ہے اور ادویہ کے کام میں لایا جاتا ہے۔ موتی نہ ملے تو اطباء صدف کو موتی کے قائم مقام استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ مرتبہ اُسے مجاہدہ کی برکت سے حاصل ہوتا ہے کہ باوجود پانی میں رہنے کے پانی نہیں پیتا۔ تم بھی اسی طرح لذّاتِ دنیا سے اپنے کو روکو گے اور رحمتِ حق تعالیٰ کی جانب اپنی نظر رکھو گے تو قطرۂ وحدت سے نوازے جاؤ گے اور دُرِ وحدت تمہارے اندر اُتارا جائے گا اور باطناً تم بھی ہم رنگ و ہم صورت مذکور ہو جاؤ گے اگرچہ بظاہر تم انسان ہی رہو گے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ صورت ظاہری پر مغالطہ کھا کر انبیاء و اولیاء کی سیرت باطنی اور اُن کی حقیقت سے اجنبی رہتے ہیں۔

**مقابلہ نفس:** فرمایا کہ:۔ انسان کے اندر حق تعالیٰ نے نفس کو بیکار نہیں پیدا کیا۔ کیونکہ نفس خازن خواہشات ہے۔ اگر انسان میں نفس نہ ہوتا تو اُن ضروریات کے پورا کرنے کی انسان میں خواہش بھی نہ پیدا ہوتی جو بقائے جسم و حیات انسانی اور پرورش و تربیت و ترقی کے لئے ضروری ہیں نتیجہ یہ ہوتا کہ بہت سے کمالات انسانی وہ خواہ دنیا سے متعلق ہوں خواہ آخرت سے حاصل نہ ہونے پاتے۔ مگر ضرورت اس کی ہے کہ نفس کو اعتدال پر رکھا جائے اور اُسے بے لگام نہ ہونے دیا جائے۔ نفس کو حدودِ اعتدال پر رکھنے کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ اُسے عقل کے تابع رکھا جائے۔ دیکھو جب نفس کسی جانب مائل ہوتا ہے تو عقل اُس خواہش نفس کے حسن و قبیح کے متعلق مشورہ دیتی ہے عقل کے مشورہ پر انسان عمل نہیں کرتا تو خسارہ اُٹھاتا ہے واضح ہو کہ عقل بھی روح انسانی کے دیگر صفات میں سے ایک صفت ہے

جو ترقی نوع انسانی کے لئے مفید ہے۔حیوان مطلق اس عقل انسانی سے محروم ہوتے ہیں۔

اب ذرا غور کرو کہ عام طور پر انسان کی تمام زندگی اطاعت نفس ہی میں گزر جاتی ہے۔سونا، جاگنا، دولت کمانا، کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، سیر و تفریح میں رہنا۔عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے کی کوشش میں رات دن منہمک رہنا، غرض یہ کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک جتنے کام انسان کرتا ہے سب نفس کی تابعداری میں اور حظِّ نفس ہی کے لئے کرتا ہے اگر ذرا بھی عقل سے کام لیا جائے تو فوراً سمجھ میں آجائے گا کہ ایسے جابر و ظالم کی فرمانبرداری جو چوبیس گھنٹہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی چین سے نہ بیٹھنے دے ہرگز فعل مستحسن نہیں ہو سکتا۔نفس کی حالت ایک ایسے سخت مبتلائے مرض کی سی ہے۔جو ہر وقت ایک نگراں اور داروئے تلخ کا محتاج رہتا ہو۔پس انسان بھی اس امر کا محتاج ہے کہ ہر وقت نفس کی طرف سے ہوشیار رہے۔اُس پر سخت نگرانی رکھے۔طاعت کی داروئے تلخ اُسے پلاتا رہے۔منہیات شرعی کے پرہیز کا اُسے پابند رکھے۔تاکہ فضلِ الٰہی شامل حال رہے اور جملہ امراض نفس سے شفائے کُلی حاصل ہو۔یعنی حیات جاودانی اُسے مرحمت ہو۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ موتوا قبل انتموتوا۔جس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ موت انہیں آتی ہے جنہیں اُن کے نفسوں نے ہلاک کر ڈالا ہے چنانچہ ایک بزرگ کے مرید کا انتقال ہوا۔غسل میت کے وقت وہ بزرگ خود آکر کھڑے ہوگئے۔مرید متوفی نے آنکھیں کھول کر بغور اپنے شیخ کو دیکھنا شروع کیا۔لوگوں کو اُس کی موت میں شبہ واقع ہوا۔شیخ نے فرمایا کہ :۔"تجہیز و تکفین کا سامان کرو۔موت میں کوئی شبہ نہیں۔یہ حالت جو اس وقت نظر آرہی ہے میری موجودگی کی وجہ سے ہے۔میرے چلے جانے کے بعد حالت اصلی

عود کر آئے گی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس اس حدیث شریف کا مطلب اس حکایت سے واضح ہوتا ہے کہ جن پر نفس غالب نہیں ہوتا اور جو لوگ نفس پر مجاہدہ کے ذریعہ سے غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں اور حیات طیبہ سے نواز لئے جاتے ہیں۔

**ہمت**: روح میں اپنے خالق کے کمالات بشکل مجمل سب موجود ہیں۔ منجملہ اُن کے قوت ارادہ ہے ارادہ کو قوت دیجائے تو اُسے ہمت کہتے ہیں۔ مشق سے یہی قوت اس قدر ترقی کر لیتی ہے کہ انسان سے عجیب و غریب افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ خلقت ارادہ کی غائت مقابلۂ نفس ہے جس کے بغیر کمالات روحانی حاصل نہیں ہو سکتے۔ لوگ نفس کے مقابلہ کو بہت دشوار سمجھتے ہیں۔ لیکن دراصل نفس مثل اُس شیر کے ہے جو مصنوعی طور پر کھال میں بھوسہ بھر کر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ نادان اسے دیکھ کر ڈر جاتے ہیں اور صاحب فہم اُس کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ ہمت سے کام لیا جائے تو انسان ہرگز بندۂ نفس نہیں رہ سکتا۔ ہمت وہ چیز ہے جس سے انسان فوق العادات کا اظہار کر سکتا ہے۔ مگر اس اظہار فوق العادات کو تقرب الی اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں البتہ تقرب الی اللہ کے حصول میں ہمت اعلیٰ صرف کرنی ہوتی ہے۔ ضمنی طور پر یہ باتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ اُنہیں بعض لوگ چھیڑا کرتے تھے کہ آپ کی فقیری اب تک کچھ ظاہر نہ ہوئی۔ ایک عرصہ تک شیخ صبر کرتے رہے اور ضبط سے کام لیتے رہے۔ بالآخر غصہ آگیا۔ نظر بھر کر ایک بڑے پتھر کی جانب دیکھا۔ پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ ایک درخت پر نگاہ ڈالی۔ درخت میں آگ لگ گئی۔ یہ سب قوت ارادہ کے کرشمے تھے۔ ان تماشوں سے وصول الی اللہ کو کوئی سروکار نہیں۔ مگر جو ہمت عالی ان تماشوں

کا باعث ہوتی ہے اُس ہمت عالی کو وصول الی اللہ میں صرف کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ میرا خود ایک واقعہ ہے کہ حصول برکات کی غرض سے قدم آدم علیہ السلام پر سراندیپ گیا اور وہاں چلّہ کش ہوا۔ بوجہ خط استوا سے قرب کے وہاں دن اور رات ہمیشہ برابر رہتے ہیں اور دھوپ میں ہمیشہ تیزی رہتی ہے۔ خصوصاً پہاڑ پر دھوپ کی تیزی اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ دن کے وقت میں چادر کی کئی تہیں کر کے بچھاتا تھا اور اُس پر بیٹھتا تھا اور پہاڑ کے سایہ میں آفتاب کے رُخ کے مطابق جگہ تبدیل کرتا رہتا تھا۔ تپش اور صوم کی وجہ سے صفرہ کا غلبہ ہوگیا تھا اور استفراغ ہونے لگا تھا۔ مگر میں اپنے کام میں مشغول رہا۔ ایک چھوٹا ہینڈ بیگ ساتھ تھا۔ اُس میں دیکھا تو اتفاقاً ایک بٹوا نکل آیا جس میں الائچی چھالیہ تھی۔ یہ دونوں چیزیں اُس وقت بڑے کام آئیں۔ بٹوا ساتھ کر دینے والے کے خلوص پر اُس وقت نہایت تعجب ہوا۔ اُس کی نیت اتنی خالص تھی اور مجھے آسائش پہنچانے کی تمنا اُس کے دل میں اس قدر قوی تھی اور اس درجہ محبّت پر مبنی تھی کہ اس وقت اُس کی الائچی اور اُس کی چھالیہ کا ایک ایک دانہ بیش بہا ثابت ہوا۔

نفس عجلت پسند واقع ہوا ہے لذات کی جانب بہت جلد مائل ہو جاتا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو کسی چیز کی طرف جلد مائل ہوتا ہے وہ اُس سے متنفر بھی جلد ہو جاتا ہے۔ پس اگر ذرا ہمّت سے کام لیا جائے اور داعی الی اللہ وارد ہونے پر فی الفور نفس سے سختی برتی جائے تو اس پر آسانی سے غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ نفس میں علاوہ عجلت اور زود اثر پذیری کے کم ظرفی اور شرارت بھی ہے۔ اس وجہ سے اُس پر جو اثر ہوتا ہے وہ ضائع بھی جلد ہو جاتا ہے۔ برعکس اس کے روح پر اثر دیرپا ہوتا ہے۔

ایک موقعہ پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک نفس مثل بچہ کے ہے ہر بات پر مچلا کرتا ہے۔ ضد کرتا ہے۔ اسی بناء پر جو خصلتیں اور عادتیں نفس اختیار کر لیتا ہے اُن سے رہائی پانا دشوار ہو جاتا ہے۔ مدافعت کا ایک اور زبردست اور قوی آلہ بھی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا ہوا ہے۔ جب تک اُس کا **صحیح استعمال** نہ کیا جائے نفس کے ہاتھوں نجات پانا ناممکن ہے۔ وہ آلہ روح ہے۔ اہل دنیا نفس کو بہت قوی اور ہمیشہ غالب آجانے والی چیز سمجھتے ہیں۔ مگر حقیقتاً ایسا نہیں۔ جس معاملہ میں روحانی قوت و ہمت سے کام لے کر ایک مرتبہ بھی نفس کو زک دے دی جائے پھر وہ اُس معاملہ میں مقابلہ نہیں کرتا۔ اب رہا یہ امر کہ قوت و ہمت کو کام میں کیسے لایا جائے۔ اُس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دنیا کے ہر ساز و سامان اور اُس کی لذتوں اور خواہشات کو اور اُس کے جُملہ تعلقات کو حقیر و ذلیل سمجھ لینا چاہیئے۔ جب دنیا کی یہ ذلت دل میں راسخ ہو جائے گی تو دنیا اور لوازمات دنیا خود بخود حقیر معلوم ہونے لگیں گے۔ اُس وقت خواہشات نفسانی اور عاداتِ بد کی جانب ذرا سی بھی ہمت صَرف کر دی جائے تو کام آسان ہو جاتا ہے ۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ
باز میگوئی کہ دامن تر مکُن ہشیار باش

حق تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو پیدا کیا۔ مختلف حوائج ولذات کے درمیان اُسے محصور کر دیا پھر اوامر و نواہی کے احکامات اور اپنی معرفت سے بندہ کو نوازا عرفی کے اس شعر میں اسی کشمکش کی جانب اشارہ ہے مگر اس کی نظر حقیقت حال تک نہ پہنچی اور وہ اس کشمکش کو گویا شکایتاً پیش کر رہا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کشمکش کی مثال اُس سپاہی کی سی ہے جس کو جملہ آلات حرب سے

مسلح کرکے دشمن کی فوج کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا ہو۔ دنیا، لذاتِ دنیا، نفس، شیطان، یہ سب انسان کے دشمن ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لئے انسان کو حق تعالیٰ نے فہم وادراک، عقل، قوتِ ارادی، اور ہمت کے ہتھیار مرحمت فرمائے ہیں جن کے صحیح استعمال سے بندہ فوجِ مخالف کا قلع وقمع کرسکتا ہے اور ان کے حربہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ ان ہتھیاروں کا استعمال جاننا بہت ضروری ہے۔ کسی بُزدِل یا اناڑی کے ہاتھ میں تلوار دیدی جائے تو وہ اُس کے لئے بالکل مفید نہ ثابت ہوگی۔ یاد رکھو کہ داعی الی اللہ کے وارد ہونے پر جو مومن وکفار سب پر وارد ہوتا ہے اور انسان میں حق تعالیٰ کی جانب میلان پیدا کرتا ہے ذراسی ہمت کا بھی صرف کردینا اثر عظیم رکھتا ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ شیطان مثل سانپ کے ہے۔ دیکھنے میں بہت خوشنما۔ بچہ دیکھتا ہے تو اس کی جانب لپکتا ہے اور اُس سے کھیلنے کی کوشش کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کا زہر کس قدر مہلک ہے۔ طفلانِ دنیا بھی شیطان کی ظاہری دلفریبی پر ریجھ جاتے ہیں اور اُس کے ساتھ کھیلنے لگتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اُس کا زہر کس درجہ مہلک ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر کار وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس سانپ کے کاٹے ہوئے کے لئے توبہ واستغفار کا تریاق نہایت مفید ہے۔ بشرطیکہ اس تریاق کا استعمال فوراً کیا جائے۔ زہر کا اثر پورا ہو جانے کے بعد یہ تریاق بھی کام نہ دے گا۔

**مجاہدۂ نوم:** صوفی جس طرح تقلیل غذاء کا مجاہدہ طئی کے روزہ سے شروع کرکے بتدریج ساٹھ دن تک بڑھاتے ہیں اسی طرح بیداری کا بھی مجاہدہ کرتے ہیں۔ پہلے تین شب وروز جاگتے ہیں۔ پھر پانچ شب وروز۔ پھر دس شب وروز۔ حتیٰ کہ ساٹھ شب وروز بیدار رہتے ہیں۔ نہ دن میں سوتے

ہیں نہ رات میں۔ درد سر یا کسی قسم کا نقصان جو اہل دنیا کو ایسی صورتوں میں پہنچا کرتا ہے نہیں پہنچتا۔ اسے مجاہدۂ نوم کہتے ہیں۔ اس سے کیوف بہت بڑھ جاتے ہیں مگر اس کے کرنے کی خاص خاص ترکیبیں ہیں۔ چند راز ہیں میری اجازت بغیر اور مجھ سے وہ ترکیبیں اور وہ راز دریافت کئے بغیر اسے کوئی نہ کرے۔

شب قدر کو رمضان کے آخری دہے کی طاق شبوں میں پوشیدہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ لوگ اُس کی تلاش میں اُن تمام شبوں میں جاگیں۔ جب ماں باپ کو کسی بچہ کی اُچھل کود اچھی معلوم ہوتی ہے تو اُس اُچھل کود کا تماشہ دیکھنے کے لئے باپ پیسہ ہاتھ میں لے کر بچہ کو دکھاتا ہے اور بچہ ہاتھ پھیلاتا ہے تو باپ ہاتھ کھینچ لیتا ہے یا اونچا کر لیتا ہے جس سے اُس کی غائت یہ ہوتی ہے کہ بچہ کی اُچھل کود دیکھے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ لڑکے سے کہتے ہیں کہ سبق یاد کر لو تو تمہیں اتنی مٹھائی دیں گے لڑکا مٹھائی کی لالچ میں سبق یاد کر لیتا ہے۔ مٹھائی کی لالچ دینے میں مقصود مٹھائی نہیں بلکہ مقصود سبق کا یاد کرانا ہے۔ اسی طرح لیلۃ القدر میں بیداری کے انعامات کے وعدہ میں مقصود انعامات نہیں بلکہ مقصود شب بیداری اور ذکر و شغل ہے۔

ریا: ارشاد فرمایا کہ:۔ جس عبادت میں ریا کی نجاست شامل ہو جائے وہ عبادت کسی کام کی نہیں۔ دل میں خلوص نہ ہونے اور دنیا کے دکھانے کو مکّاری سے عبادت کرنے کا نام ریا ہے۔ مگر عابدوں اور زاہدوں کا عابدوں اور زاہدوں کی سی صورت بنانا ریا نہیں۔ اگر عبادت و زہد کا اظہار ریا ہوتا تو نماز بالاعلان و باجماعت ادا کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ ریا کو تعلق نیت سے ہے۔ خلوص سے نہ کہ دکھاوے کے لئے عبادت کرنے والے کے لئے بالاعلان اذکار و عبادات

میں مشغول ہونا اور لومتہ لائم کو برداشت کرنا تو تزکیہ نفس کی ابتدائی مشق ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ ریا بہت بُری چیز ہے تم ریا سے اللہ کا نام لینے والوں کا بھی ادب کرو۔ اُن کے ظاہر پر نظر رکھو اور اُن کے باطن کو حوالہ بخدا کرو۔ ممکن ہے کہ اللہ کے نام کی برکت سے آگے چل کر ان کی ریا مبدل بخلوص ہو جائے۔

**لباس صوفیہ:** کسی لباس یا خاص قطع وضع کو تصوف سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں۔ لباس صوفیہ کی اصلیت بس اسی قدر ہے کہ اگلے زمانہ میں لوگ ریاضت و مجاہدہ کے لئے جنگلوں میں نکل جاتے تھے اور کپڑوں کے جلد میلے ہو جانے کے خیال سے انہیں رنگ لیتے تھے۔ جب زیادہ دن جنگل میں قیام ہوتا اور حجّام وہاں ہاتھ نہ آتا تو بال بڑھ جاتے۔ واپس شہروں میں آنے کے بعد پھر بال ترشوا لیتے اور آدمیوں کی سی صورت بنا لیتے۔ جنگل سے واپسی کے بعد بعض پر سکر غالب رہتا تو اُنہیں شہروں میں بھی بال ترشوانے کی نوبت نہ آتی۔ کھڑاؤں اس لئے پہنتے کہ اِن سے شہوت دبتی ہے۔ ہرن کی کھال پر نشست اِس لئے رکھتے کہ مثل ہرن کے لوگوں سے اور آبادی سے وحشت ہو اور یہ سب کچھ اس لئے اختیار کرتے کہ اُن کا مقصد جلد حاصل ہو اور موانعات مرتفع رہیں۔ جو یہ نیت رکھے اور ان شرائط کو پورا کرے وہ صوفیوں کا سا لباس اختیار کرے ورنہ اِس کی کوئی ضرورت نہیں۔ تصوف سے براہ راست اِس لباس کو کوئی تعلق نہیں۔ لباس سے کوئی منزل حاصل نہیں ہوتی۔ یہاں تو عمل و خلوص کی ضرورت ہے ۔

در عمل کوش ہر چہ خواہی پوش
تاج بر سر نہ و علَم بر دوش

**مقبولیتِ عمل:** ارشاد فرمایا کہ :- مقبولیتِ عمل کی دو علامات ہیں۔ ایک تو اہتمام خاص سے کسی عمل صالح کو کرنا۔ دوسری مداومت۔ جو عبادت ترک ہوگئی ہو سمجھ لینا چاہیئے کہ خالص نہ تھی اور اس وجہ سے مقبول نہ بن سکی۔ حدیث میں آیا ہے کہ احب الاعمال الی اللہ ادومها یعنی حق تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک وہی اعمال پسندیدہ و مقبول ہیں جن کی مداومت کی جاتی ہے یاد رکھو کہ انسان کو طاعت کی جانب رجحان دو صورتوں میں پیدا ہوتا ہے یا تو بہ تحریک نفس۔ یا بغرض حصول رضائے حق تعالیٰ۔ کبھی بغرض اظہار تقویٰ اور حصول شہرت کثرت طاعت میں مصروف ہوجاتا اور کبھی محض رضا مندی حق حاصل کرنے کی نیت سے۔ پہلی صورت خواہش نفسانی کا نتیجہ ہے اور دوسری صورت توفیق حق کا نتیجہ ہے نفس کی خاصیت یہ ہے کہ اُس میں تلون ہے، آرام طلبی ہے اور وہ محنت و مشقت و تکلیف سے بھاگتا ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جو عابد خواہش نفس سے عبادت شروع کرتا ہے وہ چند ہی روز میں تھک جاتا ہے، دل برداشتہ ہوجاتا ہے، اور اُس عبادت کو ترک کردیتا ہے اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس کا عمل خالص نہ تھا اور حق تعالیٰ کی نگاہ میں اُس عمل کو مقبولیت حاصل نہ ہوئی۔ برخلاف اس کے جو عمل حق تعالیٰ کے لئے کیا جاتا ہے اُس میں مداومت ہوتی ہے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ جب بندہ بہ نیت خالص اپنے رب کے آگے سرِ نیاز خم کرتا ہے تو اُدھر سے بھی توجہ اور کشش ہوتی ہے۔ جب اتنی بڑی سرکار کی جانب سے توجہ اور کشش ہوتی ہے تو بندہ لازمی طور پر متاثر ہوتا ہے اور اُس کی راہ میں استقامت اختیار کرتا ہے چنانچہ طاعت میں مداومت و استقلال علامت مقبولیت ہے یعنی دلیل ہے اس بات کی کہ بندہ کی جانب حق تعالیٰ نے توجہ فرمائی اور اپنے بندہ کو توفیق خیر عطا فرمائی۔ خوب یاد رکھو کہ

نفس میں علاوہ دیگر خرابیوں کے ضد بھی ہے۔ خلوص کے ساتھ بعض عبادت کرنے والے بھی بوجہ اپنی عدم واقفیت کے رہ جاتے ہیں۔ ابتدائے طاعت میں ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دل گھبرانے لگتا ہے۔ طبیعت نہیں لگتی۔ سستی۔ کاہلی۔ نیت میں تزلزل اور اس نوعیت کی دیگر شرارتیں نفس کی جانب سے ہوتی رہتی ہیں اور راہ حق میں آکر حائل ہوجاتی ہیں۔ اگر کسی نبض شناس نے صحیح مرض پہچان لیا تو مقصود تک پہنچ گیا۔ ورنہ درمیان ہی میں رہ گیا۔ ایسے حالات میں خواہ دل لگے یا نہ لگے ہمت کو کام میں لانا چاہیئے اور عدم دلبستگی ہی کی حالت میں بالخصوص ریاضت شدید کرنا چاہیئے اور دل میں اس خیال کو جما لینا چاہیئے کہ :۔ "ہمارا کام تو بس یہی ہے کہ ہم اللہ کا نام لئے جائیں۔ ہم اپنا کام برابر کرتے رہیں گے۔ وساوس کا دور کرنا اور دل جمعی کا پیدا کرنا اُس کا کام ہے"۔ اس عمل سے انشاءاللہ بہت جلد نفس پر غلبہ حاصل ہوجائے گا کیونکہ اِس عمل کی ابتداء محبت سے ہوتی ہے اور العشق نار یحرق ماسوا المطلوب۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ اِن باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ ایک یہ کہ جب انسان اپنی حیثیت سے زیادہ تحفہ کسی کے سامنے پیش کرتا ہے تو اُس کی قدر و منزلت بڑھتی ہے۔ لہٰذا تم کو یہ چاہیئے کہ جس طاعت سے تمہارا نفس تمہیں رُوکے تم اُسی طاعت کے درپے ہوجاؤ۔ اور اس کے لئے اپنی کمر کس لو، مثلاً اگر رات کے اُٹھنے میں نفس تساہل کرے اور یہ بات تم پر شاق گزرے تو جی کڑا کرکے فوراً اُٹھ کھڑے ہو۔ تمہاری یہ عبادت اللہ کے نزدیک بہت وقیع ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ تحفہ میں کوئی کسی کے پاس تھوڑی سی بھی چیز لے کر جاتا ہے مگر اُسے سنوار کر درست کرکے، خوبصورتی کے ساتھ، ایک اچھے سے برتن میں سلیقہ سے رکھ کر، اور نفیس خوان پوش اوپر ڈال کر لے جاتا ہے تو تحفہ پیش کرنے والے کی وقعت بڑھتی ہے بخلاف

اُس سے جو بدتمیزی کے ساتھ کوئی چیز کسی کو پیش کرے۔ چنانچہ تمہاری تھوڑی سی بھی عبادت جو اخلاص اور عمدگی کے ساتھ بجا لائی گئی ہو۔ تمہاری وقعت خدا کی نگاہ میں بڑھا دے گی۔ دیکھو! ہمارا کوئی کام کرے اور اُس میں مُنہ بنائے یا نخرے کرے تو ہمیں بہت بُرا معلوم ہوگا بلکہ اُس کی خدمت ہی نامنظور ہوگی یہی حال اللہ کے کاموں میں منہ بنانے یا نخرے کرنے کا ہے۔ مثلاً تم روزہ رکھو اور بھوک پیاس کی تکلیف سے منہ بناؤ اور گرے جی سے رہو اور تکلیف کا اظہار اپنی کسی حرکت سے کرو تو تمہاری یہ حرکتیں اللہ کی ناراضی کا باعث ہوں گی بلکہ اِن کی وجہ سے تمہارا عمل ہی رد ہو جائے گا۔ نماز میں نخرے یہ ہیں کہ جلدی جلدی نماز پڑھو اور ارکان کو پوری طرح ادا نہ کرو۔ حج میں نخرے یہ ہیں کہ اس سفر میں طلب راحت کرو۔

**قدر عبادت عارف:** ارشاد فرمایا کہ :۔ ایک شخص دو آنہ روز پاتا ہے۔ ایک شخص سو روپے روز، دو آنہ والا دن بھر محنت کرتا ہے۔ پنکھا کھینچتا ہے۔ مار کھاتا ہے۔ بُرا سنتا ہے۔ جھڑکیاں کھاتا ہے اور سَو روپے روز والا دن میں صرف چھ گھنٹے پنکھے کے نیچے میز کُرسی پر بیٹھ کر کسی قدر قلمی کام کر کے چلا جاتا ہے۔ دونوں انسان ہیں۔ انسان ہونے کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ پھر یہ تفاوت کیوں ہے؟ تفاوت بوجہ علم و جہل کے ہے۔ دو آنہ روز والا جاہل ہے اور بے چارہ دو آنہ روز ہی کو غنیمت سمجھے ہوئے ہے۔ سو روپیہ روز والا جج ایک عالم شخص ہے اور علم کی وجہ سے اس کی یہ قدر ہے یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی ہے۔ عارف کی تھوڑی سی بھی عبادت زیادہ وزنی اور قیمتی ہوتی ہے بہ نسبت جاہل کی زیادہ عبادت کے غیر مسلموں کی عبادت کے برباد ہونے میں یہی راز ہے۔

**قبولیت دُعا:** ایک روز نصیب اعداء طبیعت ناساز تھی۔ مُریدین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ :۔ دنیا میں انسان کی سب سے بڑی کرامت رجوع الی اللہ ہے اور پروردگار عالم کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی نوازش توفیق طاعت ہے۔ دیکھو! ہماری حالت بوجہ امراض کے ٹوٹی ہوئی گاڑی کی سی ہے۔ جب تک چلتی ہے چلتی ہے۔ جس روز کوئی بند الگ ہو گیا چلنے کے قابل نہ رہے گی۔ تم لوگوں کو چاہیئے کہ ہمارے لئے دُعا کرو۔ ہم تم سب کو صاحب کرامت سمجھتے ہیں۔ تعجب نہ کرو۔ رجوع الی اللہ اور اُس میں استقامت کا پیدا ہو جانا بہت بڑی کرامت ہے۔ گو تم پر وہ کیفیات قلبی وارد نہ ہوتی ہوں جن سے تمہیں اپنی نسبت مع اللہ کا پتہ چلے اور ذات پاک کی جو تم پر نوازشات ہیں اُن کی حقیقت تم پر اب تک نہ کھلی ہو۔ مگر ظاہر ہی پر نظر ڈال کر دیکھو کہ یہ جو ذکر اللہ میں تم میں استقلال پیدا ہو گیا ہے یہ کیا تمہارا ذاتی فعل ہے ہر گز نہیں۔ بلکہ اس استقلال کا پیدا ہونا دلیل ہے نوازش رحمانی کی تم پر۔ جب رحمت پروردگار تمہاری جانب متوجہ ہو گئی تو مزید ترقیاں بھی دور نہیں۔ ان نوازشات رحمانی کی صورت میں تمہاری مقبولیت دعا میں بھی کوئی شبہ نہیں۔

ایک موقعہ پر ایک مرید کو کوئی حاجت درپیش تھی جس کے متعلق حضرت نے دعا کا وعدہ فرمایا تھا مگر اُس مرید کو اپنے معاملہ میں ناکامی رہی۔ اس کے متعلق حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ :۔ میں نے وقت معینہ پر دعا کا قصد کیا۔ مگر دفعتہً درد مثانہ کی شکایت ہو گئی اور درد نے وہ شدت اختیار کی کہ دعا کرنا مشکل ہو گیا چنانچہ دُعا نہ ہو سکی ۔

اس پر ایک واقعہ یاد آگیا ایک اعرابی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ :

ایک یہودی نے میرا اونٹ بجبر لے لیا ہے۔ دُعا فرمائیے کہ وہ اُسے واپس دے دے۔ آپؐ نے دعا کرنے کی غرض سے جائے نماز اٹھائی تو نیچے ایک بچھو نکلا۔ جس نے آپؐ کے ڈنک مار دیا۔ آپؐ نے درد کی تکلیف سے انگوٹھا دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ دیکھو! انبیاء علیہم السلام کو بھی مثل دیگر لوگوں کے موذی کی ایذا دہی سے تکلیف پہنچتی ہے۔ اصحاب صفّہ میں سے ایک صحابی دوڑے ہوئے آئے۔ حال دریافت کیا اور عرض کیا کہ حضورؐ کچھ پڑھ کر دم فرمالیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم دَم نہ کریں گے۔ تم پانی لاؤ۔ ہم اُس پانی پر دم کر دیں گے۔ اُس میں نمک ملا کر چھڑک دو۔ کژدم گزندہ کا یہ علاج ہے۔ سینکنا بھی مفید ہے۔ بچھو کے زہر میں برودت ہوتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد چند یہودی آئے اور عرض کرنے لگے کہ اگر آپؐ وعدہ فرمائیں کہ یہود پر تلوار نہ اُٹھائیں گے تو ہم اس اعرابی کا اونٹ مع اضافہ کے واپس کرا دیں۔ حضورؐ نے ہاتھ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ درد ہونے دو۔ جب تک تم لوگ راہ حق اختیار نہ کرو ہم اس بات کا ہرگز وعدہ نہ کریں گے بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ حاضر ہوئے اور یہ ماجرا سُن کر گئے اور یہودی سے اونٹ واپس لے آئے تو دیکھو کہ جب تک حق تعالیٰ کی مرضی نہیں ہوتی انبیاء علیہم السلام بھی دعا نہیں کرنے پاتے اور کچھ نہ کچھ مواقعات پیش آجاتے ہیں اور دُعا میں مانع آتے ہیں۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ دیکھو! شیطان نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا۔ قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ۝ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ابلیس پر غصّہ فرما رہا تھا ابلیس دعا کرنے سے نہ چوکا۔ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔ شاید دعا قبول ہو جائے چنانچہ دُعا قبول ہو گئی۔ اس سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ قبولیت دعا بندہ کے مقبول حق ہونے کی دلیل نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دعا کا قبول نہ ہونا بارگاہ حق میں بندہ کے نامقبول ہونے کی علامت ہے۔

**صبر و استقامت:** رمضان کا مہینہ حضرت اقدس کی خانقاہ میں بڑی چہل پہل کا مہینہ ہے دور دراز مقامات سے مریدین تعداد کثیر میں حاضر خدمت ہوتے ہیں اُن کے ٹھہرنے کا، خور د و نوش کا، افطاری وسحری کا بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ اُنہیں اذکار و مشاغل میں خاص طور پر مشغول کیا جاتا ہے۔ تراویح، تہجد، حلقہ ذکر، حلقہ قرآن، اذکار، مراقبات وغیرہ کی گرم بازاری رہتی ہے۔ یہ ماہ مبارک خاص طور پر ریاضت و مجاہدہ کا موسم منایا جاتا ہے ابتدائے شوال میں باہر سے آئے ہوئے مریدین حضرت اقدس کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوکر اپنے گھروں کو یکے بعد دیگرے واپس ہونے لگتے ہیں۔ اُن ایام میں عموماً رخصتانہ تقریریں ہوتی ہیں۔ ایک سال اختتام رمضان کے بعد ۳ ریا ۴ ر شوال کو بعد نماز فجر حضرت نے مریدین کو مخاطب کرکے ٹیلہ والی مسجد (لکھنؤ) میں حسب ذیل تقریر فرمائی۔

”بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کا ظاہر مقصود ہوتا ہے۔ اور بعض ایسی ہوتی ہیں کہ اُن کا باطن مقصود ہوتا ہے۔ شیر کی کھال کو بھر کر اُسے شیر کی سی صورت بنا کر جو لوگ کھڑی کر دیتے ہیں اُس سے اُن کا مقصود اُس صورت کے ظاہر سے ہوتا ہے یا گولے جو ہانڈی فانوس کے دائیں بائیں چھت میں لٹکا دیئے جاتے ہیں۔ اُن سے اُن کا باطن مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف ظاہری چمک مقصود ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی مثال بادام کی ہے کہ اُس کا ظاہر مقصود نہیں ہوتا بلکہ باطن مقصود ہوتا ہے اُس کا چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور مغز رکھ لیا جاتا ہے۔ صبر بھی اسی قسم میں سے ہے۔ مقصود ص۔ ب۔ ر۔ نہیں بلکہ معنی مقصود ہیں۔ جُہلا صبر کے معنی تک نہیں جانتے

اور مُنہ سے صبر صبر پکارتے ہیں۔ اپنے مصائب کی شکایت لوگوں سے کرتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم نے صبر کیا۔ احمق یہ نہیں جانتے کہ جب شکایت کر چکے تو صبر کہاں رہا اور شکایت بھی کس کی؟ خدا کی۔ کس کے آگے؟ بندوں کے آگے۔ اپنی مصیبت اور دُکھ درد کے قصّوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے بندوں کے آگے۔ صبر تو جب ہوتا جب منہ سے ایک لفظ نہ نکالتے اور دل میں اُس مصیبت پر خوش ہوتے جو اللہ کی طرف سے آئی ہے۔

صبر کہتے ہیں استقلال اور ثابت قدمی کو۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ "اے رب ہمارے! ڈال دے تو اوپر ہمارے ثابت قدمی اور ثابت رکھ ہمارے قدموں کو اور مدد کر تو ہماری اوپر قوم کافروں کے"۔ یہاں بظاہر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا اور وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا کے ایک ہی معنی ہیں تو اس تکرار کی کیا ضرورت تھی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جب اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا کہا گیا تو ہو سکتا ہے کہ ایسا صبر دیا جائے۔ جو بظاہر صبر کی صورت رکھتا ہو مگر بباطن صبر کے صحیح معنوں سے خالی ہو۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو دیکھنے میں اصلی ہوتی ہیں مگر فی الواقع اصلی نہیں ہوتیں۔

مثلاً ایک شخص ہے جو عالم نہیں۔ مگر قرآن شریف کا ترجمہ اپنے طور پر دیکھ کر اور مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ اور حکائتوں کی چند کتابیں پڑھ کر مولوی بن گیا ہے اور ایک بڑا سا عمّامہ باندھ کر اور مولویوں کی سی صورت بنا کر مسجد میں آکر وعظ کہنے لگا۔ وعظ بھی اُس نے بڑے زور و شور کا کہا۔ کسی کو ہنسایا۔ کسی کو رُلایا۔ اپنے وعظ میں قرآن شریف کی آیات بھی پڑھ دیں اور اُن کا ترجمہ بھی کر دیا۔ چند احادیث بھی بیان کر دیں اور کچھ حکایات بھی سُنا دیں۔ لوگوں پر اپنے وعظ کا

کسی قدر اثر بھی ڈال دیا۔ لباس و صورت میں مولویوں کی مشابہت اختیار کر ہی چکا ہے بھلا ایسی صورت میں عوام کیوں نہ اُسے مولوی سمجھیں۔ خصوصاً اس وقت جب کہ اصلی مولوی صاحب جو فی الواقع فارغ التحصیل ہیں بے چارے اُسی مسجد کے کسی کونہ میں سر جھکائے بیٹھے ہوں اور شرم کی وجہ سے یا کم سخنی کی عادت کے باعث اُن کے مُنہ سے بات تک نہ نکلتی ہو یا نکلتی بھی ہو تو اُس جاہل کی سی لسّانی کی اُنہیں مشق نہ ہو۔ ایسی حالت میں تو عوام اُن اصلی مولوی صاحب کو کچھ بھی نہ سمجھیں گے اور اُس جاہل کو بڑا زبردست عالم سمجھیں گے۔ دیکھو اصورتاً یہ شخص مولوی ہے۔ مولویوں کا کام بھی اُس نے کر دیا۔ وعظ کہا۔ قرآن و احادیث و حکایات کو بیان کیا اور لوگوں پر اثر بھی ڈالا۔ مولوی صاحب سے وہ کام نہ ہو سکا جو اُس نے کیا مگر باوجود ان تمام باتوں کے وہ مولوی نہیں۔

اسی طرح اس خیال سے کہ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا کے کہنے سے کہیں ایسا صبر نہ عطا ہو جو دیکھنے میں صبر ہو مگر دراصل صبر نہ ہو فوراً یہ بھی عرض کر دیا گیا کہ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا یعنی ایسا صبر مرحمت ہو جو ثابت قدم رکھے۔

یہ دعا طالوت نے کفار کے قتال کے وقت مانگی تھی۔ تم نفس کے قتال کے لئے اس دعا کو مانگا کرو۔

نفس کمبخت جدّت پسند واقع ہوا ہے۔ ایک شغل سے اکتا جاتا ہے تم کبھی کسی شغل میں ہوتے ہو تو اُس کی طوالت سے جی چرانے لگتا ہے اور تمہیں اُس سے روکنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرتا ہے پہلے تو لذّاتِ دنیا کی طرف بلاتا ہے۔ مگر جب دیکھ لیتا ہے کہ لذّاتِ دنیا کی طرف تم راغب نہیں ہوتے تو بہروپیا بن کر آتا ہے اور تمہیں کسی دوسری طاعت کا مشورہ دیتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ اس شغل کو چھوڑ دو۔ دوسرا شغل شروع کر دیا کوئی کتاب دیکھنے لگو منشاء اس کا یہ ہوتا ہے

کہ جس شغل میں تم ہو اس سے وہ تمہیں باز رکھے۔ شیطان اور مثل شیطان کے نفس بڑا بہروپیا ہے کبھی دوست اور ناصح مشفق بن کر دھوکا دیتا ہے۔ کبھی عالم، کبھی عابد، کبھی صوفی بن کر دام میں لاتا ہے ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ کھجوروں کے ایک بہت بڑے ڈھیر کی جو کہیں سے آیا تھا۔ رات بھر حفاظت کریں تاکہ دوسرے دن صبح کو وہ لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ ٹھہرے فدائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے انہوں نے دل میں ٹھان لیا کہ اب رات بھر سونا تو درکنار میں بیٹھوں گا تک نہیں اور ٹہلتا رہوں گا تاکہ حکم کی تعمیل بہ احسن وجوہ عمل میں آوے۔ اُس رات ایک بوڑھا کمزور دُبلا پتلا شخص ڈھیر کے پاس آیا اور چند کھجوریں چوری سے اُٹھانے لگا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اُسے پکڑ لیا وہ عاجزی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں غریب آدمی ہوں ضعیف ہوں۔ میرے بال بچے فاقہ سے مَر رہے ہیں۔ یہ کھجوریں میں اُن ہی کے واسطے لئے جاتا ہوں۔ آخر صبح ہم ہی لوگوں میں تو یہ تقسیم ہوں گی۔ مجھے گرفتار نہ کرو۔ چھوڑ دو۔ ان تمام منتوں اور خوشامدوں کے بعد بھی حضرت ابوہریرہؓ نہ مانے تو اس نے کہا کہ اچھا! میں کھجوریں بھی چھوڑے جاتا ہوں اور ایک ایسا وظیفہ تمہیں بتائے دیتا ہوں جس سے تم رات میں شیطان سے محفوظ رہا کرو گے بشرطیکہ تم مجھے چھوڑ دینے کا وعدہ کرو اور رسول اللہؐ کے سامنے پیش کرکے میری بے آبروئی نہ کرو حضرت ابوہریرہؓ اشرفیوں اور روپیوں کی لالچ میں تو ہرگز نہ آتے مگر چونکہ تھے طالب اللہ انہوں نے اس کو بڑی چیز سمجھا کہ شیطان کے مکر وفریب سے نجات مل جائے گی چنانچہ انہوں نے اُسے چھوڑ دینے کا وعدہ کر دیا۔ اُس ضعیف شخص نے کہا کہ سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو۔ اُس رات شیطان کے شر سے محفوظ رہو گے۔ یہ وظیفہ معلوم کرکے حضرت ابوہریرہؓ نے اُسے چھوڑ دیا۔ صبح کی نماز کے بعد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت ابوہریرہؓ کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور فرمایا کہ وہ شخص تھا تو جھوٹا مگر بات سچی کہہ گیا۔ وہ شیطان تھا اور تمہیں ورغلانے آیا تھا۔ چنانچہ وظیفہ کا لالچ دے کر وہ تمہیں بہکا گیا۔

غرض یہ کہ شیطان اور نفس جب دیکھتے ہیں کہ کوئی اور وار نہ چلے گا تو عبادت پر آمادہ کر کے بھی دھوکا دے جاتے ہیں۔ علاج یہی ہے کہ جب اُن کا حملہ ہو۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

پڑھنے لگو اور اُن بہر وپیوں کی بات ہرگز نہ مانو۔

تم کو چاہیئے کہ تم ریاضت اور مجاہدہ کے چابک سے نفس کو قابو میں لاکر اس پر سوار رہو کیوں کہ اُس سے کام لینا ہے اور نظر مقصود پر رکھ کر اپنی راہ سلوک کو طے کئے جاؤ۔

اس راہ میں بڑی بات یہ ہے کہ نظر انتہا پر رہے اور درمیانی چیزوں کے ساتھ دلدادگی نہ پیدا ہونے پائے۔ کشف و کرامات کو سنکھیا سمجھے۔ بچوں کو مٹھائی کی چاٹ ہوتی ہے جوانوں کو لذات کی چاٹ ہوتی ہے۔ علماء کو شہرت علمی اور علمی فضیلت کی بناء پر عزت و حشمت کی چاٹ ہوتی ہے۔ صوفیوں کو کشف و کرامات کی چاٹ ہوتی ہے اہل آخرت کی نگاہ میں کشف و کرامات کے چٹورے صوفی ایسے ہی ذلیل اور قابل مضحکہ ہوتے ہیں جیسے اہل دنیا کی نظر میں چٹورے لڑکے، کشف و کرامات میں پھنس کر ترقی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی جگہ جا رہا ہو۔ مگر راستہ میں سیر و تماشہ میں مصروف ہو گیا ہو یا مصروف ہو جایا کرتا ہو تو وہ منزل مقصود پر دیر میں پہنچے گا۔ برعکس اُس شخص کے جو کسی طرف نہ التفات کرے بلکہ ہر طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے مستعدی کے ساتھ راستہ طے کرتا ہوا منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جائے۔

ایک ہوتی ہے سیر اور ایک ہوتی ہے طیر۔ سیر میں راستہ دیر میں طے ہوتا ہے اور طیر میں جلد۔ چلنے والے کی بہ نسبت اڑنے والا جلد سفر ختم کرتا ہے جب کشف و کرامات کی راہ سے سلوک طے کیا جاتا ہے تو اسے سیر کہتے ہیں اور جب بلا کشف و کرامات کے سلوک طے ہوتا ہے تو اُسے طیر کہتے ہیں۔ صوفیائے کرام اس سلوک کو جو بلا کشف و کرامات طے کیا جائے سلوک اتم کہتے ہیں۔

طلب کشف و کرامات اس راہ میں بڑی مانع ہے اِن کا ظہور اُن سے ہوا کرتا ہے جو اسماء وصفات میں ہیں کیوں کہ کیفیات اسماء و صفات ہی سے متعلق ہیں۔ ذات میں بے رنگی و بے کیفی ہے۔ جو صوفی ذات میں پہنچ جاتے ہیں اُن سے کشف و کرامات بہت کم ظاہر ہوتے ہیں اور جو ظاہر ہوتے بھی ہیں وہ نزول میں نہ کہ عروج میں اور نزول میں کشف و کرامات کے ظاہر ہونے سے کوئی ہرج نہیں واقع ہوتا۔ جیسے لڑکا امتحان پاس کرنے سے پہلے کھیل کود میں مصروف ہوگیا تو اس کا ہرج ہوتا ہے لیکن امتحان پاس کرنے کے بعد کھیل کود میں شامل ہوا تو اُسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں۔

اگر دو ہم پلّہ صوفی ہوں جن میں سے ایک کو کشف و کرامات سے اجتناب ہو اور دوسرے کو اجتناب نہ ہو تو پہلے کو دوسرے پر فضیلت ہوگی۔ گو عوام کی نگاہ میں اس کے خلاف ہو اس کی مثال وہی پروفیسر اور ڈپٹی کلکٹر کی ہے جو کئی مرتبہ دی جا چکی ہے یعنی دو برابر کے بی۔ اے ہوں جن میں سے ایک نسبتاً تھوڑی تنخواہ کا پروفیسر ہوگیا ہو اور دوسرا بڑی تنخواہ کا ڈپٹی کلکٹر تو اہل نظر کی نگاہ میں فضیلت علمی کی بناء پر پروفیسر کو ترجیح ہوگی اور عوام کے نزدیک بوجہ دولت و حکومت کے ڈپٹی کلکٹر کی عزت زیادہ ہوگی۔ وہ صوفی جسے کشف و کرامات سے اجتناب ہے

مثل پروفیسر کے ہے جو خود بھی بی۔اے ہے اور دوسروں کو بھی بی۔اے پاس کرادیا کرتا ہے اور وہ صوفی جسے کشف وکرامات سے سابقہ رہتا ہو۔مثل ڈپٹی کلکٹر کے ہے جو باوجود خود بی۔اے ہونے کے دوسروں کو بی۔اے نہیں کرا سکتا۔نہ اسے مطالعہ کتب اور اپنی علمی استعداد بڑھانے کی فرصت ملتی ہے۔

جو کشف ناقابل التفات ہے وہ کشف کونی ہے نہ کہ کشف حقائق۔کشف حقائق میں اصولی انکشافات ہوتے ہیں اور غلطی نہیں ہوتی۔کشف کونی میں غلط فہمی کا احتمال رہتا ہے احمد ابدالی مرہٹوں کے مقابلہ کے موقع پر مرزا مظہر جان جاناںؒ کی خدمت میں نتیجہ جنگ معلوم کرنے کی غرض سے حاضر ہوا۔انہوں نے فرمایا کہ تجھے شکست ہوگی۔وہ دعا کی درخواست کرکے چلا گیا اور ان کے ہم عصر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں اسی غرض سے حاضر ہوا۔انہوں نے فرمایا کہ جا! تجھے فتح ہوگی۔دعا کی کوئی ضرورت نہیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ واقعی اُسے فتح حاصل ہوئی بعد میں پھر وہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اختلافِ انکشافات کا باعث دریافت کرنے لگا۔شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مرزا صاحبؒ کا کشف بالکل صحیح تھا۔انہیں اور مجھے ایک ہی سا انکشاف ہوا تھا مگر مجھے از قسم کشف حقائق ہوا تھا اور اُنہیں از قسم کشف کونی انہوں نے اس میں اپنا ذرا سا اجتہاد شامل کرلیا جس میں غلطی ہوگئی۔انکشاف یہ ہوا تھا کہ "دکن والوں کو فتح ہوگی" چونکہ مرہٹے دکھنی مشہور تھے اور آئے بھی دکن سے تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ کامیابی مرہٹوں کو ہوگی مجھے بھی یہی انکشاف ہوا تھا مگر چونکہ وہ از قسم کشف حقائق تھا۔میں نے اصل کی جب فروع نکالیں تو معلوم ہوا کہ میدانِ جنگ میں دکن کی جانب تیری فوج ہے پس میں نے نتیجہ نکال لیا کہ تو کامیاب ہوگا۔

تم کو چاہیئے کہ تم انتہا پر نظر رکھو۔ذاتِ حق تعالیٰ کو مقصود بنائے رہو اور رہر

اُس چیز کو جو اُس کے ماسوائے ہے حقارت سے دیکھو اور اپنی آنکھ اس سے بند کر لو۔ خواہ وہ طلب شہرت اور حُبِّ جاہ ہو خواہ کشف وکرامات کا شوق۔ تم کیفیات و واردات قلبی تک کی پرواہ نہ کرو قبض وبسط تک سے مستغنی بننے کی کوشش کرو اور قبض ہو یا بسط یکساں ہمت و مستعدی کے ساتھ اپنے مقصود اصلی کی طلب میں ثابت قدم رہو ؎

گر مراد خویش خواہی نامرادی پیشہ گیر

ما مراد خویش رادر نامرادی یافتیم

کسی حال کی طلب نہ کرو۔ مگر ہاں! مقام کی طلب کرو۔ استقلال اور ثابت قدمی کا مقام مانگو۔

قبض وبسط کے متعلق اتنی بات اور سن رکھو۔ قبض ہو یا بسط دونوں اللہ کی جانب سے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ اِن دونوں میں اللہ کی مصلحتیں ہوتی ہیں اور دونوں میں سے کوئی حالت طالب حق کے لئے فائدہ سے خالی نہیں۔ جب تک قبض نہیں ہوتا درد نہیں پیدا ہوتا۔ سوز وگداز نہیں حاصل ہوتا۔ اشتیاق نہیں بھڑکتا۔ ہجران بہترین قسم کا وصل ہے ؎

سوختن در ہجر وخوش بودن بامیدِ وصال

ساختن با درد وبس بربوئے درمان زیستن

روئے جاناں بھی نہیں۔ بلکہ بوئے درمان۔ قبض کے نہ ہونے اور بسط ہی بسط کے رہنے سے طالب کی منزل رُک جاتی ہے۔ قبض وبسط دونوں حالتوں میں تم کو چاہیئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے سمجھو اور اللہ ہی پر نظر رکھو اور اللہ ہی کی رضامندی کے حصول میں کوشاں رہو۔ رضاء کا مقام بہت اعلیٰ ہے صوفیاء میں اختلاف ہے کہ رضاء کا مقام اعلیٰ ہے یا مقام حیرتِ کبریٰ۔ مگر یہ نزاع لفظی

ہے حیرتِ کبریٰ وہ مقام ہے جہاں دارین سے آنکھ بند ہوجاتی ہے اور رضا ہی رضا رہ جاتی ہے۔ تم بھی اس مقام کے طالب بنو اور ہمت کے چابکوں سے نفس ملعون پر اقتدار حاصل کرکے مراقبہ محاسبہ کی جو ہیں نے تم کو تلوار دے دی ہے اُس سے موانعات کو قطع کرتے ہوئے بڑھے چلے جاؤ۔

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکُن ہشیار باش

ہوا و ہوس اور لذات جسمانی اور خواہشات نفس کے دریا میں ڈال کر ہمت وعقل و فہم وادراک کا ہتھیار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دامن تر مکُن ہشیار باش۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے! یہ میں نے اپنے مدعا کے مطابق اس شعر کے معنی کرئیے ورنہ شاعر کا مقصد تو بظاہر نعوذ باللہ اللہ پر طعن معلوم ہوتا ہے کہ ادھر تو قعرِ دریا میں ڈال دیا اور اُدھر فرماتے ہیں کہ خبردار! دامن تر نہ ہونے پائے۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے؟ اگر شاعر کا یہ منشا ہے تو اس کی غلطی ہے۔ لیکن اگر اُس کا منشاء یہ ہے کہ خدا کی قدرت کے کمال کو تو دیکھو کہ قعرِ دریا میں ڈال کر ایک زبردست ہتھیار ہمت وعقل و فہم وادراک کا عطا فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لو! اس کی مدد سے تمہارا دامن تر نہ ہونے پائے گا تو صحیح ہے۔ اسی طرح مرزا رفیع سودا نے بھی بکواس کی ہے کہ

یاں فکرِ معیشت ہے وہاں دغدغہ حشر
آسودگی حرفیست یہاں ہے نہ وہاں ہے

یہ شعر بھی پرلے درجہ کی حماقت اور جہالت پر مبنی ہے جاہل کے لئے البتہ آسودگی نہ یہاں ہے نہ وہاں۔ مگر عاقل و عالم باللہ کے لئے آسودگی یہاں بھی ہے اور وہاں بھی۔

ایک بات اور بھی یاد رکھو۔ اگر طلب حق میں تمہاری ساری عمر ختم ہو جائے اور کشود نہ ہو تب بھی اپنے کام میں لگے رہو اور اپنی ناکامی کی پرواہ نہ کرو۔ کامیاب سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے ناکام سے تعلق رہتا ہے اور تعلق کا رہنا ہی بڑی بات ہے۔ ایک فقیر آتا ہے اور پیسہ مانگتا ہے تم پیسہ دے دیتے ہو۔ وہ چلا جاتا ہے۔ بس اس سے تعلق منقطع ہو گیا۔ بعد میں نہ تمہیں اُس کا دھیان رہتا ہے نہ اسے تمہارا مگر جب تک کسی کو شے مطلوبہ نہیں ملتی اور وہ اُسے طلب کئے جاتا ہے تو ایک تعلق ہے جو دونوں میں رہتا ہے جسے انتظار بہت کرنا پڑتا ہے اُس پر عنایات بھی زیادہ ہوتی ہیں اور کم انتظار کرنے والوں سے التفات معمولی ہوتا ہے علاوہ ازیں تمہارا مطلوب اتنا بڑا ہے کہ اُس کے انتظار کے لئے کوئی مدت بڑی نہیں ہے

از پئے یک نظارہ بر درِ او — سالہا انتظار باید کرد

میں کہتا ہوں عمرہا انتظار باید کرد

تا دہی بوسہ بر کفِ پایش — خویشتن را غبار باید کرد

پیشِ شمعِ رخش چو پروانہ — سوختن اختیار باید کرد

بس بڑی چیز کے طالب بنو۔ چھوٹی چیزیں خود بخود تمہیں مل جائیں گی۔ چھوٹی چیز کے طالب بنو گے تو بڑی چیز سے محرومی لازم آ جائے گی۔ پیسہ کے طلب کرنے والے کے لئے بس پیسہ ہی ہے۔ روپیہ سے اُسے بالکل محرومی ہے۔ مگر روپیہ طلب کرنے والے کے لئے پیسے کوڑیاں بہت۔ اسی طرح اشرفیاں طلب کرنے والے کے لئے روپے پیسے کوڑیاں سب کچھ اُسے اُسی اشرفی سے حاصل ہو جائیں گی۔ اشرفی سے بہت سے پیسے بن سکتے ہیں ایک پیسہ سے اشرفی یا روپیہ نہیں بن سکتا۔ بس! تم سب سے بڑی چیز کے طالب بنو۔ اور ہر کمتر مرتبہ کی شے کی طلب کو دل سے نکال دو۔ نفس ملعون تمہیں پچھاڑنے

کی کوشش کرے تو رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ پڑھنا شروع کردو اور ہمت کا چابک اور مراقبہ محاسبہ کی تلوار کام میں لاکر اپنی طلب میں منہمک رہو۔

اسی مضمون پر تقریر کرتے ہوئے ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ:۔

طلب حق میں استقامت بڑی کرامت ہے حضرات صوفیہ کا مقولہ ہے کہ الاستقامۃ فوق الکرامۃ۔ یہ کتنا سچا مقولہ ہے کاروبار دنیا میں بھی کامیابی بغیر استقامت اور استقلال کے حاصل نہیں ہوتی۔ کوئی نیا کام شروع کیا جاوے اور ابتدا میں اس میں تھوڑی سی کامیابی بھی ہو جائے تاہم بغیر استقلال کے کامیابی اپنے انتہائی نکتہ پر نہ پہنچ سکے گی۔ جو طالبان حق باوجود ناکامی کے یہ دیکھیں کہ انہیں طلب حق میں استقامت نصیب ہوگئی ہے اُن کو یقین کر لینا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کا اُن پر بہت بڑا انعام ہوا ہے۔ استقامت بھی تو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے انعام ہے۔ سرکار زود آشنا بھی ہیں اور دیر آشنا بھی۔ جہاں زود آشنائی عمل میں آتی ہے وہاں اس کا بھی احتمال رہتا ہے کہ یہ آشنائی ختم بھی جلد نہ ہو جائے۔ اور جہاں دیر آشنائی ظہور میں آتی ہے وہاں اس آشنائی میں قیام بھی زیادہ رہتا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ :۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ

طالب کو تاخیر سے گھبرانا یا مایوس ہونا نہ چاہیئے۔ اذکار و اشغال کا اثر ہونا لازمی ہے۔ انکشاف میں تعجیل و تاخیر اور امر ہے۔ جہاں تاخیر واقع ہوتی ہے۔ وہاں انکشافات بھی زیادہ تفصیلی اور زیادہ دیرپا ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں ایک چھپّر کے نیچے بیٹھا تلاوت قرآن میں مصروف تھا کہ اتفاق سے چھپّر میں آگ لگ گئی۔ لوگوں نے شور مچانا شروع کیا۔ مگر میں تلاوت میں برابر مصروف رہا۔ دل کو ذرا بھی پراگندہ نہ ہونے دیا۔ یہاں تک کہ سارا چھپّر جل گیا

لیکن میں سلامت رہا۔ دھواں تک نہ لگا۔ اس میں میری کوئی کرامت نہیں۔ صرف اس عزم واستقلال کی بناء پر جو مجھے حق تعالیٰ کے ساتھ حاصل تھا مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ مجھے تو اپنا کام پورا کرنا ہی تھا۔ میں نے یہ نیت کرلی تھی کہ اس قدر قرآن کی تلاوت کرکے اُسے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ پھر میں جھوٹا کیسے بنتا (اس کے بعد ایک مُرید خاص کی طرف مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ) تم بھی ایسے ہی مستقل ہو جاؤ۔ جس بات کا ارادہ کر لیا ہے اُس پر بس پوری طرح جم جاؤ اور دل میں ٹھان لو کہ چاہے جان ہی چلی جائے جس کام کو شروع کیا ہے اب اس کو پورا کرہی کے ٹلیں گے۔ دیکھو! اولیاءاللہ کے مزارات پر فقیر پیسہ کے لالچ میں صبح سے شام تک بیٹھے رہتے ہیں۔ دھوپ بارش کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ تم تو بہت بڑی چیز کے طالب ہو کیا ہمت وعزم میں اُن فقیروں سے بھی گئے گزرے بنے جاتے ہو؟

**احساس اثرِ مجاہدہ:** ارشاد فرمایا کہ:۔ بچہ تعلیم کا اثر محسوس نہیں کرسکتا تاوقتیکہ آگے چل کر اُس میں خاص حد تک ایک قابلیت پیدا نہ ہو جائے۔ طالب حق بھی ابتداء میں ذکر و شغل کے نتائج کا ادراک نہیں کرسکتا۔ ذرا آگے چل کر یہ ادراک ہونا شروع ہوتا ہے اور صحیح اور پورا پورا ادراک تو بعد مُردن ہی ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ محدود زندگی میں غیر محدود انعامات الٰہی کا کسی کو پورا ادراک ہو سکے۔ ایک اور نکتہ قابل غور ہے۔ بچّوں کو بیش قیمت چیز نہیں دیا کرتے کیوں کہ اُنہیں اول تو اُس کی قدر ہی نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ اس کو خراب کردیا کرتے ہیں۔ بچوں کے لئے کم قیمت کھلونے ہی ہوا کرتے ہیں۔ جُوں جُوں ان کی سمجھ اور اُن کی استعداد بڑھتی جاتی ہے عطیات وانعامات کی بھی قیمت بڑھتی جاتی ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :- مشاغل و ریاضت کا فائدہ ابتدا میں طالب کو محسوس نہیں ہوتا وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں جیسا پہلے تھا۔ ویسا ہی اب بھی ہوں۔ کوئی فرق اسے محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن مرشد کامل سمجھتا ہے کہ طالب کس منزل میں ہے بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مرید کی حالت اُس سے اوجھل کر دی جاتی ہے۔ جب وقت مناسب آتا ہے تو وہ حالت اُس پر ظاہر کر دی جاتی ہے۔ اس مثال پر غور کرو کہ ایک شخص جو پہلے کبھی کلکتہ نہیں گیا۔ کلکتہ جانے کی نیت سے روانہ ہوا۔ اُس کا ایک ساتھی جو پہلے کلکتہ جا چکا ہے اس سے کہتا ہے کہ اب کلکتہ بہت قریب ہے تم منزل مقصود پر اب پہنچنے ہی والے ہو تو باوجود اس کے کہ یہ اطلاع بہت صحیح ہے وہ شخص جو کلکتہ کی راہ سے ناواقف ہے نہیں سمجھ سکتا کہ اس کی منزل مقصود اس قدر قریب آگئی۔ اپنے ساتھی پر اعتبار کر کے تقلیدی طور پر البتہ اس بات کو مان لے گا۔ مگر کلکتہ پہنچنے کے بعد اُسے اپنے ساتھی کی دی ہوئی خبر کی تحقیق ہو جائے گی۔

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ :- حاملہ عورت کو باوجود اپنے پیٹ سے اس قدر قرب ہونے کے بجز پیٹ کے بڑے ہونے کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ نہیں معلوم ہوتا کہ پیٹ کے اندر کیا ہو رہا ہے لڑکا ہے یا لڑکی؟ جالینوس ہے یا رستم؟ اسے صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پیٹ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ مدت معینہ کے گذرنے کے بعد ان باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہی حال طالب حق کا ہے کہ اس کی روح میں بہت کچھ تغیر ہو رہا ہے لیکن اُسے اُس کی بالکل خبر نہیں۔ وقت معینہ پر حال کھُلے گا اور وقت معینہ سب کے لئے عموماً بعد موت کے آتا ہے۔ بعض کو حالت حیات ہی میں انکشافات شروع ہو جاتے ہیں۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ :- تم لوگ ریاضت کرتے ہو اور فائدہ اٹھاتے

ہو مگر ابھی سمجھ نہیں سکتے کہ تمہیں کیا کیا فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔ تمہاری مثال اِس وقت اُس شخص کی سی ہے جس نے ترازو ہاتھ میں لے کر اس کے ایک پلڑے میں باٹ رکھ دیا۔ بوجہ وزنی ہو جانے کے وہ پلڑا نیچا اور مقابل کا پلڑا اونچا ہو گیا۔ اب وہ اونچے پلڑے کو دوسرے پلڑے کے ہم وزن کرنے کی غرض سے مٹھی بھر بھر کے اس میں اناج ڈال رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر مٹھی کے پڑنے پر وہ پلڑا بھاری ہو جاتا ہے اور بتدریج نیچے آتا جاتا ہے۔ مگر اُس شخص کی نگاہ چونکہ باٹ والے پلڑے پر نہیں بلکہ دوسرے ہی پلڑے پر جمی ہوئی ہے وہ اس تغیر کو ابھی محسوس نہیں کرتا۔

**مایوسی کفر ہے:** تم دیکھتے ہو کہ جنگلی جانوروں کو تربیت سے کیسا سنوار لیا جاتا ہے۔ پھر تم تو انسان ہو۔ اسماء و صفات کی تربیت سے تمہاری روح کیوں کر نہ سنورے گی۔ وہ غلطی پر ہیں جو باوجود کوشش و تربیت کے اپنی روحانی اصلاح سے نا اُمید ہو جاتے ہیں

لَا تَايْئَسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ

مایوسی شیطان کا ایک دھکّا ہے جس سے وہ چلنے والوں کو گرا دیا کرتا ہے یا ہٹا دیا کرتا ہے۔

**اقسام انعامات:** ارشاد فرمایا کہ :- دنیا میں لوگ مختلف طبائع مختلف ہمت اور مختلف مذاق کے ہوتے ہیں۔ بعض کی نظر ایک چھوٹی چیز میں اٹک کر رہ جاتی ہے بعض کی نظر بہت اونچی جاتی ہے۔ بعض لوگ ایک سڑی سی چیز لے کر خوش ہو جاتے ہیں۔ بعض کو قیمتی اور کمیاب چیزیں بھی خوش نہیں کر سکتیں۔ ایک دیہات کا باشندہ گڑ کھا کر بہت خوش ہو جاتا ہے اور اُسے بڑی نعمت سمجھتا ہے۔ لیکن بعض لوگ ایسی بلند نظر رکھتے ہیں کہ ہیرے جواہرات بھی اُنہیں خوش نہیں کر سکتے۔ حق تعالیٰ کی نعمتیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں۔

چھوٹی قسم کی نعمتیں اور بڑی قسم کی نعمتیں۔ چھوٹی قسم کی نعمتیں تو دنیا کی نعمتیں ہیں اور بڑی قسم کی نعمتیں آخرت کی نعمتیں مگر عام طور پر لوگ چھوٹی نعمتوں کو بڑی اور بڑی نعمتوں کو چھوٹی نعمتیں سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کی کوتاہ نظری ہے۔ سب سے بڑی نعمت حق تعالیٰ کی جانب سے توفیقِ طاعت کا عطا ہونا ہے کیوں کہ توفیقِ طاعت سے لذاتِ روحانی کا دروازہ کُھل جاتا ہے اور لذاتِ روحانی بہت بڑی لذتیں ہیں لذاتِ روحانی کا صحیح اندازہ کرنے میں کم فہم لوگوں سے بہت غلطی ہوتی ہے دیکھو! خوشی اور غم روحانی کیفیات ہیں اور خوشی ایک بہت بڑی روحانی لذت ہے۔ خوشی کی حالت میں کھانے پینے کی لذتیں کس قدر بڑھ جاتی ہیں بلکہ خوشی کی حالت میں انسان کھانا نہ بھی کھائے تب بھی اُسے ضعف زیادہ نہیں معلوم ہوتا اگر کوئی شخص کئی دن کے فاقہ سے پڑا ہو اور اس پر اس درجہ ضعف طاری ہوگیا ہو کہ چل پھر نہ سکتا ہو اس وقت اُسے کوئی بہت بڑی خوشی کی خبر ملے تو اس کے جسم میں تازہ جان پڑ جائے گی اور وہ اٹھ کے بیٹھ جائے گا اور بغیر کچھ کھائے پیئے اپنے جسم میں اتنی قوت محسوس کرنے لگے گا کہ اس کا جی چاہے گا کہ وہ اُٹھے اور اپنے دوستوں کو وہ خوشخبری سُنا آئے۔ برعکس اس کے اگر حزن وغم کی حالت اُس پر طاری ہو تو رُوح اُس کی پژمردہ ہو جائے گی اور کھانا پینا اُسے اچھا نہ معلوم ہوگا اور کتنی ہی اعلیٰ درجہ کی غذاؤں کا وہ استعمال کرے اُس کا ضعف بڑھتا ہی جائے گا۔ اب اس بات کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جب دنیا میں روح باوجود تقیدات اور جسم کثیفہ میں مقید رہنے کے خوشی کے اثر کو اس قدر مفرح اور قوت بخش پاتی ہے تو دارالآخرت میں جب روح بالکل آزاد ہوگی اور جملہ حجابات اُس پر سے مرتفع ہو جائیں گے خوشی کی حالت کیسی کچھ فرحت انگیز نہ ثابت ہوگی۔ یاد رکھو کہ جو لذاتِ روحانی آخرت کے لئے مقدّر ہیں وہ اس قدر ارفع و اعلیٰ ہیں کہ کسی مثال کے ذریعہ سے سمجھ میں نہیں آسکتیں

دنیا میں جو ادنیٰ ترین روحانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں صرف اُن ہی کی مثال دی جا سکتی ہے۔

ایک[1] روز ارشاد فرمایا کہ:۔ سالک کے لئے دو قسم کے انعامات ہوا کرتے ہیں یافت اور نایافت[2]۔ یافت کہتے ہیں حصول کو اور نایافت عدم حصول کو۔ بمقابلہ یافت کے نایافت کی منزل زیادہ قابل قدر ہے نایافت کی منزل کہتے ہیں جمع حضور کو یہ بڑی منزل ہے تم نے ٹوپی بنائی۔ نہایت اچھی ٹوپی ہے جو تم نے بنائی۔ تمہیں بھی اچھی معلوم ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ تمہیں خود اپنی صنعت پر ناز ہے اور اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی ٹوپی سے محبت ہے۔ تم لوگوں کو دکھاتے پھرتے ہو کہ دیکھو ہم نے کیسی اچھی ٹوپی بنائی۔ یہی نسبت خالق کو مخلوق کے ساتھ ہے۔ خلق مصدر ہے خالق کا۔ جو نسبت خالق کو مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے وہ مخلوق کو خالق کے ساتھ کیسے ہو سکتی ہے؟ اس لئے یہ نسبت مخلوق کے لئے نایافت اور مخلوق کی رسائی سے باہر ہے۔ جب اس نسبت کا پرتو خالق کی طرف سے مخلوق پر پڑتا ہے۔ تو وہ بڑی چیز ہوتی ہے۔ انوار وغیرہ سب اس سے بہت نیچے کی چیزیں ہیں۔ بس نایافت کے طالب بنو۔ جس طرح انسان میں حواس خمسہ ظاہری ہیں اسی طرح روح میں بھی حواس خمسہ باطنی ہیں۔ قوت لامسہ کے قائم مقام روح میں ذوق وشوق ہے۔ قوت باصرہ کے قائم مقام ادراک ہے۔ قوت سامعہ کے قائم مقام القاء الہام اخذ کرنے کی صلاحیت ہے۔ پھر روح میں ایک قوت محویت کی بھی ہے جسے قوت ذائقہ کے قائم مقام سمجھو۔ ذائقے بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ کھٹا میٹھا۔ کڑوا جو آپس میں بالکل متضاد ہیں۔ پھر ایک ذائقہ ہے جو نہ کھٹا ہے۔ نہ میٹھا نہ کڑوا لیکن لوگوں کو اس سے بہت زیادہ سابقہ رہتا ہے۔ جیسے گیہوں کی روٹی۔

---

[1] در کانپور۔ یوم شنبہ ۲۲ر رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ قبل نماز ظہر

جس طرح مختلف طبائع مختلف ذائقوں کو پسند کرتی ہیں اسی طرح مختلف روحوں میں بھی مختلف میلان ہوتا ہے۔ مثلاً ذوق وشوق مٹھائی ہے۔ غیر مفید اشیاء سے پرہیز اور صحبت ناجنس سے اجتناب میں شدت کڑواہٹ ہے۔ محویت و جمع حضور کو گیہوں کی روٹی کے ذائقہ کے مشابہ سمجھ لو جو کھٹے میٹھے کڑوے ہونے سے ماوریٰ ہے۔ اپنی مرغوب چیز کو دیکھ کر بعض لوگوں کو ایسی محویت ہو جاتی ہے کہ انہیں پھر کسی دوسری چیز کی طلب وخواہش نہیں رہتی اس قسم کی محویت کو جمع کہتے ہیں اور یہی وہ بڑی منزل ہے جو نایافت ہے اور یافت کے مقابلہ میں بہت زیادہ قابل قدر ہے۔ فرق بعد الجمع پھر ایک اور منزل ہے۔

# علم و عقل و فہم و ادراک

**علم:** ارشاد فرمایا کہ: عقل کی غذاء علم ہے اور علم کی غایت ہے فہم و ادراک علم سے دو قسم کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ذاتی اور صفاتی۔ ذاتی فائدہ یہ ہے کہ فہم و ادراک میں ترقی ہو۔ صفاتی فائدہ یہ ہے کہ دولت و ثروت میں اضافہ ہو ذاتی مفاد صفاتی مفاد پر ہمیشہ فوقیت رکھتے ہیں گو عوام کی نگاہ میں صفاتی مفاد کی زیادہ وقعت ہو۔ مثال کے طور پر دو شخصوں کو لو جنہوں نے بی۔ اے کی سند حاصل کی ہو۔ اُن میں سے ایک پروفیسر ہو گیا ہو اور دوسرا ڈپٹی کلکٹر۔ بلحاظ تنخواہ وحکومت و اختیارات کے ڈپٹی کلکٹر پروفیسر سے بڑھا ہوا ہے اور عوام کی نگاہ میں اُس کی عزت بھی زیادہ ہے مگر بلحاظ مذاق علمی اور مشاغل علمی اور قابلیت علمی کے اہل نظر کی نگاہ میں پروفیسر کی وقعت زیادہ ہے گو مفادِ وصفی اپنے علم سے اُسے کم حاصل ہوں۔ یہی حال باطن میں بھی ہے۔ یہاں مفاد ذاتی معرفت ہے اور

**مفاد صفاتی کشف و کرامات** ۔ جس طرح ڈپٹی کلکٹر کے لئے ڈپٹی کلکٹری مطالعہ کتب میں اور استعداد علمی کے بڑھانے میں مانع آتی ہے اسی طرح صوفی کے لئے کشف و کرامات ترقی معرفت میں روکنے والی چیز ثابت ہوتی ہے۔

ایک روز بعد حلقہ کے حضرت اقدس نے حسب ذیل تقریر فرمائی:۔ کسی نہایت وسیع مکان کے پھاٹک میں تم داخل ہوگئے تو پھاٹک تو ایک ہی ہوگا۔ جس کا طول و عرض بھی محدود ہوگا مگر اس میں داخل ہوتے ہی تمہارے پیش نظر اس وسیع مکان کے اندرونی مناظر ہوجاویں گے۔ جو نسبتًا غیر محدود ہوں گے۔ گویا محدود چیز میں داخل ہونے سے تم پر غیر محدود کا فتح باب ہوجاتا ہے اسی طرح علم کی پھاٹک میں داخل ہونے سے لامحدود معلومات و معرفت کا دروازہ تمہارے لئے کھل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان باتوں کا علم عطا فرماتا ہے جن کا تمہیں علم پہلے نہ تھا۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ علم کا یہ فیضان حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اقلیدس نے جس علم کی بنیاد ڈالی اُس کے شاگردوں نے آگے چل کر اُس میں بہت اضافہ کیا۔ یہ علم اگر اقلیدس ہی کی جانب سے ہوتا اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا فیضان نہ ہوتا تو اقلیدس کے شاگردوں میں مزید معلومات کا اضافہ کیوں کر ہوتا۔ جب ایک ہی شخص پر کسی علم کا حصر ہو تو اُس کے شاگرد اس علم میں اپنے اُستاد سے کیوں کر بڑھ سکتے ہیں۔ شاگردوں کے پاس یہ مزید علم کہاں سے آتا ہے جب کہ اُستاد اس مزید علم سے خالی ہوتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ شاگرد اُستاد سے علم میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہ فیضان حق تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے اور اس القاء سے دفعتًا آنکھیں کھل جاتی ہیں اور معلومات میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ مکھی کو کس نے سکھلایا کہ شہد یوں نکالتے ہیں ایک مکھی ہے جس کے زخم پر بیٹھ جانے سے زخم سڑ جاتا ہے اور ایک اُسی کی بہن

دوسری مکھی ہے کہ وہ جہاں بیٹھ جاتی ہے شہد نکالتی ہے بَیْنَہُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ مستحق تعریف وہی ہے جس طرح کے شاگرد کے کمالات پر مستحق تعریف استاد ہوتا ہے جس کی بدولت شاگرد کو عروج نصیب ہوتا ہے یا جس طرح کسی عمدہ صنعت کو دیکھ کر تعریف اس کاریگر کی کی جاتی ہے جس کی صنّاعی کا وہ نمونہ ہے جس طرح ظاہر میں مکان کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی احاطۂ مکان کے وسیع اندرونی مناظر پیش نظر ہو جاتے ہیں یا علم کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی غیر محدود معلومات کا دروازہ کھل جاتا ہے اسی طرح باطن میں بھی معرفت اسماء و صفات کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی عالم قدس کی غیر محدود معلومات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ بعض لوگ حضرات صوفیہ کی تصانیف دیکھ کر متاثر ہو جاتے ہیں اور خود اُن حالات رفیعہ کے اپنے اوپر وارد ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض لوگ کسی درویش کی صحبت میں آکر اور اس کے پند و نصائح سُن کر متاثر ہوتے ہیں۔ ان پند و نصائح کو تلقین کہتے ہیں۔ بعض لوگ حضرات صوفیہ کے جلسوں میں شریک ہو کر ان کی ہدایت کے مطابق اذکار و اشغال میں مصروف ہو کر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان اذکار و اشغال کی ہدایت کو تعلیم کہتے ہیں اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اُن پر علوم راہ حقیقت منکشف ہوتے ہیں۔ پہلے حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کا علم حاصل ہوتا ہے اسے علم الیقین بھی کہتے ہیں۔ آخر میں علم باللہ حاصل ہوتا ہے جسے عرفان کہتے ہیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ایک شخص کسی اجنبی شخص سے قوی تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ پہلے اُس اجنبی شخص کی صفات سے واقفیت حاصل کرتا ہے اس کے بعد اُس شخص اجنبی کو اُن صفات کے ساتھ پہچانتا ہے جب اس نوع کا تعارف ہو جاتا ہے تو اُس اجنبی کی ذات سے گویا کہ برقی

طور پر ایک انس و محبت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ کا عرفان حاصل ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ سے خود بخود تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے اسماء وصفات کے جاننے والے کو عارف کہتے ہیں اور عارف ذات کو موحد کہتے ہیں۔ موحد کا مرتبہ عارف کے مرتبہ سے بلند تر ہے۔

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ:۔ تنبیہہ نفس کے لئے علم و عقل کی بھی ضرورت ہے۔ صرف مجاہدہ سے کام نہیں چلتا۔ نفس کی مکاریوں کا پہچاننا بہت دشوار ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی پہاڑ کی غار میں بغرض خلوت بیٹھے تھے۔ نفس نے خواہش کی کہ فلاں محاذ پر جہاد کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ جہاد کے لئے چلنا چاہئے۔ یہاں کے بیٹھنے سے جہاد میں شرکت بہتر ہوگی۔ حضرتؒ نبّاض حقیقت تھے۔ سمجھ گئے کہ نفس کمبخت اس وقت نیکی کے پیرائیہ میں دھوکہ دے کر خلوت سے باہر کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ آپ نے نفس کا کہنا نہ مانا اور نہ اُٹھے اس وقت بذریعہ الہام آپ کو بشارت دی گئی کہ تمہاری تشخیص نہایت صحیح ہے اس سلسلے میں ایک اور قصہ یاد آیا۔ کسی زمانے میں ایک شہر کے قریب کوہ لبنان پر کسی غار میں ایک بزرگ رہا کرتے تھے۔ جو سال میں ایک بار غار سے باہر نکلا کرتے تھے۔ اتفاقاً کسی مقام سے ایک لڑکے کو اُس کے ماں باپ نے لکھنے پڑھنے میں بدشوقی کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ بھی اس شہر میں آگیا دیکھا کہ لوگ کہیں جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ لڑکے نے دریافت کیا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اُن بزرگ کے غار سے برآمد ہونے کا وقت آگیا ہے اور یہ لوگ اُن سے دُعا کرانے جا رہے ہیں۔ لڑکا بھی اُن لوگوں کے ساتھ ہو لیا۔ وہ بزرگ وقت مقررہ پر غار سے نکلے اور سب کے لئے دُعا کر کے پھر غار میں چلے گئے۔ لوگ بھی سب واپس چلے گئے مگر وہ لڑکا

وہیں رہ گیا۔ شب میں لڑکے نے آواز دی کہ "اے بزرگ! میری خبر لو۔ میں تنہا ہوں"۔ جواب آیا کہ "ہٹ۔ ہم فقیر ہیں۔ ہم کو کسی سے کوئی سروکار نہیں"۔ لڑکے نے بڑھ کر کہا کہ یہ اخلاق محمدیؐ نہیں۔ فقیر کو اس فقرہ پر تنبیہہ ہوئی اور انہوں نے لڑکے کو اپنے پاس بلالیا۔ لڑکا اُن کے پاس رہنے لگا۔ اُن فقیر کی ناک میں ایک بتی اور آنکھ پر موم کی ٹکیہ رہتی تھی۔ لڑکے نے ایک روز بضد ہو کر ان دونوں چیزوں کی حقیقت دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ چالیس سال قبل اُن فقیر کے نفس نے خوشبو سونگھنے کی خواہش کی تھی تو سزائے نفس کے لئے انہوں نے غلاظت میں بتی لتھیڑ کر ناک میں رکھ لی اور آنکھ پر موم کی ٹکیہ رکھنے کی وجہ یہ بیان کی کہ چونکہ ایک آنکھ بینائی کے کام کے لئے کافی ہے دوسری آنکھ کو بیکار کیوں کام میں لایا جائے۔ لڑکے نے جواب دیا کہ ناک میں نجس اور غلیظ بتی رکھ کر تو آپ نے ساری عمر نجاست اور غلاظت میں بسر کی۔ اِس مدت کی تمام عبادات جن کے لئے طہارت شرط ہے ضائع ہوئیں اور آنکھ پر ٹکیہ رکھ کر آپ نے حق تعالیٰ کی صنعت و حکمت پر اعتراض کیا کہ اس نے ایک فضول و بیکار چیز بنادی۔ جس کے بغیر بھی کام چل سکتا تھا۔ یہ سُن کر درویش نے فوراً وہ بتی ناک سے نکال ڈالی اور ٹکیہ آنکھ سے اتار لی اور کہا کہ "شیطان نے ہماری چالیس سال کی ریاضت خاک میں ملا دی۔ اب نکلو علم حاصل کرو اور کسی سچے ہادی سے راہِ حقیقت سیکھو"۔ راہ حق پر سلامت روی سے چلنے کے لئے صحیح معلومات اور سچی رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔

**وسعتِ عقل:** ارشاد فرمایا کہ انسان میں ہر چیز محدود اور جلد تھک جانے والی ہوتی ہے بہ استثناء عقل و فہم و ادراک کے کہ یہ نسبتاً وسیع ہیں اور وسعت استعمال سے بجائے تھکنے کے زیادہ لذت اُٹھاتے ہیں۔ چلنے سے پیر، کام کرنے سے ہاتھ، دیکھنے سے آنکھ اور سننے سے کان تھک جایا کرتے ہیں اور

ان سب کے افعال محدود ہیں۔ مگر عقل بے شمار مضامین اور لاکھوں کتابوں کے مطالب کو محفوظ رکھتی ہے اور دور دراز مقامات تک اپنے خیالات کو دوڑا دیا کرتی ہے اور تھکتی نہیں بلکہ لُطف اٹھاتی ہے۔ حواس خمسہ میں کثیف ترین قوت لامسہ ہے۔ گو سارے جسم میں پھیلی ہوئی ہے مگر دیکھو! کس قدر محدود ہے۔ جب تک کوئی شے جسم سے مس نہ کرے احساس نہ ہوگا۔ قوت سامعہ میں اس سے زیادہ لطافت ہے۔ بمقابلہ جسم کے کان کتنی چھوٹی سی چیز ہے مگر اس کی رسائی کتنی دُور تک ہے۔ کتنی دور کی آواز سننے میں آجاتی ہے۔ قوت باصرہ میں اس سے بھی زیادہ لطافت ہے۔ آنکھ کان سے بھی چھوٹی چیز ہے مگر قوت باصرہ کی لطافت اسے کس قدر وسیع کر دیتی ہے کہ دور دور کی چیزیں یہ ذرا سی آنکھ دیکھ لیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ جسامت پر نہیں بلکہ لطافت کی زیادتی پر دائرہ عمل کی وسعت کا انحصار ہے۔ مگر عقل ان سب کے مقابلہ میں لامحدود ہے چونکہ اُس لامحدود کا اس میں ایک شائبہ ہے۔ اِس میں بھی یہ بات پیدا ہوگئی۔

## محدودیت عقل اہل دنیا:

ارشاد فرمایا کہ:۔ فرض کرو کہ کسی کے پاس اعلیٰ نسل کے نہایت شاندار اور تیز رو نفیس گھوڑوں کی جوڑی ہو جو فٹن اور لینڈو میں خوب جاتی ہو۔ اگر اس نفیس جوڑی کو کسی دھوبی یا گدھے والے کے حوالہ کر دیا جائے جو گدھے کا کام ان گھوڑوں سے لے یا گدھے کی گاڑی میں ان گھوڑوں کو جوت دیا جائے تو تم ہی سوچو کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ چند روز کے بعد وہ گھوڑے گدھوں کا کام دیتے دیتے خود مثل گدھوں کے ہو جائیں گے اور انہیں فٹن اور لینڈو میں چلانا چاہو گے تو ہرگز کام نہ دیں گے تاوقتیکہ چابک سوار یا گھوڑا پھرانے والے کے حوالے انہیں نہ کیا جائے اور وہ از سرِ نو ان گھوڑوں کو مصالحہ دے کر اور مہینوں پھیری پھیرا کر اصلی حالت پر انہیں نہ لے آوے یہی حال اہل دنیا کی عقل

کا ہے کہ انہیں راہِ راست یعنی راہ حق پر چلنے کی تعلیم دی جائے تو اُن کی عقل اُس تعلیم کو قبول نہیں کرتی اُن کی عقل کو روحانیت اور ملکوتیت اور حقانیت سے فطری تعلق تو ضرور ہے اور طبعاً اُن میں صحیح فہم وادراک کی صلاحیت بھی ہے مگر رنج و آلام وانکارِ دنیا کا بوجھ اُٹھاتے اٹھاتے وہ مثل لادو ٹٹو اور گدھے کے ہو گئی ہے اور اس کی اصلی اور فطری قابلیت اُس میں سے جاتی رہی ہے راہ راست پر چلنے اور صحیح ادراک کی قابلیت سے وہ محروم ہو گئی ہے ۔جب تک کسی چابک سوار راہِ حقیقت کے سپرد اسے نہ کیا جائے اور وہ ریاضت و مجاہدہ کے کٹ گھرے میں مقید نہ کی جائے اور تعلیم و تلقین کا مصالحہ اُسے نہ چٹایا جائے۔ اس وقت تک اُس میں وہ ملکوتی ادراک اور علوی خصلتیں پیدا نہ ہوں گی ۔جو فطرتاً اُس میں ودیعت کی گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل یورپ کے سامنے باوجود اس کے کہ اس زمانہ میں وہ عقل مندی میں مشہور ہیں اس راہ کی باتیں وہم وخیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ع رہِ دیوانگان عاقل چہ داند

یہاں "دیوانگان" سے مراد دیوانگان راہ حقیقت ہے اور "عاقل" سے مراد اہل دنیا ہیں جو صرف عقل دنیا رکھتے ہیں اور عقل دنیا نہایت محدود چیز ہے۔عقل دنیا ایک لونڈی ہے جو حواس خمسہ کے دروازہ کی بھیک پر اپنی بسر اوقات کرتی ہے۔مشاہدات و بدیہیات میں ہمیشہ مقید رہتی ہے اور اجنبی چیزوں سے اپنی اجنبیت قائم رکھتی ہے محسوسات سے بالاتر اُمور کے ادراک سے یہ عقل ہمیشہ عاجز رہتی ہے۔ دیکھو! انسانی تخیل بھی محسوسات پر مبنی ہوتا ہے ۔کسی بے دیکھی ہوئی چیز کا انسان تخیل کرتا ہے تو اُسے اُن ہی چیزوں پر قیاس کرتا ہے جن کو کہ وہ دیکھ چکا ہے ۔اس محدود عقل کے رکھنے والوں اور اس پر قناعت کر لینے والوں کے فہم وادراک میں انکشاف حقیقت کی راہیں کسی صورت سے نہیں آسکتیں تا وقتیکہ وہ اپنے تقیدات کو درہم

و برہم نہ کر ڈالیں۔

**فہم:** ارشاد فرمایا کہ:۔ علم کو سمجھ کر پڑھنا بہتر ہے۔ بہ نسبت طوطے کی طرح رٹ لینے کے۔ میاں جی لڑکے کو طوطے کی طرح قرآن حفظ کرا دیتے ہیں تو لڑکے کو قرآن حفظ تو ہو جاتا ہے مگر قرآن اُسے آتا نہیں۔ تصوف میں بھی توجہات اور اذکار و اشغال بغیر فہم کے مفید نہیں اس لئے توجہات و مشاغل کے ہمراہ حقائق معارف پر تقریریں از بس ضروری ہیں۔ خصوصًا آج کل کے انگریزی داں طبقہ کی ان تقریروں کے بغیر تسکین نہیں ہوتی۔ مگر اس زمانہ کے مشائخ میں یہ عمومًا مفقود ہے۔

**حواس ظاہر و باطنی:** ارشاد فرمایا[1] کہ:۔ اللہ تعالیٰ بہت لطیف ہے۔ جب تک طالب اپنی لطافت نہ بڑھائے گا۔ اُس میں حق تعالیٰ سے مناسبت نہ پیدا ہو سکے گی۔ لطافت جس قدر زیادہ بڑھے گی مناسبت بھی اُتنی ہی زیادہ ہوتی جائے گی اور لطافت کی کوئی انتہا نہیں۔ عروج کی کوئی حد نہیں۔ نزول کی البتہ حد ہے۔ نزول کی انتہائی حد جسم ہے۔ لیکن عروج میں ہمیشہ اور ہر مقام پر ترقی کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اُسی قدر ادراک میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ دیکھو! حواس خمسہ انسانی میں قوتِ لامسہ سب سے زیادہ کثیف ہے۔ چنانچہ کس قدر محدود ہے؟ ایک مخمل کا ٹکڑا پاس رکھا ہو جب تک اُسے مس نہ کرو گے اُس کی نرمی محسوس نہ کر سکو گے۔ قوت ذائقہ بھی اسی طرح محدود ہے۔ جب تک کسی چیز کو زبان پر نہ رکھو گے اُس کا ذائقہ نہ محسوس کر سکو گے قوت شامّہ میں کسی قدر وسعت ہے۔ اتنی دُور کی چیز کی خوشبو یا بدبو محسوس کر لیتے ہو۔ قوت سامعہ اُس سے بھی زیادہ وسیع ہے زیادہ دور کی آواز سُن لیتے ہو۔ قوت

---

[1] بمقام پٹنہ بانکی پور۔ ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

باصرہ میں اس سے بھی زیادہ وسعت ہے مطلع صاف ہو تو بلندی پر سے تم اتنی دور کی چیز دیکھ لوگے جتنی دور کی آواز تمہیں سنائی نہ دے گی۔ جس قوّت میں جس قدر لطافت بڑھتی جائے گی اتنی ہی اُس میں وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔

زبان میں مختلف ذائقوں کے ادراک کی جتنی قوتیں ہیں اتنی ہی روح میں بھی اُن کے قائم مقام مختلف صلاحیتیں ہیں۔ مٹھاس، کھٹاس، نمکینی اور گیہوں کی روٹی کا ذائقہ جو نہ کھٹا ہے نہ میٹھا بلکہ سوندھا ہے۔ یہ سب زبان کے ادراکات ہیں۔ مٹھاس کے قائم مقام روح میں ذوق وشوق ہے۔ بچوں کو مٹھائی سے طبعی رغبت ہوتی ہے۔ اسی طرح مبتدیوں کو ذوق وشوق کا فیضان کیا جاتا ہے۔ تاکہ آگے بڑھیں اور ترقی کریں، کھٹاس کے قائم مقام روح میں مسرت وخوشی ہے۔ ذرا آگے چل کر لڑکوں کو کھٹائی سے بھی رغبت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مبتدی ذرا آگے چل کر اپنی روح میں انبساط ومسرت پاتا ہے۔ نمک کے قائم مقام دلائل و براہین وانکشافات ہیں۔ انسان بچپن اور لڑکپن کی عمروں سے تجاوز کر جاتا ہے تو نمک سے اُسے رغبت ہوتی ہے اور نمکین غذا ہی اس کی سیری کا باعث ہوتی ہے گیہوں کی روٹی کا ذائقہ نہ کھٹا ہے نہ میٹھا، اس کے قائم مقام روح میں محویت اور محویت کا سوندھاپن ہے۔ یہ منتہیوں کی منزل ہے۔ یہاں پہنچ کر کشف بند ہو جاتا ہے اور محویت طاری رہتی ہے۔

**وہم ویقین:** بیداری میں انسان کے دسوں حواس کام کرتے رہتے ہیں یعنی پانچ ظاہری اور پانچ باطنی۔ لیکن نیند کی حالت میں حواس خمسہ ظاہری معطل ہو جاتے ہیں اور صرف حواس خمسہ باطنی ہی اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ مگر وہم دونوں صورتوں میں شریک کار رہتا ہے یہ وہم ہی ہے جو اعتبارات کا طلسم پیش نظر کرتا ہے اعتبارات وہم ہی سے قائم ہوتے ہیں۔ وہم کے دفع

ہوتے ہی اعتبارات کا طلسم بھی درہم وبرہم ہوجاتا ہے۔ وہم کے مقابلہ میں وہم کا قلع وقمع کرنے والی قوت یقین ہے قوت یقین وہم کو بالکل کچل ڈالتی ہے۔ وہم غائب اور یقین حاضر ہوگیا تو سالک کے لئے نیند اور بیداری کی حالتیں یکساں ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عارف باللہ کے خواب وبیداری کی حالت برابر ہوتی ہے۔

**مشاہدہ:** ارشاد فرمایا کہ:۔ اہل دنیا کے نزدیک مشاہدہ وہی ہے جو حواس خمسہ ظاہری محسوس کرسکیں۔ یہ حواس اشیائے کثیفہ ہی کو محسوس کرسکتے ہیں۔ دیکھو! ہوا میں ذراسی لطافت آگئی تو آنکھ اس کے دیکھنے سے قاصر ہوگئی۔ دنیا صرف کثافت ہی کے مجموعہ کا نام نہیں لطیف چیزیں بھی اپنا وجود رکھتی ہیں اور لطیف چیزوں کا بھی ادراک ہوا کرتا ہے صوفی لطیف چیزوں کے ادراک کو بھی مشاہدہ کہتے ہیں۔

اہل دنیا کا مشاہدۂ عینی عقل کے فتویٰ کے مقابلہ میں ہمیشہ ناقابل اعتماد ہوتا ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے کہ ستارہ آسمان میں ایک چھوٹا سا چمکتا ہوا نقطہ ہے مگر عقل کہتی ہے کہ ایسا نہیں بلکہ ستارہ ایک بہت بڑی چیز ہے جس کی وسعت کا برہنہ آنکھ سے نہیں بلکہ دوربین سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ عقل کے اس فیصلہ کو ماننا پڑتا ہے مبتدی کو بھی حق تعالیٰ پہلے ستارہ کی طرح چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے مگر قدسی دوربین سے عالم قدس کی سیر کرنے والے کہتے ہیں کہ نہیں! ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ لامحدود ہے لامتناہی ہے۔ پس تمہیں ان کی بات ماننا پڑے گی۔ اول تو خدا کے وجود ہی میں لوگوں کو شبہ ہوتا ہے۔ ماسوائے میں انہماک اس شبہ کا باعث ہوا کرتا ہے موت کو بھی لوگ یقینی جانتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے جب انہیں موت کا خیال آتا ہے تو درمیان میں شک کا ایک پردہ حائل ہوجاتا ہے اور موت باوجود یقینی ہونے کے اُن لوگوں کو وہمی معلوم ہونے لگتی ہے اللہ کا وجود اور موت دونوں یقینی ہیں اور باوجود یقینی ہونے کے کیسے تماشے کی بات ہے کہ عوام کے لئے دونوں پر شک کے

پردے پڑے ہوئے ہیں۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :۔ آنکھ کتنی چھوٹی سی چیز ہے۔ پھر پتلی اس سے بھی زیادہ چھوٹی ہے۔ مگر نظر کس قدر وسیع ہے۔ محدود میں لامحدود کا تماشہ کس قدر عجیب ہے۔ دوربین لگا لینے سے نظر اور بھی وسیع ہو جاتی ہے۔ کیا آنکھ دیکھتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو شب کی تاریکی میں کیوں نہیں دیکھتی؟ آفتاب کی روشنی اُسے دکھلاتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ آنکھ کی پُتلی میں نقص نہ ہو۔ آنکھ کا ڈھیلا ٹیڑھا نہ ہو۔ اِسی طرح چشمِ قلب درست ہو تو آفتاب الٰہی کے فیضان سے سیرِ حقیقت ہوتی ہے اور دوربین قدس سے بہت دور دور کی اور بہت باریک باریک چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔ چشمِ دل میں خیال کی پُتلی سے سیر شروع ہوتی ہے اور آفتاب الٰہی کی روشنی میں دوربین قدس سے دور دور تک حقائق و معارف کا معائنہ ہوتا ہے۔

# نسبت

**نسبت مع اللہ :** ارشاد فرمایا کہ :۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ امیر آدمی کے بیٹے کی بھی ہر جگہ عزت ہوتی ہے۔ خواہ اُسے اپنے باپ کی دولت میں سے ابھی تک کوئی حصہ نہ ملا ہو اور ذاتی طور پر وہ بالکل مفلس اور غریب ہی کیوں نہ ہو۔ صرف باپ سے نسبت کا ہونا لوگوں کی نگاہ میں بیٹے کو وقیع بنا دینے کے لئے کافی ہے اسی طرح بھلا خیال تو کرو کہ جو حق تعالیٰ سے ایک نسبت پیدا کرے گا۔ خواہ وہ محض نام لینے ہی کی نسبت کیوں نہ ہو کتنی بڑی بات ہو گی تم نے لوگوں کو اُمراء کے پاس جا کر یہ کہتے سُنا ہو گا کہ ہم بھی آپ کا نام لینے والے ہیں نام لینے کی نسبت بھی بڑی چیز ہے۔

ارشاد فرمایا کہ:- جس طرح انسان انتہائی غمگینی کی حالت میں چلتا پھرتا بھی ہے اور کھاتا پیتا بھی ہے لوگوں سے بھی باتیں کرتا ہے۔ اپنے کام کاج میں بھی لگا رہتا ہے مگر باوجود ان جملہ مصروفیات کے اس کے حزن و ملال میں کسی حالت میں کمی نہیں واقع ہوتی۔ اس کا دل کسی بات سے نہیں بہلتا۔ رنج و غم اس پر ہر وقت مسلط رہتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ بوجہ اپنی بشریت کے کاروبار دنیا میں مصروف رہتے ہیں مگر یہ مصروفیت انہیں کسی پل اور کسی لمحہ حق تعالیٰ سے غافل نہیں ہونے دیتی اور بجز ذکر محبوب حقیقی کے اُن کا دل کسی کام میں نہیں لگتا۔ محبت الٰہی کا درد ان کے دل میں ہر وقت اور ہر حالت میں سوز و گداز پیدا کرتا رہتا ہے۔

**اختلاف نسبت:** ایک موقعہ پر حضرت پٹنہ تشریف لے گئے[۱]۔ وہاں ایک روز چند مریدین کے ہمراہ دریا کے کنارے پیر جگجوت رح کے مزار پر جاکر درمیان عصر و مغرب متوجہ ہوئے یہ بزرگ سہروردیہ سلسلہ کے اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ بلخ کے بادشاہ تھے۔ جذبہ حق طاری ہوا تو سلطنت چھوڑ چھاڑ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سترہ برس تک حاضر خدمت رہ کر خلافت و اجازت حاصل کی اور اپنے شیخ کے حکم سے ہندوستان کے مشرقی حصہ میں رونق افروز ہوئے اور خلق اللہ کو آپ سے بڑا فیض پہنچا۔ اسلام کو آپ نے اُس نواح میں بہت چمکایا۔ مزار آپ کا پٹنہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ اپنے شیخ کے ہم نام تھے۔ یعنی اسم مبارک آپ کا بھی شہاب الدین تھا۔ لیکن چونکہ آپ کی ذات سے اُس نواح میں اسلام کا نام بہت روشن ہوا وہاں کے لوگ آپ کو پیر جگجوت کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت نے مزار مقدس پر متوجہ ہونے کے بعد اپنے مریدین کو مخاطب کر کے

---

[۱] ماہ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ۔

حسب ذیل تقریر فرمائی۔

جو فیضان اِس وقت تم لوگوں کو ہوا ہے اس کا اثر لاکھوں کروڑوں برس تک تمہارے ساتھ رہنے والا ہے۔ اِس وقت یہ بزرگ وہاں بھی تھے اور یہاں بھی مثل آفتاب کے کہ وہ آسمان پر بھی ہوتا ہے اور زمین پر بھی۔ آفتاب کی شعاعیں اگر غلاظت پر بھی پڑیں تو اس غلاظت کا آفتاب کی طہارت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اس وقت نسبت سہروردیہ کا تمہیں فیضان ہوا ہے نسبت سہروردیہ میں محویت کا سوندھا پن زیادہ ہوتا ہے نسبت قادریہ میں انوار وانکشافات کی زیادتی ہوتی ہے نسبت نقشبندیہ میں حزن کی ملاحت بہت ہے۔ اور نسبت چشتیہ میں ذوق و شوق کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے۔

ایک موقعہ پر کسی مرید نے حضرت سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے آستانہ پر بڑی رونق رہتی ہے۔ زائرین کی کثرت اور خلقت کے اژدہام سے بڑی چہل پہل نظر آتی ہے حالانکہ اُن کے دادا پیر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے آستانہ پر لوگ کم جاتے ہیں اور وہاں نسبتاً سناٹا سا رہتا ہے۔ حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ :۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ کے مزار پر شان محبوبیت برستی ہے اور وہاں خلقت کی کشش زیادہ ہوتی ہے ہر آنے جانے والے پر فوراً توجہ مبذول فرمائی جاتی ہے۔ برعکس اس کے حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہید محبت ہیں۔ وہاں محویتِ عشق الٰہی اور ذات حق میں استغراق کا غلبہ ہے۔ اس لئے غیر اللہ کی جانب حضرت بہت کم التفات فرماتے ہیں۔ حال ہی میں مجھے بھی ایک موقعہ پر اپنے چند مریدین کے ساتھ حاضر آستانہ قطب صاحبؒ ہونے کا اتفاق ہوا تھا جب میں نے مراقبہ کیا تو بدیر شیخ کو اپنی اور مریدین کی جانب متوجہ کر سکا۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ

**نسبت چشتیہ :** سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے سلسلہ اور دوسرے سلسلوں میں کیا فرق ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ جنگل کے صاف کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص کے ہاتھ میں کلہاڑی دے دی جائے اور وہ ایک طرف سے درختوں کو کاٹنا شروع کر دے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن جنگل صاف ہو جائے گا۔ مگر اس میں دیر بہت لگے گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف سے جنگل میں آگ لگا دی جائے۔ یہ آگ جنگل کو صاف کر دے گی اور ذرا سی دیر میں تمام خس و خاشاک کو سوخت کر دے گی۔ ہمارے سلسلہ (یعنی طریق چشتیہ) میں ابتدا ہی سے عشق کی آگ لگا دی جاتی ہے اور کامیابی جلد ہوتی ہے۔ برعکس دوسرے سلسلوں کے جن میں پہلے مناسبت پیدا کی جاتی ہے اور بعد میں عشق کی چنگاری لگائی جاتی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ جس قدر طُرق قرب الی اللہ حاصل کرنے کے ہیں اُن میں سب سے زیادہ مؤثر اور سب سے جلد مقصد تک پہنچانے والا طریقہ چشتیہ ہے اور طُرق میں سالک کو منزل بمنزل آگے لے جاتے ہیں۔ مگر حضرات چشتیہ نے بذریعہ کشف دریافت کیا ہے کہ کامیابی سب سے جلد عشق کی راہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر حضرات چشتیہ منزل عشق ہی سے سالک کی تعلیم شروع کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس راہ سے طالب اللہ کو کامیابی جلد ہوتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کو بشارت ہو جو اس سلسلے میں داخل ہوتے ہیں کیوں کہ جب مطلوب سے رابطہ عشق پیدا ہو جاتا ہے تو جملہ منازل خود بخود طے ہو جاتے ہیں غور کرو کہ جب کسی معشوق مجازی سے عشق ہو جاتا ہے تو اُس سے تعارف پیدا کرنے کی راہیں خود بخود کھُل جاتی ہیں۔ بھلا ایسی بڑی سرکار سے محبت کا تعلق پیدا ہو اور درمیانی

موانعات مرتفع نہ ہوں۔ محبت کرنے والے کی جانب تو حق تعالیٰ خود ہی عنایت خاص کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے۔

حضرات چشتیہ میں ذوق وشوق کے غلبہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حضرت اقدس نے ایک روز حسب ذیل تقریر فرمائی۔

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ تطوع کہتے ہیں رغبت اور ذوق وشوق سے اطاعت کرنے کو۔ چنانچہ ہابیل وقابیل کے قصہ میں آیا ہے فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ یعنی رغبت کی اُس نے اپنے بھائی کے قتل پر۔ یہاں بھی یہ لفظ رغبت سے کسی فعل کے کرنے کے معنی میں آیا ہے دیکھو! مقامات چشتیہ کے اعلیٰ ہونے کی سند قرآن شریف سے نکل آئی۔ خوشی سے طاعت کرنے والے کا اللہ تعالیٰ شکر گزار رہتا ہے اور وہ طاعت کرنے والے اُس کی نظروں میں ہوتے ہیں۔ اظہار شکر گزاری کے بعد یہ فرمانا کہ تمہاری یہ بات ہماری نظر میں ہے یا ہمیں اس کا علم ہے۔ کتنی بڑی بات ہے طاعت بلا عشق اور عشق بلا طاعت بیکار ہے۔ طاعت میں رغبت اور ذوق وشوق کی چاشنی جس قدر زیادہ ہوگی اُتنی ہی مقبولیت میں بھی وہ طاعت بڑھی ہوئی ہوگی۔ ایک مزدور آکر تمہارا کام کر جاتا ہے اور اپنی مزدوری لے کر چلا جاتا ہے۔ اُس کی خدمت تمہاری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی یہ خدمت اُس نے تمہاری عظمت یا تمہاری خیر خواہی یا تم سے اُلفت کی بناء پر نہیں کی۔ بلکہ اپنی مزدوری کی خاطر یا اپنے کسی فائدہ کی لالچ میں اس نے تمہارا ایک کام کر دیا۔ اُس کا یہ فعل تمہاری خوشنودی یا شکر گزاری کا محل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تمہارا ملازم تمہاری خدمت کرتا ہے اور اپنی تنخواہ سے غرض رکھتا ہے۔ ملازم کی خدمات پر بھی تمہیں شکر گزار ہونے کا کوئی موقع نہیں مگر ایک شخص ہے کہ تم سے بلا وجہ محبت رکھتا ہے اور جذبات الفت سے متاثر

ہو کر تمہاری خدمت کرتا ہے نہ اُسے تنخواہ یا مزدوری کی طلب ہے نہ اور کسی قسم کے معاوضہ کی خواہش صرف تمہاری ہی خوشنودیٔ مزاج کا وہ خواہاں ہے۔ اُس کی خدمات کا تم پر کتنا اچھا اثر پڑے گا؟ اُس کی جاں نثاریاں اور خدمت گزاریاں تمہارے دل میں شکر گزاری کے خیالات پیدا کریں گی اور اُس کی فدائیت کی ادائیں تمہاری نگاہوں میں پھرتی رہیں گی۔ حضرات چشتیہ کی نسبت عشقیہ چونکہ قوی ہوتی ہے اُن کی طاعت بھی حق تعالیٰ کی نگاہ میں زیادہ مقبول ہوتی ہے علاوہ ازیں ذوق وشوق کے گھوڑے پر سوار ہو کر راستہ بھی جلد طے ہوتا ہے۔

# تزکیہ و تصفیہ

**ضرورت طہارت:** ارشاد فرمایا کہ:۔ تم کسی معزز رئیس کو مہمان بلاؤ مگر گھر تمہارا میلا کچیلا ہو اور وہاں تم نے لچوں شہدوں کو اکٹھا کر رکھا ہو اور گھر میں قدم رکھنے تک کی جگہ نہ ہو۔ تو وہ رئیس آ کر کس قدر ناخوش ہوگا اور سمجھے گا کہ تم نے ایسی حالت میں اُسے اپنے گھر بلا کر ذلیل کیا ہے اب تم اپنے قلب پر نظر ڈالو کہ خواہشات نفس اور ہوا و ہوس کا گہوارہ بنا ہوا ہے اور غصہ کا راون اور حُب دنیا کی سیتا اُس میں بسے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں خدا کو طلب کرنا کس قدر گستاخی ہے؟ ؎

پاک کن آئینۂ دل از غبار　　تا نماید جلوۂ دیدار یار
صد ہوس داری تو در دل بوالفضول　　کے کند نور خدا در دل نزول

جس قدر قلب ان رذائل سے پاک وصاف ہوگا اُسی قدر انوار وبرکات الٰہی کا فیضان اُس میں ہوگا۔ ایسے ہی پاک صاف قلب کی بابت حدیث شریف

میں آیا ہے کہ :۔ قلب المؤمن عرش اللہ تعالیٰ ۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ کسی سے قربت یوں حاصل ہوتی ہے کہ پہلے شناسائی ہوتی ہے پھر سلسلۂ کلام شروع ہوتا ہے۔ جب کوئی کسی سے باتیں کرتا ہے تو پہلے اپنے ذہن کو اس کی جانب منتقل کرتا ہے پھر اُس سے کلام کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کرے تو فرمایا کہ :۔ "اے موسیٰ! جاؤ غسل کر آؤ تو تم سے باتیں کریں"۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ "کاہے سے غسل کر کے آؤں؟" تو فرمایا کہ "روزہ سے غسل کر کے آؤ"۔ غسل کر کے گئے تو حکم ہوا کہ مسواک بھی کر لو۔ طہارت ظاہری کو طہارت باطنی میں بڑا دخل ہے اور روزہ میں چونکہ ترک خواہشات اور ترک ماسوائے کی چاشنی ہوتی ہے۔ اس لئے طہارت باطنی میں روزہ کو بھی بڑا دخل ہے۔

**اقسام نجاست:** نجاستیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری نجاست تو میل کچیل اور نجس چیزوں کے بدن اور کپڑوں میں لگ جانے کو کہتے ہیں۔ اُس کا علاج یہ ہے کہ پانی سے دھوکر صفائی حاصل کر لی جائے اور باطنی نجاست یہ ہے کہ خصائل ذمیمہ سے باطن خراب ہوگیا ہو۔ یہ ایک اضافی چیز ہے۔ مثلاً ایک شخص جو دنیا پر فریفتہ ہے اور جائز طریقہ سے دنیا کے حصول کی کوشش میں مصروف رہتا ہے بُرا ہے مگر اُس شخص سے بہتر ہے جو دنیا کو ناجائز طریقوں جیسے چوری، ڈاکہ، مکروفریب وغیرہ سے کماتا ہے اسی طرح سے ان خرابیوں میں کمی و بیشی ہوتی جاتی ہے اور بعض خرابیاں بعض کے مقابلہ میں کم ہوتی ہیں تو بعض کے مقابلہ میں زائد۔ اسی معنی میں نجاست باطنی ایک اضافی شئے ہے۔ بلکہ یہ سارا عالم ہی اضافات ہے۔ اس نجاست سے کُلّی طور پر پاک وہی ہوتا ہے جو اپنے باطن کو ماسوائے سے صاف کر لیتا ہے۔ ماسوائے میں انہماک خواہش

راحت اور آسائش جسم کے شوق سے شروع ہوتا ہے اور حُبِّ جاہ پر جاکر ختم ہوتا ہے۔ ان تمام خرابیوں کی بنیاد خیال ہے۔ انسان منتہائے مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں تک کہ خیالات کی حدود سے تجاوز نہ کر جائے۔ کیوں کہ اس کا مقصود اصلی وہ ہے جو "برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم" ہے اور جس کی ذات بے رنگ و بے کیف ہے۔

**صفائے صوفیان:** ارشاد فرمایا کہ:۔

صفائے صوفیان غافل چہ داند        رہِ دیوانگان عاقل چہ داند

اس شعر کا مطلب سمجھنے کے لئے "صفائے صوفیان" کی اصطلاح کے معنی کا جاننا ضروری ہے۔

**صفائے صوفیان** اُس وقتِ خوش کو کہتے ہیں جب کہ صوفیائے کرام پر علیٰ قدر مراتب یادِ باری تعالیٰ کا غلبہ ہوتا ہے اور ان پر تجلیاتِ الٰہی اور انکشافات حقائق کا ورود ہوتا ہے۔

صفائی وقت کی تین اقسام ہیں (۱) صفائی مبتدی (۲) صفائی متوسط (۳) صفائی منتہی۔ صفائی مبتدی اسے کہتے ہیں کہ طالب حق پر وقت خاص یا اوقات خاص میں یادِ باری تعالیٰ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دوسرے خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ اس مرتبہ کے صوفی کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔ ایسے وقت کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اسے کسی طرح ضائع نہ ہونے دینا چاہیئے کیونکہ بارگاہ صمدیت سے یہ کشش منجانب اللہ اس لئے ہوتی ہے کہ سالک کی مزید ترقیات کا باعث بنے۔ یہ حق تعالیٰ کی جانب سے ایک انعام ہے جو طالب کو یادِ حق کے صلہ میں عطا ہوتا ہے یہ اس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ کوئی بڑا شخص کسی چھوٹے شخص کو کچھ انعام دے اور

وہ چھوٹا شخص اُس انعام کی قدر نہ کرے اور اُسے ضائع کردے تو انعام دینے والا اِس ناقدری پر ناراض ہوتا ہے اور آئندہ کے لئے اُسے انعام دینا بند کردیتا ہے یہی معاملہ سالک کے ساتھ بھی پیش آتا ہے۔ اس لئے سالک کو چاہیئے کہ جب صفائی وقت وارد ہو تو ہر طرف سے اپنی طبیعت ہٹا کر فوراً اپنے حال ہی کی طرف متوجہ ہوجائے اور اسے ایک نازک مزاج مہمان سمجھ کر جب تک وہ رہے اُسی کا ہورہے۔ قاعدہ ہے کہ نازک مزاج مہمان ذراسی بے التفاتی سے روٹھ کر چلا جاتا ہے اور پھر ساری عمر واپس نہیں آتا چنانچہ صفائی وقت سے غفلت کرنے کا بھی یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ اُس نوع کی واردات کا ہونا عمر بھر کے لئے بند ہوجاتا ہے۔

صفائی متوسط میں سالک پر ایسے اوقات برابر آتے رہتے ہیں جن میں اُس پر ورود تجلیات ہوتا ہے اور صحیح کیفیات وحالات طاری ہوتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ کے صوفی کو مجذوب کہتے ہیں۔

صفائی منتہی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب صوفی واصلِ ذات ہوجاتا ہے اور اُسے اپنی سیر فی اللہ میں حق تعالیٰ کے ساتھ کوئی راز ونیاز پیش آتا ہے اس مرتبہ کے صوفی کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔

یاد رکھو کہ علم معرفت وہبی ہے۔ کسبی نہیں لیکن کسبی نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ انسان محنت ومجاہدہ اور باقاعدہ یادالٰہی میں مصروف ہونے سے مستغنی رہے۔ مجاہدہ اپنی ذات سے بہت ضروری چیز ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا مگر نرے مجاہدہ سے کام نہیں چلتا تاوقتیکہ فضل الٰہی اور رحمت حق شامل حال نہ ہو۔ ذاتِ حق تعالیٰ مجہول ہے اور تلاش مجہول میں کامیابی اور رابطہ بہ مجہول کا پیدا ہونا اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ رحمت حق پیش قدمی نہ کرے۔ منجانب

اللہ ہی علم معرفت کا انکشاف ہوتا ہے۔

اس وقت مجھے ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی۔کسی بزرگ کے مزار پر ایک صوفی جاکر مراقب ہوئے۔صوفی نے مراقبہ میں دیکھا کہ ایک کبوتر آیا۔مزار شق ہوا اور وہ کبوتر مزار کے اندر داخل ہوا۔اس عجیب و غریب واقعہ کے متعلق استفسار کیا۔ارشاد ہوا کہ "یہ ہمارا صفائی وقت ہے جو اس شکل میں نمودار ہوا۔جب تم اتنی سی بات نہ سمجھ سکے تو ہمارے مزار پر تمہارا آنا فضول ہے۔جاؤ صفائی وقت کے حصول کی کوشش میں مصروف رہو۔ابھی تمہیں یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا کہ ان باتوں کو سمجھ سکو"۔

جو معاملہ کہ اُن صوفی کو اس مراقبہ میں پیش آیا اُس کے سمجھنے کے لئے اس بات کا ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ تخیل انسانی محسوساتِ انسانی میں مقید ہے جن اشیاء کو انسان محسوس کرتا ہے اُن ہی کی صورتیں اُس کے خیال میں چلتی پھرتی رہتی ہیں اور یہی نقشے تخیلِ روح میں ذخیرہ رہتے ہیں۔جب روح کو جسم کی قید سے آزادی نصیب ہوتی ہے تو محسوسات جسمانی کے جو نقشے روح کے حافظہ کے صندوق میں محفوظ تھے وہی سامنے متمثل ہو کر آتے جاتے ہیں عالمِ ارواح میں تخیلات انسانی بھی ان ہی صورِ محسوسہ میں متشکل ہو کر آتے ہیں جو روح کے خزانہ میں جمع ہوتی ہیں یہ بھی یاد رکھو کہ بوجۂ غلبہ ملکوتیت اہل اللہ کی ارواح کثیف و مکروہ صورتوں کا ذخیرہ اپنے ہمراہ لے کر نہیں جاتیں۔وہ طاہر اور طیب روحیں ہوتی ہیں اور طاہر و طیّب شکلیں ہی اپنے تخیل کے خزانہ میں رکھتی ہیں۔پس صفائی وقت چونکہ وقتِ خوش ہے عالم ارواح میں وہ بشکلِ خوش ہی متمثل ہو کر سامنے آسکتا ہے کبوتر ایک طاہر اور طیّب جانور ہے اور اِس پاکیزگی و طہارت ہی کی حیثیت سے اُس کی صورت اُن بزرگ کے تخیل میں محفوظ تھی اس لئے ان کے صفائی وقت کا کبوتر کی صورت میں متشکل

ہو کر سامنے آنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔

مصرعہ اولیٰ میں "غافل" سے اشارہ اُن لوگوں کی جانب ہے جو راہ حق سے ناواقف ہیں انہیں غافل اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے قلوب مثل صوفیائے کرام کے قلوب کے بیدار نہیں ہوتے صوفیائے کرام کے قلوب بیداری و خواب میں یکساں طور پر انوار و تجلیات الٰہی کا محل بنے رہتے ہیں جن پر ورودِ حال اور انکشاف حقائق کا ایک سلسلہ ہروقت جاری رہتا ہے۔ سالکین راہ حقیقت پر اُن کے دورِ ابتدائی میں بھی حالات کا ورود ہوتا رہتا ہے مگر بوجہ ادراک نہ ہونے کے اور بوجہ قلت فہم کے یہ باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں اور وہ شیخ کے محتاج ہوتے ہیں۔ تربیت شیخ کی برکت سے آگے چل کر وہ ان باتوں کو سمجھنے لگتے ہیں۔

**لطافت:** ارشاد فرمایا کہ :۔ خیال میں جس قدر کثافت آتی جائے گی انسان اسفل کی جانب گرتا جائے گا اور جس قدر لطافت پیدا ہوتی جائے گی۔ بلندی کی جانب ترقی کرے گا۔

لطافت میں قوت اور بوئے بقاء زیادہ ہے بہ نسبت کثافت کے۔ سونا اور لوہا تھوڑا تھوڑا سا لو اور زمین میں دفن کردو۔ پھر مدّت دراز کے بعد دونوں کو نکالو تو تم دیکھو گے کہ لوہا باوجود اپنی سختی اور قوت کے زنگ آلود اور ناقص ہو گیا اور سونا باوجود اپنی لطافت اور نزاکت کے اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ سونے میں چونکہ لطافت تھی اُس میں قیام اور بوئے بقا زیادہ پائی گئی۔ بہ نسبت لوہے کے جس میں کثافت تھی۔ بجلی کتنی لطیف چیز ہے مگر اُس کی قوت کتنی بڑھی ہوئی ہے۔

**خوشبو:** ایک روز ارشاد فرمایا کہ :۔ خوشبو دماغ کے لئے مقوی و مفرح ہے جو لوگ کھیل تماشوں سے تفریح حاصل کرتے ہیں۔ اُن کا فہم و ادراک کند اور وہمی ہو جاتا ہے۔ جو لوگ مناظر قدرت سے تفریح حاصل کرتے ہیں انکا فہم و ادراک

تیز اور اونچا ہو جاتا ہے جو لوگ خوشبو سے تفریح حاصل کرتے ہیں۔ ان کا فہم و ادراک تیز تر اور اعلیٰ تر ہوتا ہے زیادہ سونے سے طبیعت گھٹل ہو جاتی ہے اور عمر گھٹ جاتی ہے اور زیادہ بیدار رہنے سے طبیعت میں زیرکی، تیزی اور مستعدی پیدا ہوتی ہے۔ ایک حالت سونے کی ہوتی ہے۔ دوسری حالت بیداری کی ہوتی ہے لیکن ایک تیسری حالت بھی ہوتی ہے جو ان دونوں کے ماورائے ہے اور وہ ایک اونچے درجہ کی بیداری ہے جو اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ نیند اور بیداری کی حالت یکساں ہو جاوے۔ اس حالت میں نیند کے معنی صرف آرام جسمی کے ہوتے ہیں اور اُس نیند میں ہوش و حواس بجا اور برقرار رہتے ہیں۔ عوام کی نیند سے بھی ایک بدتر حالت ہے جسے بیہوشی کہتے ہیں۔ اس حالت میں غفلت اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ بے ہوش شخص کو ہلانے اور جھنجوڑنے سے بھی ہوش نہیں آتا۔

# منازل راہ

**منازل ابتدائی :** ارشاد فرمایا کہ :- حضرات صوفیہ کے نزدیک اس راہ میں مبتدی کے لئے چار منازل ہیں (۱) تزکیہ (۲) تصفیہ (۳) تجلیہ (۴) تخلیہ۔ ان چاروں منازل کے حصول کے چار طریقے یہ ہیں۔ پہلے مجاہدہ۔ پھر محاسبہ۔ پھر مکاشفہ۔ پھر معائنہ تزکیہ کہتے ہیں قلب کو ہوا و ہوس، شہوات اور لذات دنیا کی خواہشات سے پاک کرنے کو۔ یہ طہارت ریاضت و مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ جب سالک کو نفس پر یہ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے کہ خواہشات نفس اور لذات دنیا کے اُمور میں نفس کی اطاعت سے وہ آزاد ہو جاتا ہے تو اُس وقت اس کے لئے تصفیہ کی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ اس منزل میں یہ ہوتا ہے کہ سالک کو قلب سے خطرات و

وساوس دور کرنے کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے اُس کے لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ جس خیال کو جتنی دیر تک چاہے قائم رکھے اور جب چاہے اُسے ہٹا دے کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ دونوں منزلیں یعنی تزکیہ اور تصفیہ کی ایک ہی ساتھ طے ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد تجلیہ کی باری آتی ہے۔ اس منزل میں تجلیات الٰہی سے روح میں جلا زیادہ ہوتی ہے اور پاکیزگیٔ روح کی قوت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے ہم نشین یعنی جسم کو بھی اپنے ہی اوصاف سے متصف کرنا شروع کر دیتی ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ قوی ہم نشیں اپنے ضعیف ہم نشیں کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے جب روح کمزور ہوتی ہے تو جسم کی کثافت کا اثر اپنے میں پیدا کر لیتی ہے۔ لیکن جب تزکیہ و تصفیہ اور مجاہدہ و محاسبہ سے اپنے میں قوت اور مزید چمک پیدا کر لیتی ہے تو جسم کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کے بعد منزل تخلیہ ہے جس میں ماسوائے اللہ سے تخلیہ حاصل ہو جاتا ہے اور بجز ذات کے کچھ نہیں رہتا۔ بقیہ منزلیں جو اِن کے بعد کی ہیں عالم اسرار سے متعلق ہیں اور ان کی بابت کچھ نہیں بیان کیا جا سکتا۔

**حال و مقام:** ارشاد فرمایا کہ:۔ مقام حال سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ حال آتا ہے اور جاتا ہے مقام میں قیام ہوتا ہے۔ زنان مصر مقام تلوین میں تھیں اس وجہ سے یوسف کو دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے زلیخا بھی اُسی محفل میں تھی اور حُسنِ یوسف کی زیادہ میسر تھی۔ مگر یوسف علیہ السلام کو کثرت سے دیکھتے دیکھتے مقام تمکین میں پہنچ گئی تھی۔ اس لئے اپنی سہیلیوں کی طرح بے ہوش نہ ہوئی اور باوجود بباطن متاثر ہونے کے بلکہ متاثر رہنے کے بظاہر متغیر نہ ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ مقام تلوین میں تھے تجلی ربانی کے متحمل نہ ہو سکے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک اسمائے وجوبی اور اسمائے امکانی سب حق تعالیٰ ہی کے

نام ہیں کیونکہ وہی اُن اوصاف کا مالک ہے۔ تمہارے پاس کوئی اشرفیوں کے بھرے ہوئے صندوق امانتاً چھوڑ جائے تو کیا تم اپنے آپ کو امیر سمجھنے لگو گے۔ تمہارے پاس جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تمہارا کچھ نہیں۔ تمہیں یہ سب کچھ صرف عاریتاً ملا ہے۔ جب اُس نے اپنا دیا ہوا واپس لے لیا تو نہ تم رہے نہ تمہاری کوئی چیز تمام جہان میں جو کچھ ہے سب اُسی کا ہے اور تمام جہان کو ہر آن فنا ہے اور ہر آن بقاء تیزی تسلسل کی وجہ سے فناء اور بقاء کے اس دور کا پتہ نہیں چلتا۔ اسے کمون و بروز کہتے ہیں۔ جس طرح کوئی لٹو کا کسی رسّی میں ایک شعلہ باندھ کر گھماتا ہے تو ہزاروں چکر بندھتے چلے جاتے ہیں۔ بظاہر وہ ہزاروں دائرے معلوم ہوتے ہیں مگر فی الحقیقت ہوتا ایک ہی شعلہ ہے اس کے سوائے اور کچھ نہیں۔ جب شعلہ ہٹا لیا جاتا ہے تو کچھ بھی نہیں رہتا۔ شعلہ کا متحرک ہونا ہی وحدت فی الکثرت ہے عالم میں جو کچھ ہے وہ خواہ اسمائے وجوبی کے تحت میں ہو خواہ اسمائے امکانی کے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے بطور عاریت کے ہے۔ جس وقت اُس نے نظر ہٹالی سب کچھ نیست ہو جائے گا۔ شجر موسیٰ سے اِنِّیٓ اَنَا اللّٰہُ کی جو آواز نکلی تھی وہ اللہ کے طرف سے تھی۔ درخت کی طرف سے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے درخت میں تجلّی فرمائی۔ وہ جس چیز میں چاہے تجلّی فرمائے۔ اُسے ہر چیز پر قدرت ہے جیسے تمہارے پاس بہت سے کپڑے ہوں اور تم جس وقت جن کپڑوں کو چاہو پہن کر نکلو تمہارا کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ ایسے ہی سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ جس وقت جس چیز میں چاہے متجلی ہو سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ تجلّی ہوئی۔ تو انہوں نے فوراً ہی رَبِّ اَرِنِیٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کا سوال کر دیا۔ یہ سوال بہت بڑا تھا اور اس کا ابھی وقت نہ آیا تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مقام تلوین میں تھے چنانچہ جواب میں اُنہیں لَنْ تَرٰنِیْ سننا پڑا۔ تم کسی بڑے شخص کے پاس جاؤ اور اُس کی مہربانیاں

پورے طور پر ابھی شروع بھی نہ ہونے پائی ہوں کہ اپنے منہ سے تم کوئی بڑی چیز اس سے مانگ بیٹھو تو نتیجہ یہی ہوگا۔ برعکس اس کے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے منہ سے اس قسم کا کوئی سوال نہ کیا بلکہ جب کہا یہی کہا کہ ماعرفناك حق معرفتك تو بِن مانگے ان کو جو مقامات عالیہ نصیب ہوئے وہ اظہر من الشمس ہیں۔

**قبض وبسط:** ارشاد فرمایا کہ :۔ قبض کہتے ہیں وارداتِ قلبی کے بند ہوجانے کو۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ کہ جب واردات قلبی کے بند ہونے سے سالک کو ملال ہو چونکہ اس ملال کا ہونا بھی ایک کیفیت ہے اس قسم کا قبض سالک کے لئے مفید ہے دوسری قسم قبض کی وہ ہے جب واردات قلبی کے بند ہونے کا سالک کو ملال نہ ہو اور اُس کے دل میں اِن باتوں کی طرف سے لاپرواہی پائی جائے۔ یہ قسم سالک کے لئے مُضر ہے۔

اِسی طرح سے بسط بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک مضر۔ دوسرا مفید۔ کسی درمیانی منزل کی دلچسپی سالک کی دل بستگی کا باعث ہو اور وہ اُسے اُسی درمیانی منزل میں روک لے اور آگے نہ بڑھنے دے تو یہ مُضر قسم کا بسط ہے مگر جب درمیانی منازل کی دلچسپیاں دل میں اور آگے بڑھنے کے اُمنگیں پیدا کریں اور اعلیٰ تر منازل کی زیادہ دلفریب دلچسپیاں دیکھنے کا اشتیاق دِل میں بھڑکائیں تو یہ مفید قسم کا بسط ہے۔

**اجتبائیت:** ارشاد فرمایا کہ :۔ جس طرح سلاطین مجازی اپنی رعایا اور اپنے ملازمین کی کارکردگی اور حُسنِ خدمات کے صلہ میں اُنہیں انعام واکرام دیتے ہیں، خطابات عطا کرتے ہیں مناصب جلیلہ پر اُنہیں فائز کرتے ہیں اور یہ الطاف شاہانہ اُن کی ازدیادِ عزت اور ترقی وجاہت کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح بارگاہ قدس سے بھی حق تعالیٰ کی جانب سے اُس کے بندگان خاص کو مراتب بلند اور مناصب جلیلہ مرحمت فرمائے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس دنیا کے سلاطین مجازی کے

انعامات عارضی اور چند روزہ ہوتے ہیں اور بارگاہ قدس کے انعامات دائمی اور ابدی ہوتے ہیں۔ منجملہ اِن مراتبِ الٰہیہ کے ایک مرتبہ ہے اجتبائیت کا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت خود ارشاد ہوتا ہے۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی ہم نے پاک کر دیا حضرت ابراہیمؑ کو اور رہنمائی کر دی اُن کی طرف صراط مستقیم کے۔ دیکھو! کس صلہ میں یہ پاکیزگی انہیں مرحمت ہوئی۔ صرف اس فدائیت کے صلہ میں کہ حصول خوشنودئ حق تعالیٰ کی غرض سے اپنی اولاد جیسی پیاری چیز کے گلے پر چھری پھیرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو گئے۔ بلکہ اپنی طرف سے تو پھیر ہی دی۔ یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے انسان اس واقعہ پر غور و خوض کرے تو حق تعالیٰ کا مزاج شناس ہو سکتا ہے وہاں امتحان سخت لیا جاتا ہے۔ مگر نیت خالص کا ہونا اور فعل عبد سے بوئے محبت کا آنا نوازشات الٰہی کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام فدائیت کی اس ادا سے اتنے برگزیدہ ہو گئے اور اس درجہ نوازے گئے کہ تمام نسل انبیاء علیہم السلام کے جد بنائے گئے۔ حتی کہ تاج الانبیاء ختم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔

اجتبائیت کہتے ہیں معاصی سے پاکیزگی کو۔ یہ مقام علاوہ انبیاء علیہم السلام کے صوفیائے کرام کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اسی کی بابت ارشاد ہوتا ہے کہ اَللّٰهُ يَجْتَبِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ

اس مقام کے حصول سے بندہ خطرات معصیت سے بھی امن میں ہو جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :- واضح ہو کہ مقام لاہوت

**لاہوت - باہوت - ہاہوت :** سے اوپر بھی چند مقامات ہیں۔ مثلاً باہوت اور ہاہوت مقام لاہوت مظاہر اسماء و صفات کو کہتے ہیں اور باہوت و ہاہوت میں پہنچ کر صوفی واصل ذات ہو جاتا ہے شناخت ان دونوں اقسام کے صوفیا کی

یہ ہے کہ مقام لاہوت کے صوفی سے خرق عادات اور کشف وکرامات کا اظہار بکثرت ہوتا ہے کیوں کہ کشف وکرامات کا تعلق اسماء وصفات ہی سے ہے مقامات باہوت وہاہوت کے صوفی چونکہ واصل ذات ہوتے ہیں اس لئے اُن سے کشف وکرامات وخوارق کا اظہار بہت کم ہوتا ہے۔ اِلّا بضرورتِ شدید۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات واصل ذات ہوتے ہیں اور ذات میں بے نیازی اور استغنأ ہے۔ بوجہ واصل ذات ہونے کے ذات کی بے نیازی اور استغناء کا پرتو اِن حضرات پر بھی پڑتا ہے اور یہ اظہار خوارق کی جانب متوجہ ہی نہیں ہوتے۔

صاحب ماقیماں "شیخ واصلی خراسانی" نہایت برگزیدہ شخص تھے۔ چنانچہ "ماقیماں" میں انھوں نے خود اپنا مقام لاہوت بتلایا ہے ؎

مرغ شاخِ درخت لاہوتیم　　　گوہر درج گنج اسراریم

معلوم ہوا کہ صاحبِ "ماقیماں" واصل ذات نہ تھے۔ صرف مستِ جلوۂ مظاہر اسماء وصفات تھے چنانچہ انہوں نے اپنے اس مقام کو آخر کتاب کے ایک بند میں صاف کر دیا ہے کہ ؎

قرب اوراوصال می گویند　　　وصل اورامحال می گویند

**شکر**: ارشاد فرمایا کہ :۔ شکرِ حقیقی اُس کیفیت رُوحانی کا نام ہے جس سے روح نعمات الٰہی پر مسرت حاصل کرتی ہے اور رجوع الی اللہ میں زیادتی محسوس کرتی ہے شکر حقیقی سے روح میں یہ مناسبت اذکار واشغال کی برکت سے پیدا ہوتی ہے۔

**توکل**: ارشاد فرمایا کہ :۔ توکل صرف حق پر نگاہ رکھنے کو کہتے ہیں۔ بغداد میں ایک بزرگ تھے جن کی ہر دلعزیزی لوگوں میں بہت بڑھتی جاتی تھی۔ حاسدوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ یہ شخص اپنی ایک جماعت تیار کر رہا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ جماعت کو قوی کر کے ملک میں بغاوت کھڑی کر دے اور خود تخت

پر قابض ہو جائے۔ بادشاہ کانوں کا کچّا تھا جیسا کہ اکثر بادشاہ ہوتے ہیں تفتیش و تحقیقات کے بغیر برہم ہو گیا اور حکم دیا کہ زنجیروں میں جکڑ کر دربار میں لایا جائے اور بر سرِ دربار اُسے قتل کیا جائے چنانچہ شاہی سپاہ طوق و زنجیر لے کر گرفتار کرنے پہنچے تو وہ بزرگ اُس وقت اپنے حجرہ میں مشغول تھے۔ مُریدوں نے اُن سپاہ سے کہا۔" اگر گرفتار کرنا ہی ہے تو ذرا ٹھہر جاؤ۔ حضرت کو حجرہ سے باہر نکل لینے دو۔ ابھی تھوڑی دیر میں باہر تشریف لے آتے ہیں۔ ورنہ یاد رکھو کہ ابھی خون ریزی شروع ہو جائے گی کہ یوں بھی ہم لوگ حضرت کی شہادت کے بعد زندہ رہنا نہیں چاہتے۔" سپاہ رُک گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بزرگ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو بڑی خوشی سے اپنے ہاتھ سے طوق زنجیر پہن لیا اور یہ شعر پڑھا ے

اگر عزّ و جاہ است در ذلّ و قید　　　من از حق شناسم نہ از عمرو زید

پھر رقص کرنے لگے اور مُریدوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ" یہ زیور بھیجا ہے۔ یہ زیور پہنوا کر پاس بلایا ہے۔" غرض یہ کہ رقص کرتے ہوئے دربار میں پہنچے۔ رقص کرتے جاتے تھے اور جلاد سے کہتے جاتے تھے کہ :۔" جلدی کر اپنے کام میں جلدی کر اور مجھے میرے محبوب سے جلد ملا۔ اب تاب انتظار نہیں رہی۔" بادشاہ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ہوش اڑ گئے۔ دل میں کہنے لگا کہ" حکومت دنیا کی خواہش اور موت کی یہ تمنّا تو بالکل متضاد باتیں ہیں۔ یہ تو کوئی بڑے مرتبہ کا شخص ہے۔ مجھ سے چغل خوروں نے جھوٹ کہا۔ مجھے دھوکا دیا۔" اس خیال کے دل میں آتے ہی بادشاہ تخت سے فوراً اُترا۔ اپنے ہاتھ سے اُن بزرگ کی زنجیریں کھولیں۔ اُن سے معافی کا خواستگار ہوا۔ اور خزانہ سے اشرفیوں کا بھرا ہوا ایک طبق منگا کر بطور نذر کے پیش کیا اُن بزرگ نے اُس طبق کو بھی اُٹھا کر سر پر رکھ لیا اور رقص کرنے لگے اور اپنے مریدین کی طرف مخاطب ہو کر جو روتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے آئے تھے فرمانے

لگے کہ :۔ "دیکھا زنجیریں اس لئے بھیجی تھیں۔ زنجیروں میں جکڑ کر اس لئے بلایا تھا کہ یہ اشرفیاں دیں۔ میرے محبوب کی الو لوٹوں کو دیکھا؟" ذرا غور تو کرو کہ جب انسان اپنے ہر دینوی اور دینی معاملہ میں حق تعالیٰ پر اس طرح نگاہ رکھے تو اُس کی زندگی کتنی پُر لطف ہو جائے گی۔ نہ صرف یہ ہوگا کہ حسد و کینہ و بغض و عداوت کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ افکار و پریشانیاں بھی ساری کی ساری دور ہو جائیں گی۔

حیرت: ارشاد فرمایا کہ :۔ حیرت دو قسم کی ہوتی ہے۔ مذموم و محمود حیرتِ مذموم جہالت کا نتیجہ ہے۔ کسی دیہاتی گنوار کو کسی محل میں لے آؤ۔ وہ اُسے دیکھ کر مبہوت ہو جائے گا۔ یہ حیرت اُس کی اُس کے جہل کی وجہ سے ہے۔ اس قسم کی حیرت تنزل کی جانب لے جاتی ہے۔ حیرت محمود علم کا نتیجہ ہے۔ کسی انجنیئر کو شاہجہاں کی مسجد میں لے جاؤ۔ تعمیر کی خوبیوں کو دیکھ کر اُسے بھی حیرت ہوگی۔ مگر اس حیرت کی بنا اس کے علم پر ہوگی۔ فن معماری کی خوبیاں اُسے حیرت میں ڈالیں گی اور چوں کہ وہ خود اس فن سے واقف ہے مسجدِ شاہجہانی کا معائنہ اُس کی معلوماتِ فن میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ یہ حیرت محمود ہے اور اس قسم کی حیرت عروج کا باعث ہوتی ہے۔

عبدیت۔ قرب۔ اقربیت: ارشاد فرمایا کہ :۔ حقیقت عبدیت یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات ظاہری و باطنی کو رضائے الٰہی کے لئے قربان کر دے۔

اپنی ذات و صفات کو ذات و صفات حق تعالیٰ میں فنا کر دینے کا نام واصل حق ہو جانا ہے اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینے سے قرب نوافل کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ :۔ لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ واذا احبہ کنت لہٗ سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا۔

اپنی ذات کو ذات حق میں فنا کر دینے سے قرب فرائض کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

اقربیت قرب سے بڑھی ہوئی چیز ہے۔ جب دو چیزیں آپس میں ایک دوسرے سے قریب ہوتی ہیں تو اُن میں غیریت باقی رہتی ہے۔ جب یہ غیریت مٹ جاتی ہے تو اقربیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اقربیت میں دوئی نہیں رہتی۔ اس دوئی کا اُٹھ جانا مشاہدہ میں دشواری کا باعث ہوتا ہے دیکھو! آنکھ سب کچھ دیکھتی ہے مگر اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی۔ اپنے آپ کو دیکھنے کے لئے وہ ایک آئینہ کی محتاج ہے۔ ایک مصفّا آئینہ لاکر سامنے رکھ دو۔ وہ اپنے آپ کو دیکھنے لگے گی۔ حق تعالیٰ بھی اپنی شان میں فرماتا ہے کہ :۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ

اسی اقربیت کی بنا پر اُس کا مشاہدہ بھی ایک مُصفّا آئینہ قلب کا محتاج ہے۔

**پندِ سعدیؒ:** ارشاد فرمایا کہ :۔ شیخ سعدیؒ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے مُرید تھے۔ حضرت شیخ نے سعدی کو کیا اچھی نصیحت فرمائی جسے سعدی نے ایک رباعی میں نظم کر لیا ؎

مرا پیر دانائے مرشد شہاب | دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش | دوم آنکہ بر غیر بدبیں مباش

خود بینی اور پندار اس راہ میں سنکھیا ہے اور خود بینی ہی سے دوسروں کی بدبینی پیدا ہوتی ہے۔

**بعض اصطلاحات:** ارشاد فرمایا کہ : صوفیاء میں جو اصطلاحات مروج ہیں اُن میں سے ایک اصطلاح ہے **ہوش دردم** اس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت یادِ الٰہی میں مشغول ہو ہمت اور قوت ارادی سے خطرات و وساوس کی پاسبانی کرتے رہو۔ جو خطرہ قریب آوے اُسے نہایت درشتی سے ہٹا دو۔

**سفر در وطن** سے مراد یہ ہے کہ روح باوجود جسم میں مقید ہونے کے عالم ملکوت

کی سیر کرتی رہے۔

**نظر بر قدم** کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اظہار عجز و بندگی کے لئے انسان اپنی نگاہیں نیچی رکھتا ہے اور کسی معزز شخص کے سامنے آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا اسی طرح صوفی کو چاہیئے کہ عبدیت کے اظہار میں اس قدر غلو کرے کہ اپنی ہستی کو ذات حق میں فنا کر دے۔ ایسا کرنے سے بندہ واصل حق ہو جاتا ہے۔

**خلوت در انجمن** سے یہ مراد ہے کہ صوفی باوجود اس کے کہ دنیا میں لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور مشاغل دنیا کو بھی انجام دیتا ہے قلب کو اپنے ماسوائے اللہ سے خلوت میں رکھتا ہے اور دل سے یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ اُس کے دنیا کے مشاغل یاد الٰہی میں مانع نہیں ہوتے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

# توحید

**معنی کلمہ طیبہ**: ارشاد فرمایا کہ :۔ ایک مرتبہ میں نے گلبرگہ شریف میں حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر ایک عشرہ کیا۔ بعد اختتام عشرہ ایک کیفیت خاص میں مزار مقدس سے نکلا اور درگاہ کی مسجد میں بیٹھ کر سماع سنا۔ ایک نابینا مولوی صاحب نے اس پر بہت ناک بھوں چڑھائیں اور بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ اسی غصہ کی حالت میں وہ میرے پاس آئے۔ میں نے پوچھا "مولوی صاحب! لا الٰہ الا اللہ کے معنی تو مجھے ذرا سمجھا دیجیے"۔ انہوں نے وہی معنی بیان کئے جو عموماً علمائے ظواہر بیان کیا کرتے ہیں کہ :۔ "نہیں ہے کوئی لائق عبادت یعنی معبود بجز اللہ کے"۔ میں نے پوچھا "معبود کسے کہتے ہیں؟ اُس میں کیا کیا صفتیں ہونی چاہئیں؟" انہوں نے صفتیں بیان کرنی شروع کیں جس میں یہ بھی

کہاکہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں نے پوچھا کہ "صرف ذات ہی میں کوئی شریک نہیں یا صفات میں بھی" اُنہوں نے کہا کہ "نہ ذات میں کوئی شریک ہے نہ صفات میں"۔ میں نے کہا کہ "مگر صفت وجود میں تم اُس کا شریک دوسروں کو قرار دیتے ہو اور اگر نہیں قرار دیتے تو صوفیوں پر کیوں اعتراض کرتے ہو؟ صوفیائے کرام بھی تو یہی کہتے ہیں کہ لاموجود الاّ اللہ"۔ یہ سُن کر وہ مولوی صاحب چپکے سے چل دیئے۔

**فطرت انسانی میں وحدت ہے:** ارشاد فرمایا کہ بچوں سے شیرینی ترک کرانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ شیرینی بکثرت ان کے سامنے رکھ دی جائے۔ وہ اکتا کر ہاتھ کھینچ لیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ شیرینی ان سے ترک ہو جائے گی۔ اس ظاہری تجربہ میں ایک نکتہ مخفی ہے کہ روح انسانی کی فطرت میں وحدت ہے۔ وہ کثرت کی جانب کبھی راغب نہیں ہوتی۔

دنیا میں ہر چیز کی کثرت مضر ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ طبیعت بھی اُس سے اکتا جاتی ہے۔ اگر انسان ذرا غور کرے تو اس کو دنیا میں کبھی انہماک نہ پیدا ہو۔ مثلاً پُلاؤ یا کوئی اور ایک قسم کی غذا کے روزانہ کھانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دل اُس سے متنفر ہو جائے گا اور طبیعت اُس سے بھر جائے گی۔ اُس کی وجہ یہی ہے کہ روح کی فطرت کثرت کی جانب نہیں بلکہ اعتدال کی جانب ہے کثرت کے مُضر نتائج بھی اظہر من الشمس ہیں۔ مثلاً دیکھو! کثرت جماع کے مُضر نتائج ضعف اعضائے رئیسہ کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ بسیار خوری بدہضمی کا باعث ہوتی ہے بسیار خوابی ذہن کو کند اور طبیعت کو مُعطّل کرتی ہے۔ ہر چیز میں کثرت ہمیشہ خرابیوں کا باعث ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دنیا میں انہماک کیوں کر غیر مضر ثابت ہوگا؟

**موحد و عارف میں فرق:** ارشاد فرمایا کہ :۔ صفات باری تعالیٰ کے پہچاننے والے کو عارف کہتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے عارف کو موحد کہتے ہیں۔ پس موحد کا مرتبہ عارف کے مرتبہ سے بڑھا ہوا ہے۔ کشف و کرامات عارف کا کام ہے نہ کہ موحد کا۔ شیخ سعدیؒ اپنی "گلستاں" کو ذیل کی رباعی پر ختم کرتے ہیں ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش　　چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس　　ہمیں است بنیاد توحید بس

اس رباعی میں موحد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے نہ کہ عارف کا ذاتِ حق تعالیٰ کے عرفان کی ابتدا موحد ہونے سے شروع ہوتی ہے آگے چل کر اور بھی مدارج ہیں مگر اہل دنیا کی کوتاہی فہم اور عدم استعداد پر نظر ڈال کر سعدیؒ نے لفظ موحد ہی کے استعمال پر اکتفا کیا ہے۔

**احدیت اور واحدیت:** ارشاد فرمایا کہ :۔ لفظ "احدیت" کے ساتھ ہمیشہ "جناب" کے لفظ کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جناب احدیت سے اشارہ ذات حق تعالیٰ کی جانب ہوتا ہے اور جب لفظ واحدیت استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے صفات حق تعالیٰ کی جانب اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ اول الذکر سے مراد حلقہ ازلیت اور آخر الذکر سے مراد حلقۂ ابدیت ہے۔

**وحدت خیال:** ارشاد فرمایا کہ : حضرات صوفیہ کے نزدیک طالب کے لئے جو سب سے پہلی ضروری چیز ہے وہ وحدت خیال کی مشق ہے اس مشق کی ابتدا تصور شیخ سے ہوتی ہے۔ وحدت خیال میں پختگی حاصل ہونے کی علامت یہ ہوا کرتی ہے کہ طالب پر تصور شیخ کا غلبہ اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ اس تصور کے وقت اُس کو اپنی ہستی معدوم محسوس ہوتی ہے اور اس تصور کا طریقہ یہ ہے کہ

پیشانی کا تصور کرتے ہیں تو پوری صورت تصور میں آجاتی ہے لیکن اس طریقہ کو اب صوفیہ نے ترک کر دیا ہے کیوں کہ ناواقف لوگ حقیقت کو فراموش کر کے اسی ابتدائی منزل میں رہ جاتے ہیں۔

**اسماء وصفات:** ارشاد فرمایا کہ:۔ جب کوئی شخص کسی بہت بڑے امیر سے ملنا چاہتا ہے تو پہلے وہ اُس کے محل کی ظاہری شان وشوکت سے متاثر ہوتا ہے آگے بڑھتا ہے، تو سنتری پہرے والے نقیب، چوبداروں پر نگاہ پڑتی ہے۔ محل کے اندر داخل ہوتا ہے تو اندرونی عمارات کی خاص خاص شانیں اُسے نظر آتی ہیں اور آگے بڑھتا ہے تو محل کی اندرونی آرائش، زیب وزینت، سازوسامان، پردوں، فرش فروش اور فرنیچر وغیرہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ ابھی تک اس محل والے امیر سے اُس کی ملاقات نہیں ہوئی۔ ان چیزوں کو اُس نے امیر سمجھ لیا تو اُس کی غلطی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بھی اسی طرح اسماء وصفات کے پردوں میں پوشیدہ ہے۔ یہ پردے تین قسم کے ہیں۔ جمالؔ کے۔ جلالؔ کے اور کمالؔ کے۔

جمال بظاہر ذات میں پیوست معلوم ہوتا ہے مگر دراصل ایسا نہیں۔ ایک حسین شخص کو سامنے لاؤ۔ وہ اچھا معلوم ہوگا۔ اُس کے حُسن کو نوچ گھسوٹ کر سامنے لاؤ۔ اُس سے نفرت پیدا ہوگی، مگر حُسن کے جاتے رہنے سے ذات میں فرق نہ آئے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حُسن ذات میں پیوست نہیں۔ جمال انسان کی منزل نہیں۔ کیونکہ طبیعت کچھ عرصہ حُسن سے مانوس رہنے کے بعد سیر ہوجاتی ہے اور اس منزل سے نکل جاتی ہے۔

اسی طرح جلال بھی انسان کی منزل نہیں۔ دیکھو! درندوں سے پہلے خوف معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب اُن سے سابقہ زیادہ پڑتا ہے اور طبیعت مانوس ہو

جاتی ہے تو خوف جاتا رہتا ہے۔

جمال اور جلال سے اقرب کمال کی منزل ہے بہ نسبت جمال و جلال کے کمال کو ذات سے زیادہ قرب ہے۔ اس سے انسان جلد سیر نہیں ہوتا۔ خصوصاً جب کمالاتِ لامتناہی لامحدود ہوں تو دیکھنے والے کے لئے کبھی ختم ہی نہیں ہوتے۔ جو صوفی جمال و جلال کی منزل میں ہیں اُن سے منزل کمال کا صوفی بڑھا ہوا ہے مگر ذات اس سے بھی ماوریٰ ہے۔

عوام جب اشیاء پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن اشیاء ہی کو دیکھتے ہیں۔ مگر حقیقت پر نظر رکھنے والا اُن میں کچھ اور ہی مشاہدہ کرتا ہے۔ ریت کے ذرّوں میں چمک دیکھ کر ناواقف شخص سمجھتا ہے کہ یہ چمک اِن ذرّوں ہی کی ہے مگر جو حقیقت سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اِن ذرّوں میں کچھ نہیں۔ یہ ساری چمک آفتاب کی ہے ؎

مست گشتنم از دو چشم ساقی پیمانہ نوش الفراق اے ننگ و ناموس الوداع اے عقل و ہوش

دو چشم یعنی جمال و جلال ساقی یعنی خدا۔ پیمانہ نوش یعنی کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ کے ساغروں کا فیضان کرنے والا۔ الفراق اے ننگ و ناموس یعنی انانیت کو سلام الوداع اے عقل و ہوش یعنی بس! محویت طاری ہو گئی۔ گویا ہر آن نئی شان میں جلوہ افروز ہونے والے کی جمال و جلال کی چمک دمک والی آنکھوں نے مجھے بے خود و بدمست بنا دیا۔ آنکھوں کو دیکھ کر بے خود و بدمست وہی ہو گا جو آنکھ کی خوبی سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ از خود رفتگی پیدا کرنے والی مستانہ آنکھیں کیسی ہوتی ہیں۔ ان خوبیوں سے جو ناواقف ہو وہ جادو بھری متوالی آنکھوں سے کیوں کر متاثر ہو سکتا ہے؟ متاثر ہونے کے لئے بھی عرفان کی ضرورت ہے ؎

دل سراپردۂ محبت اوست دیدۂ آئینہ دار طلعت اوست

من کہ سر در نیاورم بدو کون گردنم زیر بار منت اوست

چونکہ سوائے ذات مطلق کے اور کچھ نہیں، ہیں دونوں جہاں میں جو کچھ دیکھتا ہوں وہ سب ذات مطلق ہی کے کرشمے ہیں۔ میری گردن اُسی کی زیر بار منت ہے ؎

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار ‏ ‏ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہر شخص اپنے اپنے طوبیٰ کے پیچھے دیوانہ ہے۔ کوئی طوبیٰ جسم پر شیفتہ ہے اور اپنی جسمانی ضروریات اور آسائشوں کے پیچھے تباہ و برباد ہو رہا ہے کوئی کسی اور طوبیٰ کے فراق میں حیران و سرگرداں ہے۔ مگر میرا مقصود تو وہی قامتِ یار وہی ذات مطلق ہے اپنی اپنی ہمت اور اپنی اپنی نظر ہے ؎

دور مجنوں گذشت و نوبت ماست ‏ ‏ ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست

ایک مجنوں ہی پر کیا موقوف ہے۔ ہر شخص مجنوں بنا ہوا ہے اور کسی نہ کسی لیلیٰ کے عشق میں دیوانہ ہے۔ کوئی لیلیٰ جسم کے غم میں مبتلا ہے۔ کوئی لیلیٰ جاہ و منصب پر فریفتہ ہے کسی کو لیلیٰ ہوا و ہوس نے مجنوں بنا رکھا ہے اور لوگ اپنا اپنا دور عارضی ختم کر گئے۔ اب ہم ہیں اور مقصودِ اصلی کی طلب ہے ؎

من کہ باشم در آں حرم کہ صبا ‏ ‏ پردہ دار حریم حرمت اوست

میں کیوں کر اُس حرم محترم میں پہنچوں جہاں جذبات الٰہی اور اُس کے اکرام و نوازش کی کششیں اُس کی حرم سرا کی پردہ داری کر رہی ہیں ؎

فقر ظاہر مبیں کہ حافظؒ را ‏ ‏ سینہ گنجینۂ محبت اوست

حافظ کے فقر ظاہری اور اس کی اوپری بے سروسامانی پر نہ جاؤ۔ اس کا سینہ تجلیات اسماء و صفات کے گنجینوں سے مالا مال ہے۔

خواجہ نقشبندی علیہ الرحمۃ کے مدک خانہ سے بس خواجہ حافظ شیرازیؒ ہی ایک شرابی نکلے ہیں۔

ایک روز حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ :۔ حق تعالیٰ کی صفات میں جمال

بھی ہے اور جلال بھی۔ پس اکمل صوفیہ وہ ہیں جو دونوں صفات کے عاشق ہوں، اور جو صوفیہ صرف ایک ہی نوع۔ جمال ہو خواہ جلال کے عاشق ہیں وہ ناقص ہیں۔

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ حضرت شاہ بہاؤ الدین عاشق اللہؒ کے مرید تھے جو کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ایک خلیفہ تھے۔ شیخ نے اپنے چند مخصوص طریقوں کے ساتھ قلندر صاحب کو خلوت کی تعلیم فرمائی۔ قلندر صاحب دوران خلوت میں بے خودی کے عالم میں خلوت سے باہر نکل آئے۔ شیخ نے فرمایا کہ "قلندر رہ گیا"۔

ایک موقعہ پر حضرت اقدس ارشاد فرمانے لگے کہ :۔ جیسے تمہارے جسم میں سر ہے۔ دو آنکھیں ہیں۔ پھر گلا ہے۔ ہاتھ ہیں پیر ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی ذات پاک مزیّن ہے اسماء و صفات جلالی و جمالی سے۔ عارف کی منزل باعتبار معرفت کے اسماء و صفات ہے۔ جس کی نظر جتنی اونچی جائے گی۔ اتنا ہی بلند اس کا مرتبہ ہوگا اس کے بعد ذات بحت ہے۔ یہ منزل سب سے اعلیٰ ہے۔ وہاں بے رنگی ہے اور بے کیفی ہے۔ شک کو درمیان میں ہرگز نہ آنے دینا چاہیئے ؎

تو یقینی و جہاں جملہ گماں من بیقیں
مدتے شد کہ یقیں را بہ گماں می بینم

یہ منزل یقین ہی کی ہے۔ یقین جس قدر پختہ ہوگا منزل بھی اتنی ہی جلد طے ہوگی۔

**توجہ الی الحق :** ارشاد فرمایا کہ :۔ حق تعالیٰ اور طالبان حق کے تعلقات باہمی کی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب اور دنیا کا تعلق باہمی۔ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کا پرتو انسان، حیوان، نباتات، جمادات، سب پر پڑتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں آفتاب سے بہت دور ہیں۔ آفتاب کی شعاعیں خشکی اور تری، پاک چیزوں اور ناپاک چیزوں، غرض کہ سب ہی پر پڑتی ہیں۔ آفتاب کی شعاعوں اور حرارت سے تمام چیزیں متاثر ہوتی ہیں۔ یعنی آفتاب کے فیضان سے ہر چیز مستفیض ہوتی ہے۔

مگر چیزوں کی پاکی اور ناپاکی سے آفتاب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اب آفتاب کے اظہر من الشمس ہونے کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جس کی بینائی درست ہو۔ اگر کسی کی بینائی درست نہیں تو آفتاب دن میں ہزار آب وتاب سے چمکے لیکن اُس کے لئے روز روشن اور شب تاریک دونوں برابر ہیں۔ یہی حال ذات باری تعالیٰ کے تمام موجودات پر حاوی ہونے کا ہے۔ مگر اس امر کی شناخت کے لئے چشم بینا کی ضرورت ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ بعض صحیح آنکھ والے بھی آفتاب سے آنکھ لڑانا چاہتے ہیں تو پہلے پہل اس کی قدرت نہیں پاتے اور اُن کی آنکھیں شروع ہی میں چوندھیا جاتی ہیں۔ جھپک جاتی ہیں۔ اور بند ہو جاتی ہیں لیکن کثرتِ مشق سے جب لوگ آفتاب سے آنکھ لڑاتے لڑاتے اُس کے عادی ہو جاتے ہیں تو وہ گھنٹوں آفتاب سے آنکھ ملا سکتے ہیں۔ یہی حال طالبان حق کا ہے۔ ابتدا میں موانعات حجاب پیدا کرتے رہتے ہیں لیکن جب چشم دل میں قابلیت وقوت کافی طور پر پیدا ہو جاتی ہے تو آفتاب قدس کا انہیں مشاہدہ ہونے لگتا ہے اور اس مشاہدہ میں بتدریج قیام بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

**توجہ حق بواسطہ اسماء:** ارشاد فرمایا کہ :۔ ہر شئے جو ظہور میں آتی ہے اُس کے لئے کسی نہ کسی اسم کا ہونا ضروری ہے اور ہر اسم کو اپنے مسمّیٰ کے ساتھ ایک مناسبت ہوتی ہے آفتاب، ماہتاب، درخت، چرند، پرند، انسان سب کے سب کسی نہ کسی اسم سے موسوم ہیں اور ہر عاقل شخص جب کسی چیز کو پہچاننا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اُس چیز کو اُس کے اسم ہی سے پہچانتا ہے۔ مسمّیٰ کو اسم کے ساتھ اتنی قوی نسبت ہوتی ہے کہ جب کسی شخص کا نام لے کر کوئی پکارتا ہے تو وہ شخص طبعًا اور فطرتًا فورًا مخاطب ہو جاتا ہے ناممکن ہے کہ کوئی شخص تمہیں تمہارے نام سے پکارے اور تم پکارنے والا کی جانب متوجہ نہ ہو۔ پھر جداگانہ اسمائے صفاتی سے جداگانہ نوع کی توجہ ہوگی مثلاً ایک شخص وکیل بھی ہے اور مولوی بھی ہے اب اگر کسی شخص نے مکان

کے باہر سے "وکیل صاحب" کہہ کر آواز دی تو وہ شخص سمجھ جائے گا کہ کوئی اہل مقدمہ یا موکل ہے یا کسی قانونی مشورہ کی ضرورت سے آیا ہے اور وہ اس کی ضرورت کے پورا کرنے کی تیاری کے ساتھ گھر سے باہر نکلے گا۔ اگر "مولوی صاحب" کہہ کر آواز دی ہے تو عام طور پر سمجھا جائے گا کہ سائل کو کچھ مسئلہ مسائل دریافت کرنا ہوں گے یا اسی قسم کی کوئی اور دینی ضرورت ہوگی۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر تمہارے دروازہ پر کوئی معزز شخص یا ایسا شخص جو تمہاری نگاہوں میں زیادہ محبوب ہو آکر تمہیں پکارے تو تم بہت جلد اور بہت زیادہ التفات کرو گے اور کیسے ہی ضروری کام میں مصروف ہو سب کچھ چھوڑ چھاڑ فوراً باہر نکل آؤ گے لیکن آواز دینے والا کوئی نہایت معمولی شخص مثلاً تمہارا ملازم ہو تو اُس کی جانب دوسری قسم کا التفات ہوگا۔ یہی معاملہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی پیش آتا ہے اس کے بھی اسماء و صفات ہیں۔ وہ تاریک رات میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز کو اتنی ہی یقینی طور پر اور اس سے بھی واضح تر طور پر سنتا ہے جیسے تم توپ کی آواز سُن لیتے ہو اور زمین و آسمان کی ہر چیز کو اور کائنات کے ہر ذرّہ کو جیسے کہ تم آفتاب کو دیکھتے ہو اُس سے بھی واضح تر دیکھتا ہے۔ لہٰذا تم جب حق تعالیٰ کو اُس کے کسی نام سے پکارتے ہو وہ فوراً تمہاری جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور تم اسے جس صفت کے ساتھ یاد کرتے ہو اسی صفت کا فیضان تمہاری جانب ہونے لگتا ہے۔

**اسم ذات:** ارشاد فرمایا کہ:۔ اسم ذات اللہ ہے۔ دیکھو! دائرہ کی شکل کھینچو اور غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اس شکل میں نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ جن نقطوں سے کہ دائرہ بنتا ہے اُن میں کا ہر نقطہ ابتدا بھی ہو سکتا ہے اور انتہا بھی۔ بس یہی حالت ذات باری تعالیٰ کی بھی ہے کہ کُل کائنات اُس کی ذات میں محصور ہے نہ اُس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ اسم ذات یعنی اسم پاک اللہ مرکب ہے الف و لام و لام مشددہ سے۔ الف سے

اشارہ ذات کی جانب ہے اس اعتبار سے جملہ صفاتِ جلالی و جمالی ذات مقدس میں مجتمع ہیں۔ پہلا لام اشارہ ہے طرف صفات جلالی کے کیوں کہ بہ نسبت جمال کے جلال کو ذات سے زیادہ قرب ہے۔ دوسرا لام اشارہ ہے طرف صفات جمال کے۔ ہ سے اشارہ ہے ذات پاک کے کُل کائنات پر محیط ہونے کی جانب۔ ہ کا تلفظ پیش کے ساتھ (ہُ) کرنا چاہیئے۔ دیکھو! ہ کی بھی شکل مثل دائرہ کے ہے اور اُس پر جو پیش ہے اُس کی بھی شکل دائرہ سے ملتی جلتی ہے اور دائرہ مُحیط ہوتا ہے اس چیز پر جسے وہ اپنے خط مدوّر میں محدود کئے ہوئے ہے۔

بعض جہلا لفظ اللہ کو رٹتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُنہوں نے سب کچھ پالیا اور انہیں اللہ مل گیا۔ حالانکہ اسم کے حاصل ہونے سے مسمّیٰ حاصل نہیں ہوتا۔ وجود کی چار قسمیں ہیں۔ ملفوظیؔ۔ مکتوبیؔ۔ خارجیؔ۔ ذہنیؔ۔ وجود ملفوظی اور وجود مکتوبی تو کوئی چیز نہیں لفظ زید جو زبان سے ادا ہو یا کتابت میں لکھا جائے زید کی ذات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا البتہ وجود خارجی و ذہنی اصل شے پر دلالت کرتے ہیں۔ آج کل کے جاہل صوفی لفظ اللہ کو رٹواتے ہیں اور اس نقش سے خیال میں جم جانے کو کامیابی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سمجھدار لوگوں کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

زبان سُریانی میں ایل اسم ذات ہے۔ اسم اللہ میں جامعیت اسمائے ذات و صفات ہے۔

**اسم اعظم:** ارشاد فرمایا کہ:۔ اسم اعظم ہر شخص کے مناسب حال جداگانہ ہوتا ہے حضرات صوفیائے کرام کے درمیان اسم اعظم کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ اللہ اسم اعظم ہے اور بعض حضرات صرف ہ کو جو اسم ذات کا حرفِ آخر ہے۔ اسم اعظم فرماتے ہیں۔ لیکن اکابر صوفیہ کا یہ مقولہ ہے جو صحیح ہے کہ حق تعالیٰ کا ہر اسم پاک اسم اعظم ہے لیکن ہر شخص ان اسمائے سے وہ فوائد حاصل نہیں کر سکتا جو

اسم اعظم سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تخلیق ارواح کے وقت حق تعالیٰ نے جملہ ارواح پر تجلی اجمالی فرمائی تھی اور اس اجمال میں صفات جمال وجلال سب ہی موجود تھے۔ ہر روح نے حسب استعداد خود کسی خاص صفت کے اثر کو زیادہ قبول کیا اور اُس سے ایک مناسبت خاص پیدا کر لی۔ پس جو اسم پاک کہ اس صفت خاص سے مناسبت رکھتا ہے وہی اسم اُس شخص کے لئے اسم اعظم کا حکم رکھتا ہے جس کی روح نے اُس صفت خاص سے مناسبت خاص پیدا کر لی تھی۔ مگر ہر شخص چونکہ اپنے مناسب حال اسم پاک کو دریافت نہیں کر سکتا اس وجہ سے ہر شخص اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہی سبب ہے اسم اعظم کے متعلق اختلافِ اقوال کا۔ ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے مناسب حال اسم اعظم دریافت کرے۔ دوسرے کا بتایا ہوا اور دوسرے کا تعلیم کیا ہوا اسم اگر مناسب حال نہ ہوا تو اُس سے وہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ جو کہ اسم اعظم سے حاصل ہونا چاہیئے۔

**ظہور وبطون:** ارشاد فرمایا کہ:۔ یہ ساری کائنات پہلے بطون کے لفافہ میں مخفی تھی۔ اس کے بعد ظاہر ہوئی۔ جو باطن تھا ظاہر ہو گیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب تم کوئی مکان بنانا چاہتے ہو تو اس مکان کا نقشہ پہلے اپنے ذہن میں قائم کرتے ہو اور اپنے دل میں جماتے ہو یعنی پہلے مکان اِس اعتبار سے تمہارے دل کے اندر مخفی ہوتا ہے پھر تم اُسی دل کے اندر کے نقشہ کے تحت میں بقدر ضرورت، اینٹ، چُونا، لکڑی، پتھر وغیرہ کو جمع کرتے ہو اور ان خارجی چیزوں کے اجتماع سے اپنے دل کے اندر کے نقشہ کو ظاہر کرتے ہو اور اُسی نقشہ کے مطابق مکان بنا کر کھڑا کر دیتے ہو۔ اس مکان کے ذریعہ سے تمہارا باطن ظہور میں آگیا۔ جو تمہارے دل میں تھا ظاہر ہو گیا یعنی جو کچھ تمہارے اندر تھا اُسی کا اظہار ہوا نہ کہ کسی غیر شے کا۔ کائنات کے اس بطون سے ظہور میں آنے کو نفسِ رحمانی بھی کہتے ہیں۔

جب تم سانس لیتے ہو اور اُسے خارج کرتے ہو تو وہی دم جو تمہارے پیٹ کے اندر مخفی ہوتا ہے باہر آکر انتشار اختیار کرتا ہے اور اس طرح اندر ہی کی چیز باہر آتی ہے نہ کہ کوئی اور شئے۔

**اول و آخر۔ ظاہر و باطن:** ارشاد فرمایا کہ: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کی تفسیر اس مثال سے بہت آسانی سے سمجھ میں آجائے گی تخم و شجر کے تعلق باہمی پر ذرا غور کرو۔ دیکھو! تخم ابتدا ہے درخت کی۔ تخم کتنی ذرا سی چیز ہے اور درخت کتنا بڑا ہوتا ہے بظاہر دونوں میں کوئی مناسبت ہی نظر نہیں آتی۔ کتنا بڑا درخت کتنے ذرا سے تخم میں مخفی ہوتا ہے۔ جب تخم تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے تو تخم ظاہر ہوتا ہے اور درخت باطن۔ جب تخم زمین میں چھپا دیا گیا اور درخت اُگنا شروع ہوا تو تخم باطن ہو گیا اور درخت ظاہر۔ اب درخت تمہاری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہے اور تخم تمہاری نگاہوں سے مخفی۔ مگر حقیقت تخم اُس درخت میں موجود ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو قلم لگا کر دیکھ لو۔ اس درخت میں پھر پھول آتا ہے اور پھل لگتا ہے اور پھل کے اندر وہی تخم موجود ہوتا ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ تخم اول بھی تھا اور آخر بھی۔ ظاہر بھی تھا اور باطن بھی۔ تخم ظاہر تھا تو درخت باطن جب تخم باطن ہوا تو درخت ظاہر ہو گیا۔ روح چونکہ عالم ملکوت کی چیز ہے اس لئے اس کا ظہور اول ہے اور اسے تخم سے تشبیہ ہے۔ دنیا کو شجر سے تشبیہ ہے۔ انسان اس شجر کا پھل ہے۔ جس طرح پھل میں تخم موجود ہوتا ہے اسی طرح انسان میں بھی پھر وہی روح موجود ہے اسی دَور کو ھوالاول اور ھوالاخر کہتے ہیں اور یہی ھوالظاھر اور ھوالباطن بھی ہے۔

**کمون و بروز:** ارشاد فرمایا کہ :۔ اس دنیا میں اہل دنیا کو تخلیق کونین نے حیرت و استعجاب میں ڈال رکھا ہے بڑے بڑے حکماء و عقلاء حقیقت وجود اور اصلیت ازلیت و ابدیت کو نہ سمجھ سکے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ اُمور فہم انسانی سے بالاتر ہیں۔ عقل انسانی حسّیات و بدیہیات ہی میں محدود رہتی ہے۔ مثلاً ایک دائرہ کھینچو۔ جس وقت تک کھینچنے والا موجود ہے وہ خود یا جس نے دائرہ کو کھینچتے ہوئے دیکھا ہے بتلا سکتا ہے کہ فلاں مقام یا فلاں نقطہ سے کشش دائرہ شروع کی گئی ہے اور اُسی مقام پر لاکر ختم کی گئی ہے۔ اتمام دائرہ کے بعد دائرہ کھینچنے والے کو علیحدہ کر دو اور لوگوں سے پوچھو کہ اس دائرہ کی ابتداء کہاں سے ہوئی تو کوئی نہ بتا سکے گا بلکہ دائرہ کا ہر نقطہ ابتدا اور ہر نقطہ انتہا فرض کیا جا سکے گا۔ یہ بھی کوئی نہ بتا سکے گا کہ یہ دائرہ کب اور کس نے کھینچا لیکن اس کا ہر شخص کو یقین ہوگا کہ اس دائرہ کا کھینچنے والا کوئی فاعل ہے ضرور یہی تعلق فاعلی حق تعالیٰ کو خلقت کونین سے ہے۔ یہ دور وجود اُس وقت سے جاری ہے جب سے کہ مرضی فاعل حقیقی نے اس دائرہ کو کھینچا۔ جس طرح دائرہ کا ہر نقطہ ابتداء اور انتہا کہا جا سکتا ہے دائرہ وجود کا ہر نقطہ بھی ابتدا اور انتہا کہا جا سکتا ہے مگر صحیح طور پر ابتدا و انتہا کا تعین کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ خالق دائرہ نگاہ سے اوجھل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بات اس وقت تک کسی حکیم و عاقل کی سمجھ میں نہ آسکی۔ اس راز کو علم حقائق سے تعلق ہے۔ علوم ظاہری سے یہ عقدہ کیوں کر حل ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ میں ایک اور موقع پر کہہ چکا ہوں، صوفیائے کرام کو کشفاً معلوم ہوا ہے کہ اس عالم کو ہر آن فنا ہوتی رہتی ہے اور ہر آن فیضان وجود ہوتا رہتا ہے حق تعالیٰ کا کوئی اسم کسی وقت معطل نہیں رہتا۔ یا ممیت کا بھی فعل ہر وقت جاری رہتا ہے اور یا محی۔ کا بھی، مگر ہر آن اس فناء و بقاء کے تسلسل کی سرعت سے اس کا

احساس نہیں ہوتا ہے

آئینہ ہستی چہ باشد نیستی
نیستی بگزیں گرا بلہ نیستی

دنیا کیا چیز ہے؟ ایک ہست نما نیستی ہے۔ یہاں صرف اسماء و صفات ہی کا جلوہ ہے۔ اسی کو جلوۂ قیّومیت کہتے ہیں۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تو اپنی ان آنکھوں یعنی جسمانی آنکھوں سے دیکھتا ہے اُسے تو ہست خیال کرتا ہے حالانکہ وہ حقیقتاً نیست ہے۔ اگر تو عقلمند ہے تو اس ہست نما نیستی کو حقیقتاً نیست و نابود سمجھ تاکہ انکشافِ حقائق کا دروازہ تجھ پر کھُلے اور تجھے معلوم ہو کہ ہستئ حقیقی کیا ہے۔ اس شعر کا ورد رکھنے سے طالب اِس کے فیض سے مستفید ہوتا ہے۔

**عینیت و غیرئیت:** ارشاد فرمایا کہ:- اگر تم اپنا عکس کسی صاف آئینہ میں دیکھو تو ہو بہو تمہیں اپنی صورت اس آئینہ میں نظر آئے گی۔ مگر حقیقتاً تم اُس آئینہ کے اندر موجود نہیں گو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اُس آئینہ کے اندر کچھ بھی نہیں۔ تم اُس میں ہو بھی اور نہیں بھی ہو۔ اگر کسی زنگ آلود اور دُھندلے میلے کچیلے آئینہ میں تم اپنا عکس دیکھو تو وہ عکس صاف نظر نہ آئے گا۔ حالانکہ تمہارا عکس اس میں ہوگا ضرور۔ خواہ وہ عکس دُھندلا ہی کیوں نہ ہو۔ اس دُھندلے عکس کے متعلق بھی یہی کہا جائے گا کہ وہ آئینہ میں ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ جلوۂ باری تعالیٰ کے دنیا میں ہونے کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ اس دنیا کی ہر شے میں ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ ہر شے میں اُسی کا عکس نظر آتا ہے مگر عکس ہوتا ہے وہ خود بذات خاص نہیں ہوتا۔ اُن قلوب انسانی میں جو تزکیہ و تصفیہ سے صاف ہو گئے ہیں اور جو ہوا و ہوس اور حُبِّ دنیا کے زنگ سے میلے کچیلے نہیں ہیں وہ عکس مثل صاف اور چمکدار آئینہ میں کے عکس کی طرح صاف نظر آتا ہے لیکن جن قلوب میں خطرات و وساوس و حُبِّ دنیا کے زنگ نے میلا پن اور دھندلا

پن پیدا کر دیا ہے عکس صاف نظر نہیں آتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقولہ ہے کہ ے

الا یا ساکن القصر المعلیٰ ستدفن عنقریب فی التراب

لہ ملک ینادی کل یوم لدوا للموت وابنوا للخراب

مطلب یہ ہے کہ بچہ پیدا کرو واسطے مرنے کے اے لوگو! جو عالیشان مکانات بنا کر رہتے ہو اور سامان واسباب آرائش جمع کرتے ہو تم بھی فنا ہو جاؤ گے اور یہ سارا سامان بھی فنا ہو جائے گا۔

**وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ:** ارشاد فرمایا کہ :۔ایک ایسا غریب آدمی فرض کرو جس کے پاس نہ کھانے کو ٹکڑا ہے نہ پہننے کو کپڑا۔ فرض کرو کہ اس شخص کو کسی تقریب میں شریک ہونے کسی جلسے، کسی تماشے یا کسی بارات میں جانا ہے۔ وہ کسی کی ٹوپی، کسی کی جوتی، کسی کی اچکن عاریتاً لے کر اور مانگے تانگے سے کام چلا کر اور اپنے آپ کو آراستہ کر کے اُس تقریب میں شامل ہوتا ہے۔ اہل تقریب یہی خیال کریں گے کہ مثل دوسروں کے یہ بھی کوئی معزز و متمول شخص ہے کہ عمدہ لباس و زینت سے آراستہ ہے۔ اتفاق سے اُسی تقریب میں ایک شخص ایسا بھی نکل آیا جو اُسے خوب جانتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ سارا ٹھاٹھ مانگے تانگے کا ہے۔ وہ لوگوں کو لاکھ سمجھاتا ہے کہ یہ شخص نہایت ذلیل وخوار ومفلس قلاّش ہے اور اس کے سب کپڑے دوسروں سے عاریتہً لئے ہوئے ہیں مگر کوئی اُس کی بات پر یقین نہیں کرتا۔ تماشے کے ختم ہونے اور تقریب کے انجام پر پہنچنے کے بعد وہ شخص جب گھر واپس آتا ہے تو کیا نقشہ پیش آتا ہے۔ ٹوپی والا ٹوپی اور جوتے والا جوتا اور اچکن والا اچکن غرض کہ ہر شخص اپنی اپنی چیز واپس لے جاتا ہے اور کوئی کپڑا میلا یا خراب ہو گیا تو دس گالیاں بھی سُنا جاتا ہے اور اُس کے بعد وہ شخص پھر وہی ننگے کا ننگا رہ جاتا ہے۔ ہو بہو یہی حال اہل دنیا کا ہے کہ جب پیدا ہوتے ہیں تو نہ پوشش

ہوتی ہے نہ معاش۔ جب دنیا کے تماشے میں جاتے ہیں تو سب کچھ مہیا کر لیتے ہیں جب مرتے ہیں تو پھر وہی ننگے کے ننگے جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔ دنیا کے عارضی سامان کو اپنی اصطلاح میں اپنی ملکیت کہنے لگتے ہیں بلکہ ملکیت سمجھتے بھی ہیں اور اس مفروضہ ملکیت کو پسماندگان کے لئے خراب حالت میں چھوڑ جاتے ہیں تو سینکڑوں گالیاں بھی کھاتے ہیں۔ دیکھو! اہل دنیا کی یہ کتنی بڑی نادانی ہے کہ دنیا کے سامان کو اپنا اور باقی رہنے والا خیال کرتے ہیں اور اگر کوئی حقیقت دان پکار پکار کر انہیں اصلی حال سے خبردار کرتا بھی ہے تو اس کی بات پر یقین نہیں کرتے۔

**ارادۃ اللہ:** ارشاد فرمایا کہ:۔ فلسفیوں اور منطقیوں کا قول ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے چھری کو دیکھو کہ قاتل بھی ہے اور قاتل نہیں بھی ہے چھری دراصل خود کسی کو حلال نہیں کر سکتی تاوقتیکہ کسی حلال کرنے والے کے ہاتھ میں نہ ہو اور حلال کرنے والے کا ارادہ نہ ہو کہ اس چھری سے کسی کو حلال کرے۔ اصلی فعل فاعل کا ہوتا ہے اور فاعل ہی کا ارادہ غالب آیا کرتا ہے۔ چھری محض ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ سے فاعل کا فعل ظہور میں آتا ہے۔ ہر آلہ اپنے استعمال کرنے والے سے علیحدہ ہو کر بیکار رہتا ہے۔ حق تعالیٰ فاعل حقیقی ہے اور تمام چیزیں ارادہ الٰہی کے ظہور میں آنے کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہر مخلوق پر حاوی ہوتا ہے۔

**تفسیر نور:** ارشاد فرمایا کہ: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہاں نور سے مراد چراغ کی سی روشنی یا چاند سورج کی سی شعاعیں نہیں بلکہ وجود و ظہور ہے۔ حق تعالیٰ ہی کا ظہور کل کائنات میں ہے۔ آب و آتش، باد و خاک، آسمان و زمین، غرض کہ جو کچھ تم دیکھتے ہو اور جو کچھ تمہاری نگاہوں سے مخفی ہے۔ مثلاً جنت و دوزخ وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اسماء و صفات کا مظہر ہیں۔ ہوا اس کے اسم یا لطیف کا مظہر ہے۔ آتش یا قابض کا مظہر ہے خاک یا خافض کا مظہر ہے۔ آب

یا حی کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اسی طرح کائنات کی ہر چیز اُس کے کسی نہ کسی اسم کا مظہر ہے اور جملہ صفات اُس کی ذات کے مظاہر ہیں ۔

ہمہ اسماء مظاہر ذات اند
ہمہ اشیاء مظاہر اسماء

## لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

**اللہ کا بندوں پر بڑا احسان :** ماہ مبارک ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی۔ خانقاہ حضرت اقدس (ٹیلہ۔ لکھنؤ) میں مریدین و معتقدین کا مجمع تھا۔ عجب ذوق وشوق کے عالم میں حضرت نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :۔

صلّی اللّٰہ علی حبیبہٖ محمد وّاٰلہٖ وصحبہٖ وسلم لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن میں اُن ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو اُن کو خدا کی آیات پڑھ کر سناتا ہے جو اُن کو کفر وشرک کی گندگی سے پاک کرتا ہے اور اُنہیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے ، ورنہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

دیکھو! حق تعالیٰ جل شانہ نے اس مبارک آیت میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا ارفع واعلیٰ شان ظاہر فرمائی ہے۔ اگلے انبیاء میں سے جس نبی کو کسی قوم کے لئے مبعوث فرمایا اُس کی بابت قرآن پاک میں بس یہی ارشاد فرمایا کہ ہم نے فلاں نبی

کو فلاں قوم پر بھیجا۔ لیکن کسی مقام پر کسی کتب سماوی میں سے کہیں پر کسی نبی کسی رسول کے مبعوث کرنے پر اپنے احسان کا اظہار نہ فرمایا۔ یہ شرف صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کے لئے مختص فرمایا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ احسان اُسی کے ساتھ کیا جاتا ہے جس سے کوئی خاص تعلق ہو۔ پس اس آیتہ کریمہ سے دو باتیں ظاہر ہوئیں ایک تو حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی فضیلت دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام پر دوسرے ذات باری تعالیٰ کا تعلق خاص امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ پس خوشا نصیب اُن لوگوں کے جنہیں دامنِ رسول کا سہارا حاصل ہے جس کے وسیلہ کی بدولت اتنی بڑی سرکار کی توجہ خاص نصیب ہوئی۔ یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ اس دنیا میں کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو اُسے جتلاتا نہیں ہے۔ بلکہ احسان جتلانے کو چھچھوراپن اور بڑے عیب کی بات سمجھتا ہے۔ بھلا ایسی برتر اور پاک ذات نے جیسی کہ حق تعالیٰ کی ہے کیوں کر اس احسان جتلانے کو پسند فرمایا۔ واضح ہو کہ ہمیشہ اتنے بڑے احسان ہی کا اظہار کیا جاتا ہے جو غیر معمولی طور پر بہت بڑا، بہت غیر معمولی، بہت عجیب وغریب اور اپنی نظیر آپ ہی ہو و نیز ہر منت کشی کے امکان سے باہر ہو یا جس احسان کی وقعت خود محسن کی نگاہ میں بہت زیادہ ہو۔ چنانچہ دیکھو حق تعالیٰ نے اپنی بے شمار دیگر نعمتوں کے ذکر میں احسان کا اظہار نہیں فرمایا۔ مگر اس اظہار کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے لئے مختص فرما دیا۔ پس معلوم ہوا کہ دنیا کی جملہ مخلوقات اور جملہ نعمات کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات زیادہ عزیز اور زیادہ پسندیدہ تھی۔ یہی سبب ہے کہ حضور کے پیدا کرنے اور مبعوث فرمانے پر حق تعالیٰ نے مومنوں پر اپنا احسان جتلایا ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔

دوسری آیتہ کریمہ میں زبان حق تعالیٰ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

کے مزاج کی خصوصیات کا ذکر ہوا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ تحقیق
کہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف اُن پر شاق گزرتی ہے۔ تمہاری بہتری کی انہیں حرص رہتی ہے اور ایمان والوں پر وہ نہایت درجہ شفیق و مہربان ہیں۔ سبحان اللہ! ذات بابرکات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی کوئی کہاں تک ثناء و صفت بیان کر سکتا ہے اور مسلمان حق تعالیٰ کے اس احسان کے بوجھ سے کیسے سبکدوش ہو سکتے ہیں جس نے انہیں ایسا رسول عنایت فرمایا جس کو ایمانداروں کی بہبودی سے سیری ہی نہیں ہوتی۔ مومنوں کو مراتب والغامات میں جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے حضورؐ کو اسی قدر زیادہ اُن پر مزید اضافہ کا شوق پیدا ہوتا رہتا ہے۔ جملہ انبیاء علیہم السلام نے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی تمنّاؤں کا اظہار کیا ہے، اپنی کامیابی اور لوگوں کے ایمان لانے کے لئے دُعائیں مانگیں ہیں، اور جب لوگ ایمان نہ لائے اور لوگوں نے نافرمانیاں کیں تو ان کے لئے بددعا کر دی۔ ہمارے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی یہ خصوصیت رہی کہ کفار کے ایمان نہ لانے پر غم کرتے، خود غرق عبدیت رہتے، ہر لحظہ خوشنودیٔ حق تعالیٰ کے جویاں رہتے، اور ایمان والوں کے لئے الطاف و نوازشات الٰہی کے ہمیشہ متمنی اور حریص رہتے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پس واجب ہے کہ تم بھی ایسے نبی پاک پر درود بھیجو۔ صلی اللہ علیٰ حبیبہٖ سیدنا محمد واٰلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

بادشاہ کسی کو کوئی بیش قیمت تحفہ دے اور وہ شخص اس تحفہ کی قدر نہ کرے بلکہ اس سے لاپرواہی برتے اور اُسے ضائع کر دے تو بادشاہ کو کتنا غصہ آئے گا۔

ہم کو حق تعالیٰ کی جانب سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انعام میں عطا فرمائے گئے ہیں۔ ہم کیسے نہ اس تحفہ کی قدر کریں اور اس عطیہ الٰہی پر عید منائیں اور خوشیاں کریں۔ چنانچہ یہ بارہ دن ہماری عید کے ہیں۔

ایک موقعہ پر حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بوسیلہ آنحضرتؐ حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے محبت پیدا کرنے کے طریقوں میں سے ایک مؤثر طریقہ یہ بھی ہے کہ نماز میں سورہ کوثر اور سورہ اخلاص کی تلاوت زیادہ کی جائے۔

**درود شریف:** ارشاد فرمایا کہ :۔ حضور سرورِ کائنات نے نماز میں اس درود کے پڑھنے کی تعلیم فرمائی اور اسی کو سب پڑھتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

اس درود شریف کی تعلیم میں دو نکتے ہیں جو غور طلب ہیں۔ ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالمؐ جب خود تاج الانبیاء ہیں تو مماثلت ابراہیم علیہ السلام کے کیوں خواہاں ہوتے ہیں۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کا ذکر اس درود شریف میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر پر منحصر و مؤخر کیوں رکھا گیا ہے۔ ان سوالات کے جواب میں ان رموز کو مدِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ تقریباً کل انبیاء علیہم السلام جن میں کہ ذاتِ حضورؐ بھی شامل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى
قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا
هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ
دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ
وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى
وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَ
اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ
وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ
وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

پس مقصود اس درود شریف کی تعلیم سے یہ تھا کہ جملہ حسنات و برکات جو بوسیلہ کُل انبیاء علیہم السلام لوگوں کو پہنچی ہیں اُمّتِ محمّدیہ ﷺ کو بھی پہنچیں۔ ابراہیم علیہ السلام پر ایسی برکات نازل ہوئیں کہ اُن کی اولاد میں نبوّت جاری رہی۔ اب خاتم النّبیین ﷺ کے بعد اگر نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے تو آپ ﷺ کی اُمت میں ولایت کا سلسلہ جاری رہے اور یہ ولایت بنی اسرائیل کے انبیاء کی نبوت سے مماثلت رکھتی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذکرِ مبارک کا ابراہیم علیہ السلام کے ذکر پر منحصر و مؤخر ہونا ہمارے حضور ﷺ کی شانِ عبدیت پر دلالت کرتا ہے شانِ عبدیت میں کمال ہی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے اور اس خصوصیت ہی میں آپ ﷺ کی شانِ عروج ہے انتہائے عبدیت آپ ﷺ کا معراج ہے۔ معراج کے سلسلہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى

معراج کے سلسلہ میں اس آیتہ کریمہ میں آپ ﷺ کو لفظ عبد سے یاد فرمایا گیا ہے نکتہ اس میں یہ ہے کہ عبد کے معنی ہیں بندہ کے اور بندہ وہ ہوتا ہے جو اپنی خواہشات

ظاہری و باطنی کو دوسرے کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے فنا کر دے۔ دیکھو! اس دنیا میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی بندگی پوری طرح اُس وقت تک نہیں کرسکتا۔ جب تک اپنی جملہ ظاہری و باطنی خواہشات کو دوسرے کی خاطر قربان نہ کر دے۔ بھلا ایسی بڑی سرکار کی بندگی کا حق اپنی ذات وصفات کو اُس سرکار میں فنا کئے بغیر کیوں کر ادا ہو سکتا ہے۔ اس آیتہ مبارک میں اسی جانب اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم انتہائے عبدیت کی بدولت شب معراج میں واصل ذات ہوئے۔

**دعائے اذان:** ارشاد فرمایا کہ :۔ اذان کے بعد جو دُعا مانگی جاتی ہے وہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعلیم کردہ دعا ہے اور وہ یہ ہے کہ :۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○

یعنی مختصر مطلب اس دعا کا یہ ہوا کہ اے اللہ! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارفع درجات اور مقام محمود عطا فرما اور ہمارے حق میں اُن کی شفاعت قبول فرما۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے سوال کیا کہ جب حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں وعدہ فرمالیا ہے کہ وہ آپؐ کی شفاعت قبول فرمائے گا تو پھر اب بندوں کی جانب سے اس دعا کی کیا ضرورت رہی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ اس دعا میں کیا راز ہے۔

اس دعا کی تعلیم میں دراصل مصلحت یہ تھی کہ آپؐ کی اُمت بھی اُس عظمت میں جو حق تعالیٰ نے آپؐ کو مرحمت فرمائی ہے آپؐ کے ساتھ شامل ہو جائے۔ انسان جب کسی شخص سے اُس کے محبوب کی بھلائی چاہتا ہے تو اُس کی نگاہ

میں عزیز ہو جاتا ہے اور وہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ یہ شخص میرے محبوب کا خیر خواہ ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی باپ سے اُس کے بیٹے کے متعلق خیر خواہی کے کچھ کلمات کہے یا بیٹے کے متعلق کوئی سفارش کرے یا بیٹے کے لئے کوئی تحفہ پیش کرے تو باپ کا دل اس شخص سے کتنا خوش ہوگا۔ چنانچہ اس دعا کی تعلیم کا مقصد یہ نہیں کہ بارگاہ قدس میں مقبولیت شفاعت کی دُعا کی جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی توجہ اور رحمت اُمت کی جانب مبذول ہو۔

دوسرا نکتہ اس دعا کی تعلیم میں یہ ہے کہ جب کسی شخص کے کسی مرتبۂ بلند کے حصول میں کسی دوسرے شخص کی کوشش بھی شامل ہو جاتی ہے تو مرتبہ پانے والے پر حق ہو جاتا ہے کہ جو شخص اس حصول مرتبہ میں ساعی رہا ہے اُس کی جانب بھی التفات خاص رکھا جائے لہٰذا اپنی اُمّت سے اپنے لئے مقام محمود کی دعا منگوا کر حضور سرور کائنات ﷺ نے اُمت کو اپنی شفاعت کا مستحق بنا دیا۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ مقام محمود کے متعلق کوشش میں اپنی اُمت کو شامل فرما لینے سے حضور سرور کائنات ﷺ نے گویا اپنی اُمت کو بھی اپنے ساتھ اِس مقام عالیہ میں شریک کر لیا۔

# عشق

**فطرت انسانی میں عشق:** ارشاد فرمایا کہ :۔ انسان کی زندگی منزل عشق سے شروع ہوتی ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی لیلیٰ جسم پر عاشق ہو جاتا ہے پھر جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے اس لیلیٰ کی گلی کی ہر چیز پر عاشق ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اپنی جان بھی کھو بیٹھتا ہے اور لیلیٰ بھی۔

ایک روز ایک بچہ سے ہم نے کہا کہ تیری دایہ کو ہم ذبح کر ڈالیں گے۔ اُس نے یہ سنتے ہی نہایت طیش میں آکر ہمارے زانو پر ایک گھونسہ مارا۔ اُس کی فدائیت کی اس حرکت پر ہم کو وجد آگیا۔ دیکھو! ایک بچہ حقیقت راحت کے صلہ میں سٹری سی دایہ پر اس قدر فدا ہو جاتا ہے کہ اگر ماں باپ یا دیگر اعزاء بچہ کی شفیق دایہ کو بُرا کہیں تو بچہ اپنی پوری قوت سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ جب ایک بچہ کی یہ کیفیت ہے تو مجاہدین راہ حق کو اگر دشمنان الہٰی کے مقابلہ میں اس قدر اصرار و انہماک ہو تو کون سے تعجب کی بات ہے۔ کیا عاشقاق الہٰی حق تعالیٰ کے دشمنوں کو اتنا بُرا بھی نہ سمجھیں جتنا بُرا کہ ایک بچہ اپنی سٹری سی دایہ کو بُرا کہنے والوں کو سمجھتا ہے۔ ایک دوسرے موقعہ پر ہم ایک اور بچہ کو گاڑی پر سوار کر کے اپنے ہمراہ کہیں لے گئے۔ جہاں گئے تھے وہاں اس بچہ کے قریب ترین عزیز موجود تھے جن سے وہ مانوس بھی تھا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد دفعتاً اس کو اپنی دایہ کا خیال آگیا اور اس نے "لوا! لوا!" کی رٹ لگانا شروع کی۔ ہم کو اس بچہ کی محویت پر بھی لُطف آگیا۔ اس کے عزیزوں نے اسے بہلانے پھُسلانے کی بہت کوشش کی۔ مٹھائی جیسی مرغوب چیز کو اس کے سامنے پیش کیا مگر اُس نے مٹھائی تک کو قبول نہ کیا۔ بلکہ ٹھوکر مار کر سامنے سے ہٹا دی، عزیزوں کی تمام کوششیں بیکار گئیں اور بچہ کی اس محویت میں فرق نہ آیا۔ وائے بر حال اہل دنیا! کہ اتنے بڑے رزاق اور ناز بردار خالق اکبر کو فراموش کر دیں جو باوجود لوگوں کی ہزار ہا نافرمانیوں اور اُن کے کفران نعمت کے اپنے الطاف اور اپنی نوازشات اُن پر برابر جاری رکھتا ہے اور تادم مرگ جاری رہنے دیتا ہے کیا اہل دنیا کی نظر میں حق تعالیٰ کی اتنی بھی وقعت نہیں جتنی کہ ایک بچہ کی نگاہ میں دایہ کی ہوتی ہے۔ دایہ سے بچہ اس درجہ مانوس ہو جاتا ہے کہ ماں تک کے پاس نہیں جاتا۔ حالانکہ دایہ سے بچے کو صرف راحت

پہنچتی ہے۔ کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ ایک اجنبی دایہ سے راحت پاکر ماں جیسے قوی رشتہ سے بچہ کا بیگانہ ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ روح جسم جیسی اجنبی شے سے راحت پاکر اُس سے اس درجہ مانوس ہو جاتی ہے کہ قوی نسبت رکھنے والی چیز کی طرف بُلائی جاتی ہے تو انائے جسم کی گود سے لپٹ جاتی ہے۔ پھسلا پھسلا کر، مٹھائی اور کھلونے دے دیکر اُسے انّا کی گود سے لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بچہ اضافات میں پھنس کر اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے مگر ہوشیار ہو جانے کے بعد اضافات سے نکل کر وہ پھر اپنی اصلیت کی طرف رجوع کرتا ہے۔

## عشق الٰہی کی تعریف:

ارشاد فرمایا کہ:۔ روح میں جس وقت برکات ذکر کا اثر ہوتا ہے تو اُسے لذات دنیا سے کنارہ کشی ہو جاتی ہے اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ تعلق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ حالت محویت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی منزل عشق ہے۔ عشق الٰہی اس بے چینی اور طیش بیہودہ کو نہیں کہتے جو مجازی صورتوں میں واقع ہوا کرتی ہے۔ بلکہ عشق محویت ہے۔

## فضیلت عشق:

ارشاد فرمایا کہ:۔ شیطان باوجود اس قدر عبادت کے کیوں مردود ازلی ٹھہرا اور آدم علیہ السلام کا قصور کیوں معاف ہو گیا؟ خطا دونوں نے کی تھی۔ نافرمانی دونوں سے سرزد ہوئی تھی۔ پھر ان دونوں کے ساتھ معاملہ جُدا جُدا کیوں ہوا؟ اس کا سبب یہ ہے کہ طاعت بلاعشق اور عشق بلا طاعت بیکار ہے۔ شیطان کی طاعت میں بوئے عشق نہ تھی۔ وہ زاہد خشک تھا۔ آدم علیہ السلام میں عبدیت تھی۔ اُن سے عبدیت کا اظہار ہوا اور ہمیشہ کے لئے اُن کا قصور معاف ہو گیا۔ بلکہ اُن پر بڑا الطاف ہوا کہ اُن کا گناہ حصول کمالات کے لئے ایک ذریعہ بن گیا۔ اگر آدم علیہ السلام سے یہ گناہ سرزد نہ ہوتا تو وہ اس دنیا میں نہ آتے اور ان ظاہری و باطنی کمالات انسانی کا وجود ظہور میں نہ آتا۔ حضرت

انسان کو دیکھو کہ اتنے بڑے جانور کو جیسے کہ ہاتھی ہے کس طرح اپنا فرمانبردار بنا لیتے ہیں کہ اس کی گردن پر پشہ کے مانند چڑھے پھرتے ہیں اور اُسے اپنے اشاروں پر چلاتے ہیں۔ کہیں گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے اُڑائے پھرتے ہیں۔ کہیں بھالو کا تماشہ دکھاتے ہیں۔ کہیں بندر نچاتے ہیں۔ کہیں شیر کو کُتّے کی طرح پیٹ لیتے ہیں اور کمالات باطنی کا یہ حال ہے کہ ملائکہ پر شرف حاصل ہو گیا۔ مگر شیطان سے سرکار ایسے خفا ہوئے کہ اس کی خطا نہ معاف ہونی تھی نہ معاف ہوئی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ قرآن سے ہدایت صرف ونحو کی مدد سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس آیۃ کریمہ کے مطابق قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ رضائے الٰہی سے ہوتی ہے۔ رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے عشق سے اور عشق حاصل ہوتا ہے معرفت کے بعد۔

ایک روز حاضرین میں سے ایک مُرید نے سوال کیا کہ:۔ غایت عشق ہے یا معرفت؟ جواب میں حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ عشق۔ معرفت بلا عشق بے سود ہے۔ ابلیس کی مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔ اُسے معرفت حاصل تھی یہاں تک کہ وہ مقربین بارگاہِ الٰہی میں بھی شامل ہو گیا تھا۔ مگر وہ عشق سے محروم تھا۔ جس کی وجہ سے اس نوبت کو پہنچا۔ بیٹا باپ کا عارف ہوتا ہے مگر اس فکر میں رہتا ہے کہ باپ مرے تو میں وارث بنوں۔ معرفت یہود میں بھی تھی۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ مگر اُن کی اس معرفت نے انہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ یہ ضرور ہے کہ عشق بلا معرفت حاصل نہیں ہوتا۔ مگر عشق کے لئے معرفت تامّہ کی ضرورت نہیں۔ معرفت تامہ بعد عشق کے حاصل ہوتی ہے اُس وقت دونوں چیزیں لازم ملزوم ہو جاتی ہیں کیوں کہ العشق نار یحرق

ماسوائے المحبوب۔ سوائے محبوب کے کوئی شے باقی نہیں رہتی۔ اس وقت وحدت الوجود کا مسئلہ تحقیقی طور پر حل ہو جاتا ہے ؎

تو مباش اصلا کمال انیست وبس     تو درو گم شو وصال انیست وبس

گم شدن گم کن کمال اینست وبس

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ :حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر آتش نمرود کے گلزار ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام آتشِ عشقِ الٰہی کے مبتلا تھے۔ بھلا اُن کو آتشِ کائنات کیوں کر جلا سکتی، آتش آتش رانسوزد۔

**طریقہ حصول محبّت و محبوبیت:** ارشاد فرمایا کہ:۔ کسی کو اپنے اوپر عاشق کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ تم اُس پر عاشق ہو جاؤ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ وہ ایک دن تم پر عاشق ہو جائے گا اور تم اس کے معشوق بن جاؤ گے۔

حاضرین میں سے ایک مُرید نے عرض کیا کہ :۔ عاشق بننے کی تدبیر کیا ہے ؟ ارشاد فرمایا کہ :۔ عاشقوں کی صحبت میں بیٹھنا اور عاشقوں کے سے کام کرنا۔

# رُوح

**علم رُوح کشفی ہے** ارشاد فرمایا کہ :۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے جب سوال کیا گیا کہ روح کیا ہے تو وحی نازل ہوئی کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ظاہر بین قیاس کرتے ہیں کہ بوجہ راز ہونے کے یہ امر پوشیدہ رکھا گیا ورنہ اس حقیقت کا انکشاف بھی ممکن تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس ارشاد میں بھی ایک مصلحت ہے۔ علم روح کشفی ہے نہ کہ مثل دیگر علوم دینوی کے حسّی۔ اس کا اظہار کر بھی دیا جاتا تو لوگوں

کی سمجھ میں نہ آتا۔ پس قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں پوشیدہ ہے ترغیبِ حصول معرفت۔ جسے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی اُسے حق تعالیٰ کے کارخانہ کی چیزوں کا سمجھ لینا کیا دشوار رہے؟ ع رہِ دیوانگاں عاقل چہ داند۔ راہِ حقیقت کے دیوانوں کی باتیں عقل دنیا پر قناعت کرنے والے کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ ادراک بالاتر حسّیات احاطہ عقل سے باہر ہے۔ تخیل انسانی حسّیات پر موقوف ہے۔ انسان جب ایک بے دیکھی چیز کا تصوّر کرتا ہے تو اُسے کسی دیکھی ہوئی چیز ہی پر قیاس کرتا ہے۔ پس عقل دنیا رکھنے والوں کے فہم و ادراک میں اُمور ماورائے عقل کیوں کر آسکتے ہیں۔

ایک روز حضرت باندرہ (بمبئی) میں ایک مرید کے مہمان تھے۔ بجلی کا فرشی پنکھا چل رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر ارشاد فرمانے لگے: قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ سے کس قدر سچی حقیقت کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ بجلی کے کارخانہ سے بجلی کی لہریں نکل کر اُس باہر والے تار پر دوڑ رہی ہیں۔ اس برقی پنکھے کی ڈوری اُس تار سے منسلک ہوتے ہی پنکھا رواں ہوجاتا ہے۔ اس ڈوری کو پلگ سے الگ کر دو۔ فوراً پنکھا بند ہو جائے گا۔ یہی حال روح انسانی کا ہے۔ جب تک حق تعالیٰ کی توجہ انسان کی جانب اس عالم میں انسان کے ساتھ منسلک ہے روح بھی بدن انسانی میں موجود ہے اور انسان چلتا پھرتا کھاتا پیتا اور سب ہی کچھ کرتا ہے اور اُس کا شمار یہاں والوں کے نزدیک زندوں میں ہوتا ہے۔ جس وقت حق تعالیٰ کی نظر ہٹی، بس یہاں کچھ بھی نہیں رہتا۔

**روح حیوانی و روح انسانی:** ارشاد فرمایا کہ: حیوانات میں بھی روح ہوتی ہے مگر وہ روح حیوانی ہوتی ہے نہ کہ روح انسانی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن میں نطق انسانی اور عقل انسانی نہیں پائی جاتی۔ انسان میں دو قسم

کی روحیں ہوتی ہیں۔ روح حیوانی اور روح انسانی۔ روح حیوانی مرکب بنتی ہے روح انسانی کا۔ روح حیوانی ہی کی وجہ سے انسان میں بہائم کے سے اوصاف مثل غصہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ روح حیوانی فنا ہو جاتی ہے۔ بقا صرف روح انسانی ہی کے لئے ہے۔

**نفخ روح:** ارشاد فرمایا کہ:۔ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي حق تعالیٰ نے لب وجود لگا کر بے جان کالبد آدم میں روح پھونکی تو جملہ جلوہ ہائے اسماء وصفات کالبد خاکی میں آ گئے مثل آواز نَے کے جب نَے نواز نَے کو منہ سے لگاتا ہے اور اُس میں سے آواز نکالتا ہے تو کس قدر دلکش اور سُریلی آواز نَے میں سے نکلتی ہے جس کا پہلے کسی کو علم بھی نہیں ہوتا۔ آواز نَے باطناً ایک سادہ آواز ہے مگر ظاہراً اس میں اُتار، چڑھاؤ، مختلف ترکیبیں، مختلف کیفیتیں اور مختلف شانیں مثل مظاہر اسماء وصفات کے آشکارا ہوتی ہیں۔ بانسری بجانے والا اپنی آواز سے دوسروں کو بھی مست کرتا ہے اور خود بھی مست ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں اپنے کمال پر وجد کرتا ہے۔ انسان مثل نَے کے ہے۔ اُس میں سے جن کمالات کا اظہار ہوتا ہے وہ سب نَے نواز کے کمالات ہیں۔ انسان غلطی کرتا ہے جو انہیں اپنے کمالات سمجھنے لگتا ہے۔ منجملہ اُن کمالات کے جو پردۂ انسان میں سے ظاہر ہوتے ہیں ایک کمال جلوۂ خودی بھی ہے جو نَے نواز حقیقی کا پرتو ہے۔ اس خودی کی حقیقت پر ماہر ہوتے ہی حقیقت پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور انسان جس اصل کی شاخ ہے اس کا پتہ چل جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق جب عمل میں آئی اور دست قدرت اُن کی پشت پر پھیرا گیا تو جس طرح پانی کی بوندیں موم جامہ کو جھٹکنے سے گرتی ہیں جملہ ارواح جو سلسلۂ آدم علیہ السّلام سے اس دنیا میں آنے والی تھیں اُن سے جدا ہو کر مجتمع

ہو گئیں۔ ارشاد ہوا کہ اے آدم! یہ سب تمہاری اولاد ہے جو پیدا ہوگی۔ عرض کیا کہ اے خداوندا! یہ کہاں سمائے گی۔ فرمایا گیا کہ کچھ آسمان پر رہیں گی، کچھ زمین پر، کچھ زیر زمین، اس طرح سب کی گنجائش ہو جائے گی۔ بعدازاں جملہ ارواح پر تجلی رحمانی فرمائی گئی۔ جن ارواح پر شان جمالی کا غلبہ رہا وہ انبیاء، اولیاء، اوتاد، زہاد، عباد کی ارواح تھیں، جن پر جلال کا غلبہ رہا وہ کفار و فساق کی ارواح تھیں۔ چنانچہ عالم ملکوت سے ارواح روحانی سبق پڑھ کر آئی ہیں۔ جو اجمال ان کو وہاں پڑھایا گیا اس کی تفصیل سکھلانے کے لئے انبیائے کرام اس دنیا میں بھیجے گئے۔ جنہیں توفیق نیک عطا ہوئی۔ انہوں نے استادان راہ حقیقت سے جملہ دقائق حل کئے اور امتحان الٰہی میں کامیاب ہو کر انعامات الٰہی کے مستحق قرار پائے۔ مگر جو بدبخت نکلے انہوں نے اپنے پڑھے ہوئے اجمالی سبق کو بھی نسیاً منسیا کر دیا اور جب زمانہ حصول علم ختم ہوا یعنی اس دنیا کی زندگی ختم ہوئی تو اُن کی ارواح کو بوجہ عدم تیاری کے وحشت ہوئی۔

## خصوصیات روح:

ارشاد فرمایا کہ:۔ باغ دنیا کیسا سجا سجایا، ہرا بھرا پھول پتی اور پھلوں سے آراستہ و پیراستہ، سرسبز و شاداب ہے اور انسان اس باغ کی بلبلیں ہیں۔ جن کی نوا سنجیوں سے باغ دنیا میں چہچہے ہیں۔ اگر انسان نہ ہو تو باغ دنیا ویران اور سنسان نظر آنے لگے اور اگر انسان میں عالم ملکوت کی چڑیا یعنی روح نہ ہو تو وہ بے جان خاک سے بھی بدتر ہے۔ گویا دنیا کی جان انسان ہے اور انسان کی جان روح ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو اصل شے ہے وہ یہی روح ہے جس کی بدولت انسان اپنی ذات کو "میں" کی ضمیر سے خطاب کرتا ہے۔ جس وقت روح غائب ہو جاتی ہے لفظ "میں" نہیں نکلتا۔ دیکھو! عرف عام میں بھی لوگ مُردے کو فلاں کی نعش کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ فلاں شخص ہے۔ معلوم ہوا کہ نام بھی دراصل اسی روح سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس لفظ "میں" سے خودی ظاہر ہوتی ہے اور خودی یا تشخص کا

اظہار اس سبب سے ہوتا ہے کہ تخلیق آدم کے موقع پر حق تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اور چونکہ اصل میں خودی متحقق ہے فرع میں بھی بوئے خودی آگئی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ :- پیدا ہوتے وقت بچہ کے گریہ کا کیا سبب ہے؟ اطباء اور مختلف طبقہ کے لوگوں نے اس کے مختلف وجوہ بیان کئے ہیں۔ لیکن اس کا اصلی سبب روح انسانی سے متعلق ہے۔ یہ سبب حضرات صوفیہ نے کشفاً دریافت فرمایا ہے۔ چنانچہ اصلی سبب یہ ہے کہ روح عالم ملکوت سے دنیا کی جانب آتی ہے جو خبائث وکثافت سے مملو ہے تو بوجہ ملکوتیت اُس پر حزن طاری ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے جو بچہ پیدا ہوتے وقت روتا ہے۔ روح یہ خاصیت غم جو اپنے ساتھ لاتی ہے تا دم موت قائم رہتی ہے۔ یہی سبب ہے جو عموماً خوشی کا اثر انسان پر دیر تک نہیں رہتا۔ بخلاف رنج وغم کے آثار اور حزن و ملال واضمحلال کے جو تا دیر قائم رہتے ہیں۔ دنیا میں روح کو جس قدر خواہشات دنیا سے پاک کرتے جاؤ گے ملکوتیت بڑھتی جائے گی اور جس اصل کا وہ ذرّہ ہے اُس سے قابلیت تعلق میں زیادتی اور آثار حزن میں کمی واقع ہوتی جائے گی۔ برخلاف اس کے جو شخص طلب دنیا میں منہمک ہے اس کی روح سے حالت اصلیہ مفقود ہوتی جاتی ہے اور اس پر بارِ غم بڑھتا جاتا ہے۔ اہل دنیا کی پریشانیوں کا یہی سبب ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :- ہر مرض انسان کو ضعیف کر دیتا ہے اور قائم رہا تو تھوڑے ہی عرصہ میں مریض کو ہلاک بھی کر دیتا ہے۔ باستثناء ایک مرض کے جسے جنون کہتے ہیں۔ دیکھو! مجنون کسی بات میں حفظ صحت کے قواعد کے پابندی نہیں کرتا اور تقلیل غذاء وغیرہ کی وجہ سے گو اس کا جسم لاغر ہو جاتا ہے مگر جنون میں جوں جوں اضافہ ہوتا جاتا ہے مجنون کی قوت میں بھی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ تم نے دیکھا

ہو گا کہ پچیس پچیس آدمی اُسے پکڑتے ہیں اور وہ اُن کے قابو میں پورے طور پر نہیں آتا۔ باوجود حفظ صحت کے قواعد کی خلاف ورزی اور جسم کی لاغری کے اس قوت کا کیا باعث ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجنونانہ حالت سے مجنون کی روحانی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حواس خمسہ اور تخیلات منتشر کی موجودگی میں روح گھبراتی ہے اور اس میں اضمحلال واقع ہوتا ہے۔ حواس خمسہ کی تعطلی اور خیالات کی یکسوئی سے روح پر بشاشت آتی ہے اور اس کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ مجنون کی مثال سے معلوم ہوا کہ روح میں جسم سے زیادہ قوت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک دیوانہ کو قابو میں لانے کے لئے بیس پچیس آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ دوسری خصوصیت روح کی یہ ہے کہ اگر وہ قوی ہے تو جسم کو سنبھالے رہتی ہے۔ بمقابلہ دیگر امراض کے جنون زیادہ عرصہ تک مجنون کو زندہ رکھتا ہے اور اس کے جسم کو سنبھالے رہتا ہے۔ ہر مرض کا قائم رہنا مریض کو تھوڑے عرصہ میں ہلاک کر دیتا ہے۔ مگر مجنون حالت جنون میں تیس تیس برس اور کبھی اس سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہتا ہے۔ تیسری خصوصیت روح کی یہ ہے کہ زندگی بڑھاتی ہے۔ پہلوان کی عمر باوجود قوت جسمانی کے کم ہوتی ہے ورزش کی وجہ سے اس کے خون کا بیشتر حصہ گوشت بن جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خون اس کے جسم میں کم رہتا ہے اور روح ضعیف ہو جاتی ہے۔ ضعیف روح سے عمر اس کی گھٹ جاتی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ بادام کے اوپر نہایت مضبوط اور سخت چھلکہ ہوتا ہے جو مشکل سے ٹوٹتا ہے۔ اس کے نیچے ایک اور نرم چھلکہ ہوتا ہے جسے علیحدہ کرنے کے بعد قشر نکلتا ہے اسی طرح روح پر بھی دو غلاف ہیں۔ اوپر کا غلاف تو یہ جسم ہے اور نیچے کا غلاف نفس ہے جو برزخ ہے درمیان جسم اور روح کے۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :۔ مومن کی روح بعد موت بھی ترقی کرتی ہے۔ حجاب جسم

کے دور ہونے کے بعد ترقی کی رفتار میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔

**کمالات روح:** ارشاد فرمایا کہ:۔ ظاہر و باطن کی صورتوں میں ہمیشہ اختلاف ہوا کرتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ایک ڈبیا اوپر سے لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور اُس پر کسی قدر روغن پھیرا ہوا ہے۔ کھول کر دیکھتے ہو تو اندر ایک نہایت بیش قیمت ہیرا رکھا ہوا ہے۔ اس باطن کو ظاہر سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ اب ایک دوسری مثال لو۔ ایک لمبی سی تھیلی ہے جو دس بارہ ہاتھ لانبی ہو گی۔ بھرنے والے نے اُس تھیلی کی تہہ میں تھوڑی دور تک جواہرات بھرے ہیں۔ جواہرات کے اوپر اشرفیاں۔ اشرفیوں پر روپے۔ روپیوں پر پیسے اور پیسوں پر کوڑیاں بھری ہیں۔ ایک شخص آتا ہے اور ہاتھ مارتا ہے۔ اس کے ہاتھ کوڑیاں آتی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ تھیلی میں کوڑیاں ہی کوڑیاں ہیں دوسرا شخص آتا ہے جو کسی قدر لانبا ہاتھ مارتا ہے۔ اس کے ہاتھ پیسے آتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ تھیلی میں پیسے ہی پیسے ہیں ایک اور شخص آتا ہے اور وہ اس سے بھی بڑھ کر ہاتھ مارتا ہے اُسے روپے ملتے ہیں۔ اسی طرح کسی کو اشرفیاں ملتی ہیں اور کسی کی قسمت میں جواہرات ہوتے ہیں۔ تھیلی کی صورت ظاہری کو اُس کے باطن کی اس وسعت اور ان اختلافات سے کوئی نسبت نہ معلوم ہوتی تھی۔ یہی حال روح کا ہے۔ اس روح کی تھیلی میں جواہرات، اشرفیاں، روپے، پیسے اور کوڑیاں سب موجود ہیں۔ جواہرات لاہوت، یاہوت ہاہوت اور سیر فی اللہ ہیں۔ اشرفیاں معرفت اسماء و صفات ہیں۔ روپے زہد و تقویٰ۔ پیسے خطرات و وساوس ہیں اور خواہشات نفس ہیں۔ دنیا داروں کے پلے کوڑیوں اور پیسوں کے سوائے کچھ نہیں پڑتا۔

**تعلق روح و جسم:** ارشاد فرمایا کہ:۔ جسم کے پنجرے میں عالم ملکوت کی چڑیا روح بند ہے اگرچہ چڑیا کو پنجرے سے بوجہ اُس میں مقید ہونے کے اور

اُس کے ساتھ ایک سابقہ رکھنے کے ایک مناسبت پیدا ہوگئی ہے مگر دراصل پنجرے کی نوعیت اور چڑیا کی نوعیت میں دیکھو کس قدر فرق ہے۔ بوجہ دونوں میں ایک عارضی مناسبت پیدا ہو جانے کے دونوں باہم ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ ایک شخص اچھا خاصہ تندرست اور خوش وخرم ہوتا ہے کہ یک بیک اُسے کوئی رنج یا صدمہ پہنچتا ہے اور وہ گھلنے لگتا ہے اور دبلا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ نہ جسمانی غذا اُسے تقویت پہنچاتی ہے نہ اُس غذا کی اُسے کچھ ایسی زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ حالاں کہ رنج و غم کو جسم سے کوئی تعلق نہیں روح سے البتہ تعلق ہے۔ رنج ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے روح کو تکلیف پہنچتی ہے۔ روح کی تکلیف کا اثر اُس کے ہم نشیں یعنی جسم پر پڑتا ہے اور جسم گھلنے لگتا ہے۔ اسی طرح روح بھی جسم کی ہم جلیسی سے متاثر ہوتی ہے اور کاہلی، راحت طلبی اور لذات جسمانی پر دلدادگی جو جسم کی طینت میں داخل ہے سیکھتی جاتی ہے۔ جسم اگر غالب رہا اور روح کو اُس نے اپنے رنگ میں رنگ لیا تو روح کی وہی حالت ہو جاتی ہے جو ایک شریف زادے کی لُچوّں، شہدوں، بدمعاشوں اور مبتذل لوگوں کی صحبت میں ہوتی ہے اور اگر روح غالب رہی اور روح نے جسم کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تو سبحان اللہ۔

اہل دنیا کی ارواح کو چوں کہ اُن کے اجسام سے تعلق زیادہ قوی ہوتا ہے اس لئے جب اُن کے اجسام صعوبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اُن کی ارواح بھی زیادہ ایذا پاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذاتی اغراض میں ڈوبے ہوئے اہل دُنیا اپنے افکار اور اپنی پریشانیوں سے زیادہ تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی ارواح میں ذکر الٰہی اور ریاضت و مجاہدہ کی برکت سے لطافت بڑھ جاتی ہے اور عالم ملکوت سے اُن کی روحوں کو مناسبت قوی ہو جاتی ہے اُس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ان کی ارواح کا اُن کے اجسام سے تعلق ضعیف ہو جاتا ہے اور اُن کی نسبت مع اللہ میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔

یہ روحیں قیدِ جسم سے ہر وقت بیزار رہتی ہیں جب تک جسم میں اُن روحوں کو اپنے میں مقید رکھنے کی قوت باقی رہتی ہے وہ کم و بیش مانع ترقیٔ روح ہوتا رہتا ہے مگر اس قوت میں کمی آتے ہی یہ رُکاوٹ جاتی رہتی ہے اِس قید کے ختم ہوتے ہی روح کو آزادی حاصل ہو جاتی ہے اور ترقی کا دروازہ پوری طرح کھل جاتا ہے۔

# موت

**تیقن موت:** ارشاد فرمایا کہ :۔ سب کچھ کرنا مگر ایک بات ہرگز ہرگز نہ کرنا۔ موت کو کبھی نہ بھولنا۔ موت آئے گی۔ ضرور آئے گی۔ یقیناً آئے گی اور بہت جلد آئے گی۔ وہ تمہارے سروں پر کھیل رہی ہے۔ آئے گی اور تمہاری آنکھیں کھول دے گی۔ تب تم کو معلوم ہوگا یہ دنیا اور اس دنیا کی تمہاری زندگی ایک خواب تھا۔ پھر معاملہ نرے اللہ کے ساتھ رہ جائے گا اور لاکھوں کروڑوں برس رہے گا۔ پس ایسی یقینی چیز کو کبھی نہ بھولنا اور ہمیشہ یاد رکھنا۔ دیکھو! موت کیسی یقینی چیز ہے۔ ہر شخص کو اس کا یقین ہے۔ مگر باوجود اس درجہ یقینی چیز ہونے کے اُس کے اور لوگوں کے درمیان شک کا پردہ حائل ہے۔ ایسی یقینی چیز اور اتنی مشکوک! اسی طرح دیکھو! اللہ بھی نہایت درجہ یقینی ہے اور وہ بھی شک کے پردہ میں چھپا ہوا ہے۔ اس کا کمال ہی لوگوں کے لئے حجاب ہو گیا۔ اللہ جیسی یقینی ہستی کے متعلق شک و شبہ واقع ہونے کا باعث غیر اللہ اور لذات دنیا میں انہماک ہوا کرتا ہے۔

**حقیقت موت:** ارشاد فرمایا کہ موت کا حال بالکل خواب کا سا ہے جس طرح انسان مثلاً لکھنؤ میں سوئے اور عالم خواب میں کلکتہ کی سیر کر لے اسی طرح انسان اس دنیا میں مرتے ہی چشم زدن میں عالم ملکوت کی سیر کرنے لگتا ہے

بس اتنا ہوتا ہے کہ جیسے اس دنیا میں بعض سوتے ہی خواب دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ بعض آدھی رات میں بعض پچھلی شب میں، اسی طرح بعض لوگ مرتے ہی برزخ کی سیر شروع کر دیتے ہیں۔ بعض تین دن بعد، بعض چالیس دن بعد اور بعض اس سے بھی زیادہ عرصہ بعد، اس راہ کی برکات کو دیکھو کہ موت جیسی سخت اور مہیب چیز حضرات صوفیہ کے نزدیک بجائے مہیب اور اندوہناک ہونے کے باعث مسرت ہوتی ہے اور وصال کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ موت اُن لوگوں کے لئے مہیب ہوتی ہے جن کی ارواح میں بوجہ کثافات کے اور دلدادگی دنیا کے اپنی اصل سے تعلق پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی اور اپنے وطن اصلی سے اجنبیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل دنیا پر موت کے نام سے خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ ارواح پاکیزہ جو دنیا میں جلاء پا چکی ہیں، جن پر اُس عالم کے اسرار یہیں منکشف ہو چکے ہیں، جو اس عالم کے برکات کی چاشنی یہاں چکھ چکی ہیں، بجائے مغموم و محزون و خائف ہونے کے اس پردۂ ظاہری کے چاک کرنے کے لئے ہر وقت بیتاب رہتی ہیں۔ آیتہ کریمہ اَلَآ اِنَّ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی یہی تفسیر ہے۔ جن حضرات پر اُس عالم کے اسرار منکشف ہو چکے ہیں، جن کے نزدیک موت کی حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ اس دنیا کی کثیف، عارضی اور فانی لذات کو چھوڑ کر ابدی، دائمی اور بعید از قیاس لذات و نعمات و برکات کا دروازہ کُھل رہا ہے وہ بھلا موت جیسی دوست سے ملانے والی چیز سے کیوں گھبرائیں گے۔

**سکرات موت:** ارشاد فرمایا کہ:۔ سکرات موت اس اُلجھن کو کہتے ہیں جو موت سے قبل ہر ذی روح کو پیش آتی ہے۔ اس میں فساق و صلحاء سب شامل ہیں لیکن دونوں کی سکرات میں فرق ہے۔ صلحاء کی لطیف ارواح میں چونکہ

عالم ملکوت کی جانب رجوع کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اُن پر حُصول مخلصی کے عجلت کا ایک اضطراب غالب ہوتا ہے۔ جس طرح کہ کسی بہت اچھے مقام پر جانے کے لئے یا کسی بہت بڑی منفعت کے حصول کی نیت سے سفر شروع کرتے وقت مسافر پر ایک اضطراب سا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے صلحاء کی موت کو وصال سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو دن کہ اوروں کے لئے غم واندوہ کا ہوتا ہے اہل آخرت کے لئے مسرت وراحت کا دِن ہوتا ہے۔ اُنہیں کثافت جسمانی سے نجات حاصل کر کے عالم ملکوت کی جانب رجوع کرنے اور حجاب جسمانی کے باعث جو ترقیات کہ معرض التوا میں تھیں اُن کے حصول کا موقع ملتا ہے اس لئے یہ اُن کی عید کا دن ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے فساق کی ارواح کو سکرات کے وقت اپنی بے مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ جسم خاکی سے جو انہیں اُنس پیدا ہو جاتا ہے اور لذات جسمانی کی جو دلدادگی اُن میں آجاتی ہے اُس کی وجہ سے جسم سے مفارقت واقع ہوتے وقت اُن پر گھبراہٹ طاری ہوتی ہے۔ عالم بالا میں جانے کے لئے اُنہوں نے کوئی تیاری نہیں کی اور جو فطری صلاحیت اُن میں تھی بھی اُس کو انہوں نے ضائع کر دیا۔ اس وجہ سے نئے عالم میں جاتے ہوئے اُن پر خوف طاری ہوتا ہے اور اُنہیں سخت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔

انسان جب قریب المرگ ہوتا ہے تو آثارِ موت یوں مترتب ہونا شروع ہوتے ہیں کہ سب سے پہلے داہنے پیر کے انگوٹھے کے سرے پر ایک ٹھنڈا نقطہ سا محسوس ہوتا ہے۔ پھر وہ پھیلنا اور بڑھنا شروع ہوتا ہے اور اوپر کی طرف چڑھ کر ناف تک پہنچتا ہے اور وہاں سے نیچے بائیں پیر میں دوڑ جاتا ہے۔ جوں جوں یہ بڑھتا ہے خون منجمد ہوتا جاتا ہے۔ جسم سُن ہوتا جاتا ہے اور مرتا جاتا ہے۔ ناف تک پہنچنے کے بعد جانکنی کی تکلیف شروع ہوتی ہے۔ سانس اکھڑ جاتی ہے یعنی اُس پر قابو نہیں رہتا اور اُس میں خرخراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ قلب تک پہنچ کر تکلیف اور زیادہ

ہو جاتی ہے اور اُمُّ الدماغ تک پہنچ کر تو بہت ہی زیادہ تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ بعض پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ اس بے ہوشی میں انہیں یہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ یہ بے ہوشی بمنزلہ کلوروفارم کے ہے جو عمل جراحی کے وقت مریض کو دیا جاتا ہے تاکہ اُسے چیر پھاڑ کی تکلیف محسوس نہ ہو۔ جن پر مرگ مفاجات آتی ہے اُنہیں بھی موت کی اطلاع پہلے سے بشکل گھبراہٹ ملتی ہے مگر وہ عام طور پر اُسے سمجھتے نہیں۔ یہ گھبراہٹ دراصل روح کی جسم سے بیزاری ہے جسم انسانی جب تندرست ہوتا ہے تو روح اس کے ہمرنگ ہو جاتی ہے اور مثل جسم کے لذائذ جسمانی کی شیدا ہو جاتی ہے۔ مگر جب جسم مریض ہو جاتا ہے یا کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو روح لذائذ کی رغبت سے ہٹ کر اپنے اصلی رنگ پر آجاتی ہے اور جسم بھی اُس کا مطیع ہو جاتا ہے۔ روح و جسم دونوں اس طرح ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ روح کا رنگ اصلی توحید خیالی ہے اور توحید خیالی کے برابر لذّت اسے کسی دوسری چیز میں نہیں آتی۔

جب روح ناف تک نکل چکتی ہے اور جانکنی کی تکلیف شروع ہو جاتی ہے تو چہرے پر اُس کے آثار یوں نمایاں ہوتے ہیں کہ ناک ٹیڑھی ہو جاتی ہے اور کان کی لو مُڑ جاتی ہے آثار روحی یہ مترتب ہوتے ہیں کہ روح نکلنے سے قبل ہی برزخ والے نظر آنے لگتے ہیں اور اُس کی جان پہچان کے لوگ جو اس سے قبل مر چکے ہیں اُسے دکھائی دیتے ہیں گویا روح جسم سے تعلق منقطع کرنے سے قبل اُن ارواح مجردہ کو دیکھنے لگتی ہے جو تعلق جسم کو ترک کر چکی ہیں۔ یہ معاملہ اچانک مرنے والوں کے ساتھ بھی پیش آتا ہے اور اُنہیں ارواح متشکلہ نظر آتی ہیں مگر وہ لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اُنہیں مردہ شخص کا دھوکا ہوا حالانکہ وہ دھوکا نہیں ہوتا۔

بعد مردن برزخ میں نمودار ہونے یا برزخ میں آنکھ کھلنے کے معاملہ میں ایسا ہی اختلاف ہوتا ہے جیسا کہ اس دنیا میں لوگوں کے سونے اور خواب دیکھنے کی درمیان

کی مدت میں ہوتا ہے۔

بعض سوتے ہی خواب دیکھنے لگتے ہیں بعض آدھی رات اور بعض پچھلی رات میں وہ لوگ خواہ اچھے خواب دیکھیں خواہ متوحش۔ اسی طرح بعض لوگ اچھے ہوں خواہ بُرے، مرتے ہی برزخ میں پہنچ جاتے ہیں اور بعض کچھ دیر سو کر، وہ دیر خواہ چند دنوں کی ہو یا چند برسوں کی۔

**موتوا قبل انتموتوا:** ارشاد فرمایا کہ میں بار ہا تم کو سمجھا چکا ہوں کہ اہل دنیا کی موت اس وجہ سے بہت مہیب اور پُر صعب معلوم ہوتی ہے کہ اُن کی روحیں لذات دنیا اور خواہشات نفس کی خوگر ہو جاتی ہیں اور اپنی مرغوب و محبوب چیزوں سے جُدائی انہیں بہت شاق گذرتی ہے اور نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ برعکس اس کے اہل اللہ اذکار و اشغال کی برکت سے اسی دنیا میں قبل موت ظاہری محسوس کر لیتے ہیں کہ اُن کی ارواح کا لذات جسمانی اور راحت دنیوی سے تعلق ضعیف ہوتا جاتا ہے تم خود یہ تجربہ کر دیکھو کہ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ رہو اور اپنے رجحان کو اُس کی طرف بڑھاؤ۔ یہ رجحان جس قدر زیادہ ہوتا جائے گا۔ اُسی قدر لذات دنیا سے تمہارا دل ہٹتا جائے گا اور بتدریج نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ مطلق لذات سے تم میں بے تعلقی ہو جائے گی۔ یہی معنی ہیں موتوا قبل انتموتوا کے۔ دنیوی لذات سے مطلق بے تعلقی موتوا قبل انتموتوا ہے حدیث میں آیا ہے کہ موت اُنہیں آتی ہے جو نفس کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ تو گویا نفس پر جو غلبہ پا لیتے ہیں وہ زندۂ جاوید ہیں اور اُن کی ارواح بڑی بڑی قوتیں حاصل کر لیتی ہیں۔

**اقسام موت:** ارشاد فرمایا کہ :۔ حضرات صوفیہ کے نزدیک چار موتیں ہوتی ہیں جنہیں اختیار کئے بغیر انسان صوفی نہیں بن سکتا۔

اول سفید موت یعنی بھوک پیاس اور نیند پر قابو پا لینا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ

یہ باتیں جاتی رہیں۔ یوں تو مریض کی بھوک پیاس مرجاتی ہے اور اُس کی نیند جاتی رہتی ہے۔ یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ بھوک پیاس اور نیند ہو۔ مگر انسان کو اُن پر قابو ہو۔ اس موت سے چونکہ اشراقیت بڑھتی ہے اسے سفید موت کہتے ہیں۔

دوم موت سرخ ہے یہ خواہشات پر غلبہ پالینے کا نام ہے اس میں چونکہ لذائذ وخواہشات کی قربانی کرنی پڑتی ہے اسے سُرخ موت کہتے ہیں۔

سوم موت سبز ہے۔ یہ آئندہ کے متعلق اُمنگوں کو خیرباد کہہ دینے کا نام ہے۔ چونکہ اس سے ترقی اور سرسبزی شروع ہو جاتی ہے اُسے سبز موت کہتے ہیں۔

چہارم موت سیاہ ہے۔ یہ دارین سے مُنہ پھیر لینے کو کہتے ہیں۔ الفقر سواد الوجه فی الدارین کے یہی معنی ہیں۔ دونوں جہاں سے آنکھ بند کر لینے کی وجہ سے اسے سیاہ کہتے ہیں۔

پہلی تین موتیں یعنی سفید سُرخ اور سبز تزکیہ سے متعلق ہیں اور چوتھی موت یعنی اسود تصفیہ سے تعلق رکھتی ہے۔

# معاملات بعد الموت

**برزخ:** ارشاد فرمایا کہ:۔ ماورائے اس عالم ناسوت کے ایک عالم اور ہے جو عام طور پر پوشیدہ ہے مگر اولیاء اللہ اسے دیکھتے ہیں۔ اُس کا نام عالم برزخ ہے یہ ایک درمیانی عالم ہے جو کہ واسطہ ہے درمیان عالم ارواح اور عالم اجساد کے۔ جس طرح ہمارا یہ جسم ناسوتی ہے بعینہ اسی طرح ہمارا ایک جسم مثالی بھی ہے جو برزخ ہے درمیان روح اور جسم کے۔ اُسے اس جسم ظاہری کے ساتھ مشابہت صوری میں مناسبت ہے اور روح کے ساتھ لطافت میں مناسبت ہے یعنی دیکھنے میں صورتِ مثالی مثل اس جسم ظاہری کے ہے اور

چھونے اور ہاتھ لگانے میں مثل روح کے لطیف ہے اور گرفت میں نہیں آسکتی۔ روح جسم میں آنے سے پہلے بلا تعین تھی۔ جب اللہ نے چاہا کہ کوئی روح کسی جسم میں آوے تو اُس روح نے اپنی صورت مثالی کی طرف نظر کی اور صورت مثالی نے اُسے اپنے میں کھینچ لیا۔ یہ مثالی صورتیں اُسی عالم میں ہوتی ہیں جو عالم ارواح و عالم اجساد کے درمیان ایک برزخی عالم ہے اور اسی بناء پر اُس برزخی عالم کو عالم مثال بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان کیا جاچکا ہے برزخ یعنی عالم مثال میں دونوں عالموں سے مناسبت ہے۔ عالم ارواح سے بھی اور عالم اجساد سے بھی۔ روح کچھ عرصہ تک اس درمیانی عالم میں رہ کر اپنے میں استعداد پیدا کرتی ہے اور پھر نیچے اُتر کر کالی کوٹھری میں یعنی اس جسم ظاہری میں آکر گزارا کرنے کی یہ استعداد پیدا کرلینے کے بعد وہ روح اس جسم انسانی میں آجاتی ہے۔ تو گویا تین عالم ہوئے جن سے روح کو اب تک سابقہ پڑا۔ سب سے پہلے اُسے عالم ملکوت سے سابقہ پڑا جہاں جملہ ارواح انسانی جمع رہتی ہیں۔ وہاں سے اتر کر وہ عالم مثال میں آتی ہے اور مزید نزول کی اپنے میں استعداد پیدا کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ وہاں رہتی ہے اس کے بعد عالم اجسام یا عالم ناسوت میں اُتر کر جسم خاکی میں داخل ہوتی ہے۔ جسم خاکی میں اس کا مرکز لطیفہ قالبیہ ہوتا ہے اس لطیفہ کا مقام ام الدماغ ہے جو وسط پیشانی میں واقع ہے۔ روح کا جسم سے مقام اتصال یہی ہے اور یہی خلاصہ ہے نیچے کے دیگر لطائف کا۔ روح جسم میں سب سے پہلے اسی مقام سے داخل ہوتی ہے اور انتقال کے وقت اس جسم سے جب مفارقت اختیار کرتی ہے تو سب سے آخر یہی مقام ہوتا ہے جسے وہ چھوڑتی ہے۔ عالم قدس سے جب بندہ پر کوئی فیضان نازل ہوتا ہے تو وہ فیضان بھی سب سے پہلے لطیفہ قالبیہ ہی پر وارد ہوتا ہے۔ پھر اس لطیفہ سے وہ فیضان دیگر لطائف میں علیٰ قدر مراتب تقسیم ہوجاتا ہے جس طرح روح کا تدریجی نزول ہوتا ہے اسی طرح اس کا تدریجی عروج بھی ہوتا ہے یعنی جب انسان پر موت واقع ہوتی

ہے تو اس کی روح، جسم خاکی سے نکل کر مع صورت مثالی کے عالم مثال یعنی عالم برزخ میں کچھ عرصہ رہتی ہے۔ اس کے بعد وہاں سے عالم ملکوت کی جانب صعود کرتی ہے۔ موت کے زمانہ سے قیامت تک جو معاملات روح کے ساتھ پیش آتے ہیں ان کا تعلق عالم برزخ سے ہے۔

عالم برزخ کے معاملات سمجھنے کے لئے خواب کی مثال پر غور کرو۔ نیند اور موت میں ایک گونہ مشابہت ہے۔ جب انسان اس دُنیا کی زندگی میں سوتا ہے تو جسم خاکی تو اس کا صریحًا بستر میں مقید ہوتا ہے مگر جسم مثالی دوسرے مقامات کی سیر عالم خواب میں کرتا ہے۔ عالم خواب کے ان مشاہدات کو وہ اسی طرح محسوس کرتا ہے۔ جس طرح کہ کسی چیز کو عالم بیداری میں محسوس کرتا ہے۔ کھانے پینے اور چلنے پھرنے کو اسی طرح محسوس کرتا ہے جیسے بیداری کی حالت میں اپنے جسم سے ان چیزوں کو محسوس کرتا ہے۔ رنج و راحت، خوف و وحشت، خوشی اور غم کو بھی وہ اُسی طرح محسوس کرتا ہے۔ اُس کے جملہ محسوسات و ادراکات مثل بیداری کے ہوتے ہیں۔ موت کے بعد بھی یہی ہوتا ہے۔ جس طرح نیند کی حالت میں جسم خاکی بے حس بستر میں پڑا ہوتا ہے اور جسم مثالی سیر و تفریح میں رہتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد جسم خاکی قبر میں پڑا رہتا ہے اور جسم مثالی عالم مثال میں انعامات و نوازشات الٰہی کا لُطف لینے میں مصروف ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم مثالی جاتا ہے اور واپس آجاتا ہے۔ مگر مرنے کے بعد جسم مثالی روح سمیت نکل جاتا ہے اور پھر یہ حشر تک واپس نہیں آتا اور یہی حقیقت ہے موت کی۔ روح مع اپنے جسم مثالی کے مردہ جسم سے الگ ہو کر قیامت تک برزخ میں اپنے افعال، اپنی حالت اور اپنے مراتب کے مطابق فرحت یا رنج و خوف میں بسر کرتی ہے۔ عالم مثال میں ان محسوسات ارواح کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے آگے آئینہ رکھ دیا جائے تو اُس شخص کو اپنی صورت

اس آئینہ کے اندر نظر آئے گی۔ حالانکہ دراصل وہ شکل وہاں موجود نہیں عالم برزخ بھی مثل آئینہ کے ہے جس میں روح کے افعال و اعمال و احوال متشکل ہوکر اُسے نظر آئیں گے اور وہ اُن کی اصلیت سے واقف ہوکر حسب حال رنج یا راحت محسوس کرے گی۔

روح میں فطرتاً لطافت ہوتی ہے اگر عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان عالم مثال کا برزخ حائل نہ ہوتا اور روح کچھ عرصہ عالم مثال میں رہ کر ظلمت کدہ میں بسنے کے قابل اپنے آپ کو نہ بنا لیتی تو جسم میں آنے سے جو کہ ایک کثیف اور ظلماتی قرارگاہ ہے گریز کرتی۔ مگر باوجود عالم مثالی میں قدرے قیام کرنے کے روح جب جسم میں آکر مقید ہوتی ہے تو بوجہ اپنی لطافت کے گھبراتی ہے اور پریشان ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ میں پہلے ایک مرتبہ پر کہہ چکا ہوں یہی سبب ہے جو بچہ پیدا ہوتے وقت گریہ کرتا ہے۔ جس طرح روح جسم میں آتے وقت گھبراتی ہے اور پریشان ہوتی ہے اسی طرح جسم سے مفارقت اختیار کرتے وقت بھی چندے پریشان ہوتی ہے۔ یہ حال صالحین کا ہوتا ہے اور یہ پریشانی بالکل اسی نوع کی ہوتی ہے جیسی کہ کسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک سفر کرنے میں لاحق ہوتی ہے جس کی تفصیل ایک اور موقعہ پر ہو چکی ہے۔ کفار و فساق و فجار پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ خوف و حسرت و وحشت کی تکلیف شدید ہوتی ہے۔ اگر جسم مثالی کو اس دنیا میں دلدادہ لذات اور خوگر حظِ نفسانی بنا کر کثیف کر دیا گیا ہے تو روح پر بھی اس کا اثر بُرا پڑے گا اور روح بھی اُن لذات کی خوگر ہوکر عالم قدس سے بالکل اجنبی ہو جائے گی اور پیام اجل کے آنے پر مچلے گی اور وہاں جانا پسند نہ کرے گی گو اُسے مجبوراً جانا ہی پڑے گا اور جن لذات کی وہ خوگر ہوگئی ہے اُنہیں چھوڑنا ہی پڑے گا۔ جس سے اُسے سخت تکلیف ہوگی۔ برعکس اس کے اگر روح کو اِن لذات سے دور رکھا گیا ہے اور بجائے اس کے کہ روح کو جسم سے متاثر ہونے دیا گیا ہو جسم کو روح سے متاثر کیا گیا ہے تو مرتے وقت یعنی اُس عالم سے طلبی

ہونے پر انسان نہایت ہنسی خوشی اپنے اصلی وطن اور قدیم آشیانہ کی طرف دوڑے گا یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ روح کو لذات نفسانی سے مجرد کرنے میں روزہ نہایت مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

**اذا وقعت الواقعة:** ارشاد فرمایا کہ :۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے عالم برزخ اور آخرت کے حالات نہایت وضاحت کے ساتھ سورۃ الواقعۃ میں بیان فرمائے ہیں۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا کَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ الخ یعنی جس وقت کہ واقع ہونے والی بات یعنی قیامت واقع ہوگی جس کا واقع ہونا جھوٹ نہیں اور جس کے ایک روز واقع ہونے میں کوئی شک نہیں اُس روز وہ بعضوں کے درجے پست اور بعضوں کے درجے بلند کر دے گی۔ اس کے بعد ذکر ہے کہ کیوں کر قیامت آئے گی۔ زمین زلزلوں سے متزلزل ہو جائے گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر پراگندہ غبار بن جائیں گے۔ پھر حشر کا ذکر فرمایا ہے کہ :۔

وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝

یعنی تم لوگ حشر کے دن تین گروہوں میں تقسیم ہوں گے۔ ایک گروہ داہنی جانب والا ہوگا اور یہ ایسا اچھا گروہ ہوگا کہ اس گروہ کا کیا ہی کہنا اور دوسرا گروہ بائیں

جانب والا ہوگا اور یہ گروہ اتنا بڑا گروہ ہوگا کہ اُس دن بڑی مصیبت میں ہوگا اور تیسرا گروہ سب سے زیادہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کا گروہ ہوگا۔ یہ لوگ سب سے آگے ہوں گے۔ یہی لوگ مقربین بارگاہ الہٰی ہوں گے اور یہ بڑی نعمتوں والی جنت میں داخل ہوں گے ایسے لوگ پہلے زمانے کے لوگوں میں سے زیادہ اور پچھلے زمانہ کے لوگوں میں سے کم ہوں گے۔ ان مقربین بارگاہ قدس میں انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء اللہ شامل ہیں اور اصحاب المیمنہ میں عابد، زاہد، علماء و صلحاء شامل ہیں۔ یہ لوگ پہلوں میں بھی جماعت کثیر میں ہوں گے اور پچھلوں میں بھی جماعت کثیر میں ہوں گے ان دونوں گروہوں پر جو انعامات واکرامات و نوازشات روز جزا میں برسائی جائیں گی اُن کا علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہے اور انسان حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا مظہر اتم ہے۔ اسماء و صفات جمالی بھی ہیں اور جلالی بھی۔ کائنات میں بھی ان دونوں اقسام کے اسماء و صفات کا پرتو ہے اور انسان میں بھی چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ انسان میں دو متضاد صفات غصہ اور رحم پہلو بہ پہلو ہوتی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ جو شے جمیل ہوتی ہے وہ محبوب بھی ہوتی ہے اور جو شے قبیح یا معیب ہوتی ہے وہ غیر محبوب ہوتی ہے۔ فطرت کا مقتضاء ہے کہ محبوب شے سے حصول قرب کی رغبت اور غیر محبوب شے سے دوری کی خواہش پیدا ہو۔ لہٰذا حشر کے دن مقربین بوجہ مظاہر اسماء جمالیہ ہونے کے قرب الی اللہ سے نوازے جائیں گے۔ ارشاد ہو چکا ہے کہ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ روحی میں ی کی ضمیر ذاتِ باری کی جانب راجع ہوتی ہے۔ اس نفخ روح کی بدولت ذات باری ہی کے سرچشمۂ آب حیات سے یہ مقربین سیراب ہوتے ہیں اور اپنی اصل کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ مراتب عالیہ کے حصول میں مقربین کے بعد اصحاب

المیمنہ کا درجہ ہے مگر اصحاب المشئمہ میں کفّار، فساق، فجّار، مکذبین و مجرمین شامل ہیں جو مظاہر جلال ہیں اور جن کے لئے بجز بُعد و محرومی اور کچھ نہیں اور یہی بہت بڑا عذاب ہے قطرہ دریا سے جُدا ہو کر اور جُدا رہ کر فنا ہو جاتا ہے۔ اہل ہدایت جمال کی کشش سے قرب حاصل کریں گے، جمال ذات سے غذاء پائیں گے اور حیات جاودانی حاصل کریں گے۔ اہل ضلالت جلال کی آگ میں جلیں گے اور بُعد کی صعوبت میں گرفتار رہوں گے۔

سورہ واقعہ کے آخر رکوع میں عالم برزخ کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلے تو اُن مکذبین پر لتاڑ ہے جو روز حشر اور خلقت ثانی کے منکر ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝

یعنی مقربین کے لئے (عالم برزخ میں) آرام ہے اور آسائش ہے۔ اس آرام و آسائش کے حقیقی معنی جو ہوں۔ لیکن بظاہر دیکھ لو کہ انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء اللہ کے مزارات پر اس دنیا میں کس قدر رونق اور دلچسپی رہتی ہے۔ کس قدر پھول اور خوشبوؤں کی وہاں کثرت رہتی ہے اور کس قدر چہل پہل وہاں ہمیشہ نظر آتی ہے حقیقت یہ ہے کہ مقربین کی ارواح پاک کو برزخ میں کوئی روک ٹوک کسی قسم کی بھی نہیں ہوتی۔ بعد مردن حجابات جسمانی دور ہو جاتے ہیں اور عالم ملکوت میں اُنہیں پورا رسوخ حاصل ہو جاتا ہے۔ اصحاب یمین یعنی عباد، زہاد و صلحاء کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۙ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝

یعنی ان کو عذاب سے سلامتی کا مژدہ سُنایا گیا ہے۔ گو وہ روحانی آزادی انہیں حاصل نہ ہو گی جو مقربین کا حصہ ہے۔ مکذبین گمراہ کے لئے برزخ میں عذاب ہو گا اور آخرت میں وہ جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

**ایصال ثواب :** ارشاد فرمایا کہ :- تم کسی اجنبی ملک مثلاً یورپ میں جاؤ اور وہاں کے حالات و معاملات سے اجنبی ہو اور وہاں نہ تم کسی کو جانتے ہو نہ تم سے کوئی واقف ہو تو تمہارا جی کتنا گھبرائے گا اور تمہیں اپنی تنہائی کا خیال اُس پردیس میں کتنا پریشان کرے گا لیکن اگر اُس ملک میں چند اشخاص ایسے بھی ہوں جن سے تمہارا غائبانہ تعارف ہو جن سے تمہاری خط و کتابت رہی ہو، نامہ و پیام جاری رہ چکا ہو۔ جن کے پاس تم وقتاً فوقتاً تحفے تحائف بھیجتے رہے ہو۔ تو وہ لوگ تم سے وہاں مل کر کتنے خوش ہوں گے ؛ اور تمہیں ان سے کتنی تقویت پہنچے گی ؛ اور تمہاری تنہائی اور بیکسی کی وحشت دور کرنے میں وہ تمہارے کتنے کام آئیں گے ؛ نامہ و پیام اور ترسیل تحائف سے جو غائبانہ تعارف حاصل ہوتا ہے وہ بھی بڑے کام کی چیز ہے۔ اسی طرح ان ذرائع سے اہل برزخ سے جو تعلق پیدا کر لیا جاتا ہے وہ وہاں پہنچکر بڑے کام آتا ہے۔ ترسیل ثواب اہل برزخ اہل سنت والجماعت کا متفقہ طور پر مسلّمہ عقیدہ ہے۔

ایک اور بات پر بھی غور کر رکھو جو شخص ہر وقت سیر و تفریح میں رہتا ہے اُسے سب آوارہ کہا کرتے ہیں سیر کرنے کے بھی خاص خاص اوقات ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً تمہاری سیر و تفریح کا وقت شام ہے۔ مثل اوقات کے سیرگاہیں بھی ہر شخص کے مذاق کی مناسبت سے خاص ہی خاص ہوا کرتی ہیں مثلاً معزز لوگ اور علمی مذاق رکھنے والے شام کو اپنے ہم مذاق لوگوں کے کلب میں جا کر تفریح حاصل کیا کرتے ہیں آوارہ مزاج لوگ شام کو اُن مقامات کی خاک چھانا کرتے ہیں جہاں اُن ہی کے سے مذاق کے آوارہ اور مبتذل لوگ رہتے ہوں۔ اسی طرح اہل برزخ کے سیر کو نکلنے کے اوقات بھی خاص ہوتے ہیں مثلاً پنجشنبہ، جمعہ، دوشنبہ اور اُن کی سیرگاہیں بھی مختص ہوتی ہیں۔ مثلاً ذاکرین اور مستغرق فی اللہ۔

# اذکار واشغال

**برکات ذکر:** ارشاد فرمایا کہ :۔ کسی کو جب کسی سے کوئی قوی نسبت ہوتی ہے اور اُس کے اظہار میں انکسار کا پہلو مدّنظر ہوتا ہے تو وہ یوں کہتا ہے کہ ہم تو فلاں کے نام لیوا ہیں۔ گویا نام لینے کی نسبت بھی بڑی چیز ہے بشرطیکہ واقعی نام لیا بھی جاتا ہو۔ ورنہ اگر کوئی اجنبی شخص آکر ہم سے کہے کہ ہم تو آپ کے نام لیوا ہیں اور واقعہ اس کے خلاف ہو تو ہمیں غصّہ آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نام لیوا ہی بن جاؤ تو بڑی بات ہے بلکہ یہی سب کچھ ہے۔ ہر ایک کو اپنے نام لیواؤں کی بڑی لاج ہوتی ہے۔ پھر وہ تو اللہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے خون جگر کھا کر فلاں بات حاصل کی ہے۔ جس سے اُن کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ محنت شاقہ سے وہ شے حاصل ہوئی ہے دنیا کی سڑی مڑی سی چیزوں کے لئے لوگ محنت شاقہ گوارا کر لیا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اگر واقعی خون جگر کھا کر بھی ہاتھ آجائے تو سستا ہے۔ اہل دنیا بھی اسے عقلمند کہتے ہیں جو ہزاروں روپے کا ہاتھی دو پیسے میں مول لے آوے۔ انسان اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان تک دے کر اللہ کو حاصل کرلے تو بڑے فائدہ میں رہے گا کیوں کہ اس نے ایک فانی چیز کو دے کر غیر فانی اصلیت کو حاصل کیا ہے دلائل سے تم لوگوں کو کتنا ہی سمجھایا جائے تم اُسے ہرگز نہ سمجھوگے جب منزل پر پہنچ جاؤگے خود بخود سب کچھ سمجھ لوگے۔ اس وقت کسی دلیل کی ضرورت نہ پڑے گی۔ ایک چار برس کے بچہ سے کہو کہ ہم تمہاری شادی کریں گے تو تم کو بڑا لطف آئے گا۔ اس لطف کو تم ہزارہا دلائل سے سمجھاؤ اس کی خاک سمجھ میں نہ آئے گا۔ جب وہ اس منزل پر پہنچ جائے گا۔ خود بخود سب کچھ سمجھ لے گا اور تمہاری

دلیلوں کا محتاج نہ رہے گا۔

باری تعالیٰ کا ذکر باعث نزول برکات و رحمت پروردگار ہے اور اس میں بڑے بڑے فضائل ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے :۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ یعنی (اے پیغمبر) ان لوگوں کو (اپنے پاس سے) مت ہنکا دو جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی ذات کے طالب ہیں۔ نہ ان کا تم پر کوئی حساب ہے نہ تمہارا اُن پر کوئی حساب ہے۔ پس اگر ہانک دیا تم نے ان کو (اپنے پاس سے) تو ہو جاؤ گے تم ظالموں میں سے۔ دیکھو کیسی سخت دھمکی ہے! صبح شام اللہ کو پکارنے والے ذاکرین ہیں اور ذاکر ہونے کی برکت سے حق تعالیٰ کی نگاہ میں ان کا یہ احترام ہے۔ اس آیت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ ریا سے اللہ کا نام لینے والوں کا بھی ادب کرو۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سچے یاد کرنے والوں کا کتنا لحاظ ہو گا۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو توفیق طاعت کن بزرگ کی بدولت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس راہ کی مجھے رغبت دینے والے دو ہیں۔ ایک طوطا اور دوسرا ایک رہزن۔ سائل کو اس جواب پر حیرت ہوئی اور اس نے مزید تفصیل کی درخواست کی۔ بزرگ نے فرمایا کہ ایک دکاندار نے ایک نہایت شیریں گفتار طوطا پالا اور اسے اپنی دُکان پر لٹکایا۔ اس کی میٹھی میٹھی باتیں سُننے کی غرض سے خریداروں کا ہجوم اس دکان پر ہونے لگا۔ ایک روز اتفاق سے پنجرہ کا دروازہ کھُل گیا اور وہ طوطا پنجرہ سے نکل کر دُکان کے ایک کونہ میں بیٹھ گیا۔ دفعتاً ایک جانب سے بلّی نمودار ہوئی۔ جس نے طوطے کا کام تمام کر دیا۔ جس وقت بلّی نے طوطے

کی گردن دبائی میں نے دیکھا کہ وہ طوطا اپنی ساری شیریں گفتار بھول گیا۔ صرف تین مرتبہ اپنی وہی اصلی "ٹیں ٹیں" کی اور ختم ہوگیا۔ مجھے بڑی عبرت ہوئی اور میں نے سمجھ لیا کہ مرتے وقت انسان بھی تصنع کی ساری گفتگو بھول جاتا ہے اور اپنی اصلیت پر آجاتا ہے۔ پس مجھے اپنی اصلی اور ذاتی اور حقیقی اصلاح کا خیال پیدا ہو گیا اور دل نے چاہا کہ ذکر الٰہی سے ایسی صحیح نسبت پیدا کرنا چاہیئے کہ مرتے وقت اللہ ہی اللہ نکلے۔

رہزن کا قصّہ یہ ہے کہ ایک چور چوری اور رہزنی میں اپنی عمر کا بڑا حصہ برباد کر کے جب بوڑھا ہوگیا تو اس کے ساتھیوں نے اسے اپنے پاس سے نکال دیا بخیال اس کے کہ یہ شخص بوجہ ضعف کے چلنے دوڑنے اور بوجھ اٹھانے میں تو ہمارا ساتھ دے نہیں سکتا اور ہماری برابری کر نہیں سکتا لیکن حصہ برابر کا لے جاتا ہے جس سے ہم لوگ خسارہ میں رہتے ہیں۔ اس بوڑھے اور جماعت سے خارج کئے ہوئے رہزن کو جب کوئی اور ترکیب اپنے لئے رزق مہیّا کرنے کی نہ سوجھی تو محض روٹیوں کی خاطر اس نے اپنے کپڑے رنگے اور وہ شاہ صاحب بن کر کسی آبادی کے کنارے ایک سایہ دار درخت کے نیچے اقامت اختیار کر کے لوگوں کے سُنانے کے لئے خوب اللہ اللہ کی ضربیں لگانے لگا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر اُسے خدا رسیدہ سمجھ لیا اور اس کے پاس مرد و عورتوں کا ہجوم ہونے لگا اور کھانا پینا تحفے تحائف بکثرت اس کے پاس آنے لگے چنانچہ وہ بہت بافراغت اپنی ایام گذاری کرنے لگا۔ ایک روز بیٹھے بیٹھے اسے یہ خیال آگیا کہ :۔ "اللہ اکبر! جب جھوٹی طرح اللہ کا نام لینے سے برکتوں کا یہ ہجوم ہو گیا اور اس عیش سے زندگی بسر ہونے لگی کہ رہزنی کے زمانہ میں یہ عیش خواب میں بھی نصیب نہ ہوا تھا تو خلوص اور صداقت کے ساتھ اللہ کا نام لینے سے نہ معلوم کیا کچھ برکتیں اور انعامات پردۂ غیب سے ظہور میں آویں"۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے سارے مجمع کو اپنے پاس سے ہکال دیا اور وہاں سے اُٹھ کر سیدھی جنگل کی

راہ لی۔ پھر اُس شخص کو جو مراتب عالیہ نصیب ہوئے اُن کے کیا کہنے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ سمجھے بھی کہ اس تبدیلی حالت کی کیا وجہ ہوئی؟ یہ مبارک تغیر صرف اللہ تعالیٰ کے نام لینے کی برکت کا نتیجہ تھا۔ ذکر الٰہی اگر ریا سے بھی کیا جائے تب بھی برکات سے خالی نہیں۔ آج کی ریا کل کے خلوص میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے میرے پاس جو مکّار درویش آتے ہیں ان کو میں دوسروں کی طرح ملامت نہیں کرتا بلکہ ان سے نرمی سے گفتگو کرتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ بھائی اس رنگ میں آئے ہو تو اِس رنگ کے حقوق بھی ادا کرو اور اللہ اللہ کرتے رہو کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ اللہ اللہ کریں گے اگرچہ ریا ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو اور خطرات و وساوس کے اشتراک کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو مگر جب ہزار بار وہ اللہ کہیں گے تو کم از کم ایک بار تو ضرور اللہ دِل سے نکلے گا اور رجحان اُن کا ذات پاک کی جانب ہو گا۔ بس جہاں یہ ہوا یقیناً برکات وہیں سے شروع ہو جائیں گی اور ریا صدق و خلوص سے بدل جائے گی۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ ذاکرین کے فضائل نص قرآنی سے ثابت ہیں۔ دیکھو! حضور سرور عالم تاج الانبیاء خاتم المرسلین جامع ہیں جمیع انبیاء کے کمالات کے مرتبہ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى صرف آپؐ ہی کو عطا ہوا ہے کسی اور نبی کو عطا نہیں ہوا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ آپ کے حق میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ اب ذرا دوسرے مقام پر دیکھو اور غور کرو کہ یہی الفاظ ذاکرین اور طالبان حق کی شان میں ارشاد فرمائے گئے ہیں : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝

دیکھو! نبی پر بھی اللہ و فرشتے صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں اور ذاکرین پر بھی جو بکثرت ذکر و شغل میں مصروف رہتے ہیں اللہ و فرشتے صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔ ذاکرین کے مقامات کس قدر بلند ہیں:۔ اور دیکھو! مہاجرین و انصار کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ دوسری جگہ قرآن میں اہل اللہ کے متعلق بجنسہٖ ان ہی الفاظ میں ذکر فرمایا جاتا ہے اور ان ہی انعامات کی بشارت دی جاتی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

ثابت ہوا کہ طالب اللہ بواسطہ اپنے ہادی برحق کے اُن ہی انعامات و برکات و ترقیات و نوازشات کے مستحق ہیں جن کا ذکر اصحاب کبار و مہاجرین و انصار کی شان میں آچکا ہے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ: تم لوگوں کو ابھی محسوس نہیں ہوتا کہ ان اذکار کی بدولت تمہاری روح کی کس قسم کی تربیت ہو رہی ہے۔ نہ تم اس تربیت کے نتائج پر ابھی مطلع ہو سکتے ہو۔ اس راہ کے مبتدیوں کی بھی وہی حالت ہوتی ہے جو دیگر علوم و فنون کے مبتدیوں کی ہوا کرتی ہے۔ مثلاً ایک ایسے بچہ کو لو جو ابھی صرف حروف تہجی سیکھتا ہو۔ اس بے چارے کو کیا خبر ہو سکتی ہے کہ ان حروف میں جو گنتی کے چھبیس یا ستائیس ہوتے ہیں تمام علوم مقید ہوتے ہیں۔ ان ہی کے اُلٹ پھیر سے کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان پر عبور ہو جانے سے تمام کتابوں کے مطالعہ کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ان ہی حروف تہجی کے ذریعہ جنہیں لڑکا بجبر اور بے سمجھے رٹتا ہے

جملہ ابواب علوم کھل جاتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ انہیں استقلال اور پابندی کے ساتھ
اخیر تک پڑھتا اور یاد کرتا چلا گیا۔ اگر لڑکا بدشوق ہے اور اس نے اپنی تعلیم کو
انجام تک نہ پہنچایا بلکہ کہیں درمیان ہی سے چھوڑ دیا تب بھی حروف شناس تو ہو
جائے گا۔ اس کا تلفظ تو صحیح ہو جائے گا۔ اس کا شین قاف تو درست ہو جائے گا۔
معیار علم تو اس کے ہاتھ آجائے گا کچھ تو اس کو نرے جاہلوں پر فوقیت ہو جائے
گی اور کسی حد تک اس کی ضرورتیں بھی پوری ہوں گی۔ یہی حال روح کی اس تعلیم و تربیت
کا ہے جو بذریعہ اذکار عمل میں آتی ہے۔ مبتدیوں کو نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان اذکار کا
روح میں کیا اثر پیدا ہو رہا ہے۔ مگر معلم راہ حق خوب جانتا ہے کہ ان اذکار کی بدولت
طالب حق کی روح کن مدارج کے لئے تیار ہو رہی ہے۔ دیکھو! تم کسی شعر کو دس
بارہ مرتبہ پڑھتے ہو تو وہ تمہیں یاد ہو جاتا ہے اور تمہارے حافظہ میں محفوظ ہو جاتا
ہے اور برسوں بلکہ ساری عمر تمہیں یاد رہتا ہے۔ جب تم اللہ کا نام ہزاروں اور
لاکھوں بار رٹو گے تو کیا وہ تمہاری روح کے حافظہ میں محفوظ نہ ہو گا۔ ضرور محفوظ ہو گا۔
اور لاکھوں کروڑوں برس تک محفوظ رہے گا اور اس کے مفاد و برکات ابدالآباد تک
مترتب ہوتے رہیں گے اگر ایک حافظ قرآن تمہارے سامنے آتا ہے تو تمہیں گمان
تک نہیں ہو سکتا کہ اتنی بڑی کتاب اس کے حافظہ میں کہاں محفوظ ہو گی۔ اُسے خود بھی
محسوس نہیں ہوتا کہ اتنا بڑا خزانہ اس کے اندر کس جگہ محفوظ ہے۔ مگر جب وہ اپنے
حافظہ کو کام میں لانے کی غرض سے اس کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو ساری کی ساری
کتاب اس کے اندر سے نکلتی چلی آتی ہے۔ اسی طرح تمہیں نہیں معلوم ہوتا کہ ذکر الٰہی
اور اس کے اثرات تمہاری روح میں کس جگہ محفوظ ہیں مگر یہ روح میں ایسے پوشیدہ
ہوتے ہیں جیسے پھول میں خوشبو یاد رکھو کہ حافظہ جسمانی بھی اسی وقت تک قائم رہتا
ہے جب تک کہ جسم میں روح رہتی ہے۔ ادھر روح رخصت اُدھر حافظہ

رخصت۔ پس غور کرو کہ جس چیز میں اتنی قوت ہے کہ وہ تمہارے قوائے ظاہری کو بالکہ تمہاری حیات جسمانی کو قائم رکھتی ہے اس میں خود قوت حافظہ کتنی زبردست ہوگی۔ یہ اذکار بھی اس راہ کے حروف تہجی ہیں۔ ان کو پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ رٹتے رہنے سے اِن کے اثرات روح میں لاکھوں کروڑوں برس تک کے لئے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ طالبان حق اِن اذکار کو جاری رکھیں تو بہت ممکن ہے کہ جن علوم کے لئے یہ اذکار بمنزلہ حروف تہجی کے ہیں وہ علوم اسی زندگی میں منکشف ہو جائیں لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو بعد مردن جملہ حجابات کا اٹھ جانا اور اثراتِ ذکر سے روح کا متلذذ ہونا نہایت درجہ یقینی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ اذکار واشغال کی مداومت سے حقائق و معارف کے اسرار اسی دنیا میں منکشف ہو جائیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے اور کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔ انکشاف نہ ہونے کی صورت میں کسی کو ذکر و شغل سے بددل نہ ہونا چاہیئے۔ اوراد و اذکار کی برکت سے روح میں قابلیت ترقی ضرور پیدا ہوتی ہے، اُس ترقی کا اظہار جلد ہو یا دیر میں، اسی دنیا میں ہو یا بعد مُردن یہ بھی یاد رکھو کہ جس قدر زیادہ دیر میں انکشافات شروع ہوں گے اسی قدر زیادہ دیرپا اور زیادہ تفصیلی انکشافات ہوں گے اور جس قدر جلد یہ معاملہ شروع ہو جائے گا اُسی قدر عارضی اور اجمالی انکشافات ہوں گے۔ بعض روحوں کو عالم جسمانی میں اپنی ترقی کا مطلق احساس نہیں ہوتا۔ بعض روحوں کو اس عالم میں اجمالی احساس اپنی ترقی کا پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر قید جسم سے رہائی پاتے ہی ہر ترقی یافتہ روح کو اپنی ترقی کا پورا احساس ہو جاتا ہے اور ہر اجمال کی وہاں تفصیل حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ایک مرید تھے جو برسوں حضرت کے حلقۂ ذکر میں شریک رہے اور حضرت کی خانقاہ میں مجاہدات و ریاضات میں مشغول رہے مگر اُنہیں

یہ شکایت رہی کہ انکشافات سے وہ بالکل محروم رہے۔ بالآخر وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور وقت آخر اُن کا قریب آپہنچا۔ خواجہ باقی باللہؒ نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ شہر میں جتنے اہل کشف ہیں اُن سب کو اطلاع پہنچا دی جاوے کہ خانقاہ میں جلد سب کے سب آجاویں۔ چنانچہ اِدھر اس حکم کی تعمیل ہوئی اور اُدھر اس مرید کی روح نے پرواز کی۔ جب اسے قبر میں دفن کر چکے تو جملہ اہل کشف جو وہاں حاضر تھے حلقہ باندھ کر بیٹھے کہ دیکھیں اُس مُرید کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ سب کو نہایت حیرت اور استعجاب اور مسرت یہ دیکھ کر ہوئی کہ اُس مرید پر اس قدر تفصیلی انکشافات ہو رہے ہیں جو بیان سے باہر ہیں اور جن کی وجہ سے اُس مرید کی خوشی اور انبساطی کیفیت کی کوئی حد نہ رہی۔

ناممکن ہے کہ اذکار و اشغال کے فوائد سے طالب حق بالکل محروم رہے۔ نابینا اگر آفتاب کے سامنے آکر تھوڑی دیر تک بیٹھے تو گو بوجہ اپنے نابینا ہونے کے وہ آفتاب کو دیکھ نہ سکے مگر آفتاب کی تپش ضرور محسوس کرے گا اور آفتاب سے متاثر یقیناً ہوگا۔ متاثر ہونے کے لئے بینائی شرط نہیں۔ صرف آفتاب کے محاذ میں آجانا کافی ہے اسی طرح ذاکر جب از روئے ذکر کے حق تعالیٰ کے محاذ میں آجاتا ہے تو باوجود بینائی کے نہ ہونے کے وہ متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس تاثیر کے لئے یہاں بھی محاذ میں آجانا شرط ہے۔ پھر جب غفلت کی کوٹھری میں کوئی جاکر بند ہو جاتا ہے تو اثر بھی بند ہو جاتا ہے۔

حضرت سُلطان المشائخؒ کی نماز جنازہ حضرت ابُوالفتح رکن الدینؒ نے پڑھائی تھی آپ پہلے تو بہت مغموم و محزون تھے مگر جب حضرت سُلطان المشائخؒ کی تدفین عمل میں آچکی اور حضرت ابوالفتح رکن الدینؒ متوجہ ہو کر بیٹھے تو بہت زور سے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستے رہے۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا

تو فرمایا کہ نکیرین کو جو شیخ نے جواب دیا اس نے مجھے بے خود کر دیا۔ نکیرین نے جب اپنے معمولی سوالات کئے تو حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :۔ "عمر بھر اس کا نام رٹتا رہا۔ تم کیا دیوانہ ہو جو یہ سمجھتے ہو کہ اتنی سی بات (یعنی موت)، کی وجہ سے میں اس کا نام بھول گیا"؟

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ :۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ذکر الٰہی سے روح میں ترقی پیدا ہوتی ہے اور بوئے بقاء آجاتی ہے تو لوگوں کو اس بات سے تعجب پیدا ہوتا ہے۔ مگر وہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ انسان کی پرورش جسمانی کس تدریجی طور پر ہوتی ہے۔ جب وہ بچہ ہوتا ہے تو اس کی ماں اسے دودھ پلاتی ہے جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو لڑکے کو اس کے مناسب حال زود ہضم اور نرم غذائیں کھلائی جاتی ہیں۔ جب جوان ہوتا ہے اور ورزش جسمانی کرتا ہے اور مقوی و مفید و نفیس غذائیں کھاتا ہے تو قوی تنو مند اور پہلوان ہو جاتا ہے۔ اگر اس ترتیب کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور فطرت اور قاعدہ کے خلاف اسے غلط غذائیں دی جائیں تو نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک شیر خوار بچہ کو بجائے دودھ کے اناج کھلا دیا جائے تو وہ بیمار ہو جائیگا اور اس کی زندگی خطرے میں آجائے گی یا ایک جوان شخص کمزور غذائیں کھانے لگے اور کاہلی اور سستی کی زندگی بسر کرنے لگے تو وہ مجہول و ضیعف ہو جائے گا۔ یہی مثال روحانی پرورش اور روحانی نشو و نما کی بھی ہے چونکہ روح ملکوتی چیز ہے اس کی پرورش کے لئے بھی ملکوتی غذا کی ضرورت ہے۔ وہ ملکوتی غذا انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین اولیائے کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کی مجوزہ و تعلیم کردہ غذائے اذکار الٰہی ہے۔ اگر اس نہایت ضروری غذا سے گریز اور لذّاتِ دنیا اور خواہشات نفسانی کی بد پرہیزیوں سے نوبت بہ ضعف و ہلاکتِ روح پہنچے اور اس بناء پر کفار و فساق کی روحیں مُردہ ہو جائیں تو کون سے

تعجب کی بات ہے اور ان کی حالت مثل ان دنیاوی مریضوں کے ہو جائے جن کی صحت سے بوجہ شدید امراض جسمانی کے بالکل مایوسی ہو جائے تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہوگی۔ ایسے لوگوں کی روحیں عالم ملکوت میں بھی ضعیف و ناتوان ہی رہتی ہیں برعکس اس کے ذاکرین کی روحیں جسد خاکی سے جُدائی اختیار کر کے عالم ملکوت میں جاتی ہیں تو وہاں بھی ترقیاں حاصل کرتی رہتی ہیں۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ: ذرا کمالات انسانی کو دیکھنا کہ ایک ایسا مصالحہ بنایا ہے جسے لگا کر جسم خاکی کو ہزاروں برس تک محفوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ مصر کی ممیاں اس کی مثال ہیں جو اس وقت تک تمام عجائب خانوں اور اہرام مصری میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک مصالحہ ذکر الٰہی ہے۔ جب یہ مصالحہ روح پر لگا دیا جاتا ہے تو بقائے دوامی اور حیات جاودانی حاصل ہو جاتی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: یوں تو اللہ تعالیٰ کی ہزاروں لاکھوں نعمتیں ہیں جن کا شمار قوت انسانی سے باہر ہے مگر غور کرو تو سب سے بڑی نعمت وہی ہو سکتی ہے جسے کبھی زوال نہ ہو اور وہ نعمت توفیق ذکر ہے چنانچہ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے۔
وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ اور فرماتا ہے فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ

مطلب یہ ہوا کہ جسے ہم چاہتے ہیں اسی کو ہم اس کی توفیق دیتے ہیں کہ وہ ہمیں یاد کرے اور جو ہمیں یاد کرتا ہے ہم اسے یاد کرتے ہیں۔ گویا بندہ کا اللہ کو یاد کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ بندہ کو یاد کرتا ہے۔ جب تم اتنی بڑی سخی سرکار کو یاد کرو گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی توجہ تمہاری جانب ہے۔ جب ہی تم کو اس کی یاد آئی اور یہ اس کی بہت بڑی نعمت ہے ورنہ یوں تو اس کی نعمتیں اور اس کی برکتیں لاتعداد و لاتحصی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ وہ دُنیاوی سرکاروں کی طرح نہیں ہے بلکہ دانا اور بینا سرکار ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ عیش پرستی تمام محاسن حتیٰ کہ دینداری تک کی برباد کرنے والی ثابت ہوتی ہے لوگ کیسے نادان اور غافل ہیں کہ آنی اور فانی لذات کے پیچھے عیش جاودانی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اس راہ کا ایک شمہ بھی حاصل ہو جائے تو وہ ہفت اقلیم کی سلطنت سے بہتر ہے۔ چنانچہ خاقانی کا واقعہ ہے کہ وہ پہلے دہریت کی جانب مائل تھا اور رات دن عیش و عشرت اور دولت و ثروت کے نشے میں ڈوبا رہتا تھا۔ برجستہ قصیدہ گوئی کے صلہ میں ملک الشعراء بنا دیا گیا تھا۔ دس ہزار روپیہ تنخواہ پاتا تھا اور خلعت و انعامات اسے بکثرت ملا کرتے تھے۔ مگر وہ اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا۔ جو کچھ اسے ملتا تھا وہ لے کر اپنی والدہ کے سامنے پیش کر دیا کرتا تھا اس کی والدہ وہ چیز اس کی بیوی کے حوالہ کر دیا کرتی تھی۔ ایک روز وہ خلعت و انعام لے کر گھر آیا تو اسکی والدہ گھر پر نہ تھی اُسے یہ بیتابی تھی کہ جو کچھ لایا ہے ماں کی خدمت میں جلد سے جلد پیش کر دے تا کہ سب کچھ اس کی بیوی کے پاس آجائے چنانچہ وہ ماں کی تلاش میں نکلا۔ اس کی ماں ایک بزرگ کی مرید تھیں۔ خاقانی وہیں پہنچا۔ وہاں اس وقت حلقہ ذکر ہو رہا تھا۔ خاقانی بھی شریک حلقہ ہو گیا۔ اذکار حلقہ کا اس پر ایسا اثر پڑا کہ اس نے ایک غزل لکھی جس کا مقطع یہ ہے ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یک ساعت بدن دریا دحق بہ از ملک سلیمانی

بعد میں اس نے ترک ملازمت بھی کر دی۔

اب عمر خیام کا بھی حال سُن لو۔ عمر خیام بڑا زبردست فلسفی اور مائل بہ دہریت تھا۔ مگر اپنی والدہ کا سخت فرمانبردار تھا۔ بغیر اس کے کبھی کھانا نہ کھاتا تھا۔ اس کی والدہ حضرت ثابت بنانی رحؒ کی مرید تھیں جو کہ حضرت ابو یوسف دارانیؒ کے پیر

تھے۔ ایک روز عمر خیام کی والدہ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہونے ان کے درِ دولت پر گئیں۔ عمر خیام کھانا کھانے کے لئے اُن کے انتظار میں رہا۔ جب بہت دیر ہوگئی اور وہ نہ آئیں اور اِدھر عمر خیام بھوک کی شدت سے بے تاب ہوا تو اپنی ماں کو بُلانے خود حضرت شیخ کے مکان پر چلا گیا اور وہاں پہنچ کر کچھ سخت کلمات زبان پر لایا کہ "آپ کیوں یہاں تضیع اوقات کرتی ہیں؟ گھر چلئے"۔ شیخ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ "تو نے کچھ پڑھا بھی ہے"؟ اب جو عمر خیام غور کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ جو کچھ اس نے لکھا پڑھا تھا سب بھول گیا۔ بہت نادم ہوا اور ماں سے درخواست کی کہ اُسے بھی مرید کرا دے۔ چنانچہ ماں نے شیخ سے اس کی بیعت کرا دی۔ چند روز بعد شیخ کا وصال ہوگیا۔ ایک روز ایک نباش نے شیخ کی قبر کھولی۔ تختے ہٹائے تو دیکھا کہ شیخ کا چہرہ مثل آفتاب کے روشن ہے اور وہ قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف ہیں۔ نباش کو دیکھ کر شیخ نے فرمایا کہ :۔ "کیا قیامت آگئی؟ تختے بند کر دے۔ توبہ کر۔ اور نباشی چھوڑ دے" اس نباش پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس نے توبہ کی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ مزار پر مجاور بن کر بیٹھ گیا اور یادِ حق میں مصروف اور چند روز میں فیض یاب ہو کر ایک اچھے مرتبہ پر پہنچ گیا۔ عمر خیام نے یہ واقعہ دیکھا تو انہیں بڑی غیرت آئی اور دل میں کہنے لگے کہ :۔ "ایک نباش تو اس مرتبہ پر پہنچ جائے اور میں باوجود مرید ہونے کے محروم رہوں"۔ چنانچہ وہ بھی حاضر مزار ہوئے اور وہاں سے فیض یاب ہو کر مصنف رباعیات بن گئے۔ ان بزرگ کو بنانی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جب لوگ آپ کے مزار کی تعمیر میں مصروف ہونے لگے تو آپ نے اندر سے آواز دی کہ قبر مت کھولو۔ صرف چہار دیواری کھنچوا دو۔

**بعض نکات متعلق بہ ذکر:** ارشاد فرمایا کہ :۔ طالبان حق کو تعلیم باقاعدہ اور باترتیب دی جاتی ہے۔ جس طرح کہ بچہ کو

پہلے "الف بے" رٹاتے ہیں اور "منت خدا کئے عزّو جل" نہیں پڑھاتے کیوں کہ ایسا کیا جائے تو بچہ کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچتا ہے اور اس کا وقت ضائع ہو جاتا ہے، اسی طرح طالب حق کو ابتداء میں ذکر جلی کراتے ہیں گو اس کو با آواز اسم پاک کے رٹنے میں بظاہر کوئی فائدہ محسوس نہ ہو، مگر جس طرح نادان بچے "الف ۔ بے" رٹتے رٹتے حروف شناس ہو جاتے ہیں، اسی طرح طالب حق کی روح بھی اللہ کا نام رٹتے رٹتے خداشناس ہو جاتی ہے ۔ تم خود غور کرو کہ ہزار بار اللہ اللہ کہو گے تو کم از کم ایک بار تو خطرات و وساوس سے قلب خالی ہو کر ذات پاک کی طرف متوجہ ہو گا یہی صحیح توجہ ابتدا ہے اس حق شناسی کی جو روح میں پیدا ہوتی ہے ۔ پھر بذریعہ لسان و سماعت اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے ۔ ترقی کے یہ معنی ہیں کہ ذکر کے وقت خطرات و وساوس نہ آنے پائیں ۔ خطرات و وساوس کے آنے میں جتنی کمی ہوتی جائے گی ۔ روح اتنی ہی ترقی کرتی جائے گی ۔ جب ذکر کے وقت کوئی خطرہ نہ آوے اس وقت سمجھ لینا چاہیئے کہ اثر اذکار سے روح متاثر ہو گئی ۔ اس کے بعد ذکر خفی کی تعلیم دیتے ہیں جسے شغل بھی کہتے ہیں ۔ جس طرح طلباء میں قدرے قابلیت پیدا ہونے کے بعد انہیں مطالعۂ کتب کی ہدایت کی جاتی ہے تاکہ مضامین بذریعہ قلب و دماغ ذہن نشین ہوں، اسی طرح طالبان حق کو ذکر جلی کے بعد ذکر خفی کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ اسمائے باری تعالیٰ کا فیضان بذریعہ تصور روح تک پہنچے اور روح کو متاثر ہونے کا موقع ملے ۔ اس کے بعد پھر اور منزلیں ہیں ۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ ایک نام لینا بطریق پکارنے کے ہوتا ہے ۔ مثلاً "زید"! زید نے سُنا تو سمجھا کہ کوئی اُسے پکار رہا ہے ۔ فوراً اس کا ذہن پکارنے والے کی جانب منتقل ہو گا خواہ زید کے کسی ہم نام ہی کو پکارا گیا ہو ۔ پکارنے والے کا ذہن پکارتے وقت اجمالی طور پر زید کی ذات کی طرف منتقل ہو گا ۔ اس سے زیادہ

کی نوبت نہ آئے گی، نہ ضرورت پڑے گی۔ کوئی ضرورت نہیں کہ زید کو پکارتے وقت زید کے اوصاف وخصائل وعادات وحالات کے متعلق تفصیلی معلومات کو پکارنے والا اپنے ذہن میں لائے۔ زید کی ذات کا اجمالی طور پر تصوّر ہی ایسے موقعہ پر کافی ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا نام لے کر اللہ کو پکارنے میں تفصیلی عرفان کی ضرورت نہیں۔ ہستیٔ مطلق کی ذات کا اجمالی تصور کافی ہے جب حق تعالیٰ کی نظر لُطف اپنے پُکارنے اور یاد کرنے والے پر پڑتی ہے۔ اچانک معرفت اسمأ وصفات کا فیضان ہوتا ہے۔ اسی کو فتح باب کہتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ حق تعالیٰ نے بواسطہ انبیاء علیہم السلام کے اپنے اسمائے پاک نبی نوع آدم کو تعلیم فرمائے ہیں۔ مثلاً یا مُحیطُ۔ یا رحیمُ۔ یا کریمُ۔ یا جبارُ۔ یا قہارُ وغیرہ ہر اسم کے جدا جدا خواص ہیں۔ ہر اسم کے ساتھ اس کے جُدا جُدا منظاہر و آثار وصفات کا ہونا ضروری ہے۔ حق تعالیٰ مجموعہ صفات ہے لہٰذا ہر صفت کے اعتبار سے اس کا ایک اسم پاک علیحدہ ہے۔ اسے جس اسم سے پکارو گے اُسی اسم کی صفت سے وہ تمہاری جانب متوجہ ہوگا۔ اس کے اسمار کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذاتی۔ دوسرے صفاتی۔ اسے اسم ذات سے پُکارنا زیادہ مؤثر ہوتا ہے بہ نسبت کسی اسم صفاتی سے پُکارنے کے۔ اسی دنیا میں انسان کے ساتھ جو معاملات پیش آتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض معاملات کو اس کی ذات کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور بعض کو اس کی صفات کے ساتھ مثلاً ایک شخص کے دس روپے کسی نے چُرا لئے اور کسی دوسرے شخص نے اسے دس گالیاں سُنا دیں۔ ایذا اس کو دونوں کے ہاتھ سے پہنچی۔ مگر جس نے اس کی چوری کی اُس سے اُس شخص کی صفت مالداری کو صدمہ پہنچا اور جس نے گالیاں سُنائیں اُس نے اُس کی ذات کو صدمہ پہنچایا۔ چور کے مقابلے میں گالیاں دینے والے سے اس

شخص کو یقیناً زیادہ رنج پہنچے گا کیونکہ ہر شخص کو بہ نسبت اپنی صفات کے اپنی ذات سے زیادہ قوی تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح اسمائے ذاتی کے ساتھ حق تعالیٰ کو یاد کرنا زیادہ مؤثر ہے بہ نسبت اسمائے صفاتی کے۔ یا محیط بھی اسم ذاتی ہے کیوں کہ احاطہ کرنے کی صفت ذاتی ہے۔ وہ اپنی ذات سے کل کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ورنہ ہستی کائنات قائم ہی نہ رہتی پس ان اسماء کا ذکر کرنا جن کا اس نوع کا تعلق ذات کے ساتھ ہے باری تعالیٰ کو ذاکرین کی جانب متوجہ کرنے میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ بہ نسبت دیگر اسماء کے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ کسی سے قربت کیوں کر حاصل ہوتی ہے؟ یوں حاصل ہوتی ہے کہ پہلے شناسائی پیدا ہوتی ہے۔ پھر سلسلۂ کلام شروع ہوتا ہے بعدازاں محبت میں ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اسی طور پر کلیم اللہ ہو گئے۔ اس وقت تقرب کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مریدین کو ذکر الٰہی کے متعلق ایک راز تعلیم کرنا ہے۔ یاد رکھو کہ ذکر الٰہی سے مقصود طلب باری تعالیٰ ہے۔ اتنی بڑی سرکار کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا مقصد یوں حاصل ہو گا کہ ذکر کرتے وقت یہ تصوّر کرو کہ تم جو کچھ اپنی زبان سے کہتے ہو وہ دراصل ذات حق تعالیٰ ہی سے آواز آتی ہے اور حق تعالیٰ ہی اُسے سنتا ہے۔ تخیل قوی سے ذاتِ حق کا تصوّر رکھو۔ اسی صورت سے فیضان ہو گا اور ممکن ہے کہ بڑی سرکار متوجہ ہو جائے۔ ایک بزرگ کا ذکر ہے کہ نماز پڑھتے وقت رکوع و سجود میں بہت دیر لگاتے تھے۔ ایک مجمع میں اُن سے نماز پڑھوائی گئی۔ مقتدیوں میں سے بعض لوگ گھبرا اٹھے اور بعد اختتام نماز اُن پر اعتراض کرنے لگے۔ جو لوگ واقف حال تھے اُنہوں نے بیان کیا کہ اس دیر کی وجہ یہ ہے کہ جب تک جواب نہیں سُن لیتے یعنی مثلاً سجدہ میں جب یہ سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہیں تو جب تک جواب مقبولیت نہیں آتا یہ سر سجدے

سے نہیں اُٹھاتے ۔ مطلب یہ ہے کہ مخاطبہ صحیح کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادھر سے بھی جواب ملتا ہے اور اس طرح سوال جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ حلقہ میں تھوڑا سا بھی ذکر ہو تو اسے بڑی چیز سمجھنا چاہیئے۔ اس کا نفع دائمی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات پر ضد کر بیٹھے کہ دال روٹی یا چٹنی روٹی نہ کھائے گا بلکہ کھائے گا تو پلاؤ ہی کھائے گا ورنہ کچھ نہ کھائے گا۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن بھوک سے ہلاک ہو جائے گا۔ برعکس اس شخص کے جس نے پلاؤ کا اپنے آپ کو پابند نہیں کیا بلکہ جو کچھ روکھا سوکھا میسر آیا اس نے کھا لیا۔ ایسا شخص ہلاکت سے محفوظ رہے گا گو ذائقہ سے محروم رہے۔ اسی طرح کوئی شخص اگر یہ کہے کہ مجھ سے زیادہ ذکر نہیں ہو سکتا تو میں تھوڑا سا ذکر بھی نہ کروں گا اور اس خیال پر کاربند ہو کر ذکر کرنا بالکل چھوڑ دے تو اس کی روحانی ہلاکت بھی یقینی ہے دنیا داروں نے مثل بنا رکھی ہے کہ " بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی "۔ اور اہل ایران کہتے ہیں کہ " داشتہ آید بکار گرچہ بود یک سرِ مار " تم کو بھی چاہیئے کہ تم بھی اسی طرح حریص الآخرت بنو اور جو کچھ تم سے ہو سکے اٹھتے بیٹھتے ، چلتے پھرتے زیادہ یا کم خواہ ایک تسبیح ، ایک تکبیر ، یا ایک کلمہ ہی کیوں نہ ہو ، زادِ راہ آخرت کے بٹورنے میں کوتاہی نہ کرو۔ مگر ہر شخص وہی ذکر کرے جو شیخ نے اسے تعلیم کیا ہے یا جس کی اجازت اس نے دی ہے۔ وہی اُسے مفید ثابت ہوگا۔ سُنے سُنائے اذکار یا کتابوں میں سے دیکھ کر یا حلقہ کے اذکار بلا اجازت اپنے طور پر نہ کرے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ عامل کیسا ذلیل شخص ہے۔ کلمات تو مُنہ سے اچھے نکالتا ہے مگر ان سے مقصود اس کا غیر اللہ ہوتا ہے۔ وہ مثل اس شخص کے ہے جو قرآن تو پڑھتا ہے مگر پاخانہ میں بیٹھ کر۔ ایسا ذلیل شخص بھی جب اپنا عمل کسی سڑی سی دنیوی غرض کے لئے پڑھتا ہے اور موکل و جنات و شیاطین بھیانک صورتوں

میں آکر اسے ڈراتے ہیں تو وہ اُن کا مقابلہ کرتا ہے اور انہیں دفع کرتا رہتا ہے۔ کیسے شرم کی بات ہے کہ تم یادالٰہی میں مصروف ہو اور کاہلی، سستی، خطرات، اور وساوس کے بھوت وشیاطین تم کو اُکھیڑ دیں اور تم ہمت کے تازیانہ سے ان کی خبر نہ لو۔

ذکر کرنے بیٹھو تو تم پر دو باتوں کا بوجھ ہے۔ اول یہ کہ کاہلی اور سستی کے شیاطین آویں تو ہمت کے چابکوں سے انہیں ہکال دو۔ دوسری یہ کہ خطرات ووساوس کے بھوت آویں تو انہیں سختی سے گھُڑک دو۔ یہ باتیں تم نے کر لیں تو بقیہ منزلیں سب انشاء اللہ تمہارے مشائخوں کی برکت سے طے ہو جاویں گی۔

ذکر کی یہ سات شرائط ہیں جن کے بغیر ذکر مکمل نہیں ہوتا ہے

برزخ[1] و ذات[2] وصفات[3] شد[4] و مد[5] و تحت[6] و فوق[7]

می نماید طالبان را کُل[7] نفس ذوق و شوق

**اقسام تعلیم ذکر:** ارشاد فرمایا کہ :۔ سلسلہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے منسوب ہے۔ آپ نواح بغداد کے رہنے والے تھے۔ آپ کے سلسلہ میں تعلیم ذکر مریضہ ہوتی ہے۔ یعنی طالب سے ایسی آواز میں ذکر کرایا جاتا ہے جیسے مریض حالت مرض میں کراہتا ہو۔ اس آواز میں عجز اور بے بسی کا اظہار پیش باری تعالیٰ ہوتا ہے اور اس میں عبدیت پائی جاتی ہے۔ حضرات قادریہ ذکر محزونہ کی تعلیم فرماتے ہیں۔ یہ ذکر ایسی آواز میں ہوتا ہے جس سے حزن وملال وغم واندوہ کا اظہار ہو۔ یہ آواز قلب پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ حضرات چشتیہ کا طریق ذکر عشقیہ ہے یعنی ذکر ایسی آواز میں کیا جاتا ہے جس سے ذوق وشوق کا اظہار ہو اور ذوق وشوق بڑھے۔ اِن حضرات کے سلسلہ میں ابتدا ذوق وشوق سے ہوتی ہے اور کامیابی جلد ہوتی ہے۔

**ذکرِ جہری:** ارشاد فرمایا کہ :۔ موسم سرما میں اگر تم صرف اپنا ہاتھ یا پیر آگ کے پاس لے جاکر سینکو تو تمہارا سارا جسم گرما جاتا ہے۔ ایک عضو کے متاثر ہونے سے سارا جسم متاثر ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کے جسم کے جملہ اعضاء باہم ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ زبان سے ایک لفظ کا تلفظ ادا ہوتا ہے۔ دماغ میں وہ محفوظ ہو جاتا ہے ہاتھ سے بذریعہ قلم تحریر میں لے آتا ہے۔ اسی پر ذکر جہری کے اثرات کا بھی اندازہ کرو کہ زبان سے اللہ کا نام رٹتے ہو اور سارا جسم متاثر ہو جاتا ہے۔ دنیا کی چیزیں تمہارے دنیوی فہم میں جلد اور بہ آسانی آجاتی ہیں۔ مگر ذکر واذکار کا سبق ایک ایسی چیز سے واسطہ رکھتا ہے جس کو ملکوتیت سے تعلق ہے اس لئے اس کے اثرات کا فہم میں آجانا مبتدیوں کے لئے ذرا دشوار ہے۔ لیکن بالآخران اثرات کو تم خود ہی محسوس کرنے لگوگے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا اس آیتِ کریمہ سے اور بالخصوص اس میں او اشدّ ذکرا سے ذکرِ جہری کا حکم مستنبط ہوتا ہے ورنہ او اکثر ذکرا آتا۔ میں ایک موقعہ پر کہہ چکا ہوں کہ جس طرح زبانی رٹنے سے اشعار اور دیگر عبارات سماعت کے ذریعہ سے حافظۂ جسمانی کے صندوق میں محفوظ ہو جاتے ہیں اسطرح ذکر جہری کے ذریعہ سے اثرات اذکار روح انسانی کے حافظہ میں محفوظ ہو جاتے ہیں اور یہ حافظہ جسمانی حافظہ سے مقابلہ میں قوی تر اور زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ صوفیائے کرام تین چیزوں کو اپنی اصطلاح میں قلب کہتے ہیں ایک تو یہ مضغۂ گوشت جو انسان کی بائیں جانب بائیں پستان سے تین انگل نیچے واقع ہے۔ دوسرے اُمّ الدماغ یعنی پیشانی کا بالائی حصہ جسے لطیفہ قالبیہ بھی کہتے ہیں اور تیسرے ایک روحانی مرکز ہے جس تک ان دونوں قلبوں کے ذریعہ سے راہ

پیدا ہوتی ہے۔ اذکار بالجہر وغیرہ کی غایت یہ ہے کہ روح انسانی پر اذکار واشغال کے اثرات طاری اور ساری ہوں اور روح میں لطافت وجلا پیدا ہو۔ اسی بناء پر صوفیائے کرام ابتداء میں ہدایت فرماتے ہیں کہ ذکر جہری میں ضرب قلب پر لگائی جائے۔ دل کو عرف عام میں قلب کہتے ہیں۔ یہ قلب منبع ہے روح حیوانی کا اور روح انسانی کو روح حیوانی سے وہ تعلق ہے جو راکب کو مرکب سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے روح انسانی کا بھی تعلق اسی مضغۂ گوشت سے ہوا۔ دیکھو! موت کے وقت جسم انسانی میں آخری عضو جو اپنے فعل کو ترک کرتا ہے دِل ہی ہے۔ دل کی حرکت بند ہوتے ہی حواس خمسہ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ذکر کے وقت دِل کی جانب متوجہ رہنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ذکر کا اثر روح انسانی تک پہنچتا ہے۔ تعلیم اذکار کا مقصود روح انسانی کی آراستگی ہے۔ مگر روح تک اثر کا براہ راست پہنچنا ویسا ہی دشوار ہے جیسا کسی کا سیدھے راستہ کو چھوڑ کر ٹیڑھا اور دشوار گزار راستہ اختیار کرنا اور کہیں پہنچنے کی کوشش کرنا، وہ سیدھا راستہ خواہ نزدیک کا ہو خواہ دور کا۔ اس لئے صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات کے لئے اسی کو مناسب سمجھا کہ جسم انسانی اور حواس خمسہ ظاہری کی راہ سے پہلے روح کی اصلاح کی جائے۔ ام الدماغ کے قریب قوت حافظہ اور قوت متخیلہ وغیرہ جمع ہیں۔ اس لئے جب دل کی جانب متوجہ ہو کر زبان سے ذکر جہری کیا جاتا ہے تو اس سے دو فائدے مترتب ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ روح انسانی درجہ بدرجہ تعلیم پاتی ہے اور آراستہ ہوتی ہے دوسرا یہ کہ بسبب دل و دماغ میں آپس میں تعلق ہونے کے یہ ذکر حافظہ میں محفوظ ہو جائے اور خیال میں پختگی پیدا کر دے۔ ضرب لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ دل میں دو سوراخ ہوتے ہیں ایک تحتانی دوسرا فوقانی۔ ان دونوں کے درمیان ایک جھلی ہے۔ ضرب لگانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا ذکر دل پر ہر دو جانب ایسا اثر کرے کہ کوئی

حجاب باقی نہ رہے۔

**طریقہ ذکر اسم ذات:** ارشاد فرمایا کہ :۔ اسم ذات یعنی اللہ کے ذکر کے چار طریقے ہیں۔

(۱) یکضربی۔ یعنی لطیفہ قلب پر ضرب لگانا اللہ کی۔ یہ لطیفہ سینہ پر بائیں پستان سے تین اُنگل نیچے واقع ہے۔

(۲) دو ضربی۔ اللہُ اللہ۔ ایک ضرب داہنی جانب جگر پر۔ یہ لطیفہ روح کا مقام ہے اور دوسری ضرب لطیفہ قلب پر۔

(۳) سہ ضربی۔ پہلی ضرب ناف پر۔ یہ مقام نفس امارہ کا ہے۔ دوسری ضرب لطیفہ روح پر اور تیسری ضرب لطیفہ قلب پر۔

(۴) چہار ضربی۔ پہلی ضرب بائیں گھٹنے پر۔ دوسری ضرب داہنے گھٹنے پر۔ تیسری ضرب داہنے شانہ پر۔ چوتھی ضرب قلب پر۔

نشست ہر حالت میں چار زانوں رہے گی۔

یاد رکھو کہ جملہ سہ ضربی اذکار مثلاً هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کا ذکر یوں کیا جائے گا کہ پہلی ضرب داہنے مونڈھے پر لگائی جائے۔ دوسری ضرب وسط سینہ میں جو کہ مقام لطیفہ سِرّی ہے اور تیسری ضرب لطیفہ قلب پر۔

یہ ہدایات جملہ اذکار یک ضربی دو ضربی و سہ ضربی و چہار ضربی پر حاوی ہیں۔

**طریقہ ذکر نفی اثبات:** ارشاد فرمایا کہ :۔ ذکر نفی اثبات یعنی لا الٰہ الا اللہ کے تین طریقے ہیں۔

(۱) لا کو ناف سے کھینچ کر داہنے مونڈھے تک لے جاؤ اس تصور کے ساتھ کہ جملہ خیالات ماسوائے اللہ کو کھینچ کر داہنے مونڈھے کے پیچھے پھینک دیا۔ الٰہ داہنے مونڈھے پر کہو۔ پھر الا اللہ کی ضرب قلب پر لگاؤ یعنی ماسوائے کی نفی

کر کے اللہ کا اثبات کیا جائے ضرب کہتے ہیں سانس کے توڑنے اور آواز کے دِل تک لے جانے کو۔ اگر آواز دل تک نہ پہنچے گی تو شیطان کا تسلط ہو جائے گا اس لئے ہنگام ذکر ضرب کا دل پر پڑنا ضروری ہے۔

(۲) بائیں جانب سینہ سے لا کھینچ کر لے جاؤ اور داہنی جانب شانہ پر الٰہ کہو۔ پھر دل پر الا اللہ کی ضرب لگاؤ یعنی ماسوائے اللہ کو پس پشت ڈال کر الا اللہ کو قلب میں راسخ کرو۔

(۳) بائیں گھُٹنے سے لا کہتے ہوئے داہنی جانب الٰہ کہو اور دل پر الا اللہ کی ضرب لگاؤ یعنی ماسوائے اللہ کو ہر چہار جہت سے ہٹا کر دل میں الا اللہ کو راسخ کرو۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ لا اِلٰہ الا اللہ کا ذکر سلوک کے لئے مفید ہے اور اللہُ اللہ کا ذکر جذب کے لئے۔

**توجہ شیخ:** ارشاد فرمایا کہ:۔ شیخ کے مریدین کی جانب متوجہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ شیخ اپنی پوری قوت اور ہمت سے مُرید کے قلب کی جانب اس خیال سے متوجہ ہوتا ہے کہ ماسوائے اللہ سے مرید کا دل خالی ہو جاوے، غیر اللہ سے قلب پاک ہو اور یادِ حق تعالیٰ اُس کے قلب میں راسخ ہو جاوے۔ اس وقت مُرید کو لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھے اور اپنی پوری قوت اور ہمت کو اس بات پر صرف کر دے کہ اس کے قلب میں ماسوائے اللہ کا خطرہ نہ آنے پاوے اور اپنی تمام قوت کو یادِ حق میں صرف کر دے۔ اگر مرید نے یہ عمل کیا تو اللہ کے فضل سے اُمید ہے کہ توجہ شیخ کی برکت سے یادِ حق تعالیٰ اس کے قلب میں راسخ ہو جائے گی۔

**اخفائے حال:** ارشاد فرمایا کہ:۔ طالبان حق کو یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ ہنگام ذکر جو کیفیات اُن پر وارد ہوں اُن کا اظہار کسی غیر کے آگے نہ کرے۔ دیکھو! کوئی بڑا شخص کسی ادنیٰ آدمی کو منہ لگائے اور اس پر نوازشات کرے اور اس کو اپنا کوئی راز بتلا دے تو اس ادنیٰ آدمی کا فرض ہوگا کہ وہ بڑے شخص کی مہربانی اور عزت افزائی کو شکر گزاری کی نظر سے دیکھے اور تحفظ راز میں پوری کوشش کرے ورنہ وہ کم ظرف سمجھا جائے گا اور قابل التفات نہ رہے گا اور بہت ممکن ہے کہ بڑے شخص کی بارگاہ سے مردود ہو جائے۔ پھر تم ذرا غور کرو کہ وہ کتنی بڑی سرکار ہے اور اس کے سامنے انسان کی ہستی ہی کیا ہے۔ اگر دوران ذکر میں حق تعالیٰ کی بارگاہ سے بندہ پر کچھ الطاف برسائے گئے اور اس پر کچھ کیفیات طاری ہوئیں اور اس نے اُن کی بابت کچھ اِدھر اُدھر بکنا شروع کر دیا تو یہ کس قدر بیہودہ اور کم ظرفی کی بات ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حالات موقوف ہو جائیں گے اور بہت ممکن ہے کہ ہمیشہ کے لئے نوازشات کا سد باب ہو جائے۔

**اخفاء شیخ سے نہ ہو:** اُرشاد فرمایا کہ:۔ دیکھو! جس طرح بڑے آدمیوں کے دربار میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اُن کے راز دار ہوتے ہیں اور ان پر پورا اعتماد کیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں میں راز داری کا مادہ ہوتا ہے اور ان میں اس نوع کی صلاحیت ہوتی ہے کہ اُن پر ہر شخص بڑا ہو یا چھوٹا اعتماد کر سکتا ہے اور وہ لوگ سب کی راز داری کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ برتر کے آزمودہ راز دار اور معتمد لوگ بھی ہوتے ہیں اور وہ اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام ہیں۔ ایسے لوگوں سے طالبان حق اگر اپنا حال کہدیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ ایسے حضرات سے اپنے راز کا نہ کہنا مضر ثابت ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ طالب حق پر کوئی ایسی واردات ہوئی جسے وہ اپنے حق میں مفید سمجھتا ہے حالانکہ وہ اس کے حق میں

حقیقتاً مُضر ہے تو ایسی صورت میں اخفائے حال کے نقصان دہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اپنے شیخ سے اِن حالات کا اخفاء ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے عقل مند اور سمجھدار ہمدرد مشیر سے اپنے حالات کو اخفاء میں رکھے درآنحالیکہ اس مشیر کے امکان میں اس شخص کی اصلاح بھی ہو اور وہ ان معاملات خاص کا مبصر بھی ہو۔ شیخ مثل طبیب کے ہے اور طالب حق مثل مریض کے۔ اگر مریض اپنا حال، اپنا مرض اپنی بد پرہیزیاں، طبیب سے چھپائے، تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مرض بڑھتا جائے گا اور ہلاکت کا اندیشہ قوی ہوتا جائے گا۔

**حلقۃ الذکر:** ارشاد فرمایا کہ[1]: ۔بچپن کی رٹی ہوئی بات عمر بھر حافظہ میں محفوظ رہتی ہے۔ اسی طرح اسمائے الٰہی جو حلقہ میں رٹے جاتے ہیں اپنے اثرات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روح میں چھوڑ جاتے ہیں۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ تمہاری کوئی ثناء وصفت بیان کرتا ہے تو تمہاری توجہ اس کی جانب ضرور ہو جاتی ہے۔ جب تم سنتے ہو کہ کوئی شخص تمہاری غیبت میں تمہاری تعریفیں کرتا رہتا ہے تو تمہیں اس سے ایک نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ حلقہ میں بھی تو یہی ہوتا ہے اللہ کے اسماء وصفات بیان کئے جاتے ہیں۔ جو اللہ اور بندہ کے درمیان نسبت قائم کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ دوسرا فائدہ ایک شیخ کامل کے ساتھ حلقہ میں بیٹھ کر ذکر کرنے کا یہ ہے کہ شیخ کے تلفظ اور لب ولہجہ کو سن کر طالب کو اپنا تلفظ اور اپنا لب ولہجہ درست کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اپنی آواز کو طالب شیخ کی آواز کے مقابلہ میں پست رکھے اور ساتھ ساتھ ذکر کرے آگے پیچھے نہ ہو جائے۔ ورنہ شیخ کی آواز نہ سُن سکے گا اور جب آواز نہ سُن سکے گا تو اپنی اصلاح کیوں کر کر سکے گا؟ اور شیخ کی آواز کے ذریعہ سے جو فیضان ہوتا ہے وہ

---

[1] ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ بمقام پٹنہ بانکی یہ تقریر فرمائی گئی۔

کیسے ہوگا؟ تیسرا فائدہ حلقۂ ذکر میں شرکت کا یہ ہے کہ ذکر کرتے وقت شیخ پر جو حق تعالیٰ کی نظرِ خاص ہوتی ہے اُس سے مُریدین شریک حلقہ کو بھی شیخ کے طفیل میں حصہ ملتا ہے۔ جس طرح کہ کسی بڑے آدمی کی کوئی دعوت کرتا ہے تو پچیس تیس آدمی جو اُس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ بھی طفیلی بن کر شریک دعوت ہو جاتے ہیں حالانکہ دعوت اُن کی نہیں ہوتی اور اگر کسی موقع پر ان کی علیحدہ دعوت کی بھی جاتی تو اس تکلف کا کھانا ان کے لئے تیار نہ کرایا جاتا۔ شیخ کامل کے ساتھ حلقہ میں ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جس طرح میاں جی لڑکوں کو لے کر بیٹھتے ہیں اور اُن کے ساتھ سبق خود بھی رٹتے ہیں اور انہیں بھی رٹاتے ہیں تاکہ سبق انہیں خوب یاد ہو جائے اسی طرح شیخ جب اپنے ساتھ اپنے مریدین کو بٹھا کر اللہ کا نام خود بھی رٹتا ہے اور انہیں بھی رٹاتا ہے تو اسمائے الٰہی کی تاثیر مریدین کی روحوں میں خوب سرایت کر جاتی ہے۔ اس طرح حلقہ میں بیٹھ کر تھوڑا سا بھی ذکر کرنا بہت بڑی چیز ہو جاتا ہے اور اس کا نفع دائمی ہوتا ہے۔ حدیث نبوی کی رو سے ذکر کے حلقے ریاض جنت ہیں۔ ذکر کے وقت فرشتے ذاکرین کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور بعض صورتوں میں ذاکرین سے مصافحہ بھی کرتے ہیں۔ جہاں ذکر ہوتا ہے وہاں بمطابق حدیث قدسی انا مع الذاکرین حین یذکرنی معیت الٰہی بھی ہوتی ہے۔ یہ معیت ممتاز ہے خاص ہونے میں ساتھ شفقت و مہربانی کے بمقابلہ معیت عام کے جو وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ کی رو سے عام ہے ہر بندہ کے لئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صوفیا، جو ذکر کے حلقے منعقد کرتے ہیں اور مجمع میں بیٹھ کر بہت سے لوگ ہم آواز ہو کر۔ ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں اس کی شریعت میں کوئی سند نہیں بلکہ یہ خود صوفیوں کی ایجاد ہے۔ جواباً یہ حدیث پیش کرتا ہوں کہ ایک بار حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے مجمع میں رونق افروز

تھے۔ اصحاب کی جانب مخاطب ہو کر حضورؐ نے فرمایا کہ تم لوگ ریاض جنت کی سیر کیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا ما ریاض الجنۃ یا رسول اللہ یعنی یا رسول اللہؐ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ قال حلقۃ الذکر۔ فرمایا آپؐ نے کہ ذکر کے حلقے۔

**اذکار حلقہ:** حضرت اقدس کے ہاں ذکر و توجہ کے حلقے عموماً اس شان سے ہوتے ہیں کہ بعد نماز مغرب مریدین حضرت کے حجرۂ مبارک میں جمع ہو جاتے ہیں۔ جو زمرہ مریدین میں شامل نہ ہو وہ بھی خاص طور سے حضرت سے اجازت حاصل کر کے شریک حلقہ ہو سکتا ہے حجرۂ مبارک کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ شمع خاموش کر دی جاتی ہے۔ شرکاء حلقہ آنکھ بند کر لیتے ہیں اور حضرت اقدس کے ساتھ ذکر الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ حلقہ میں حضرت اقدس چند آیات یا خاص خاص آیات یا بعض وقت بعض اشعار تین بار یا چند بار تلاوت فرماتے ہیں۔ جنہیں مریدین بھی چپکے چپکے پڑھتے جاتے ہیں۔ پھر ان ہی آیات یا اشعار کی مناسبت سے اسمائے الٰہی کا بتکرار ذکر ہوتا رہتا ہے جس میں جملہ حاضرین ہم آواز ہو کر شامل ہوتے ہیں۔ جب اذکار حلقہ ختم ہو جاتے ہیں تو جملہ مریدین خاموش ہو کر متوجہ الی اللہ تھوڑی دیر تک بیٹھتے رہتے ہیں اور حضرت اقدس اس وقت مریدین کے قلب کی جانب اپنی توجہ مبذول فرماتے ہیں۔ اس کے بعد دعا مانگی جاتی ہے۔ پھر لوگ آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ شمع روشن کر دی جاتی ہے۔ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور حضرت مریدین و حاضرین کو مخاطب فرما کر کوئی مناسب وقت تقریر فرماتے ہیں۔ کبھی حلقہ سے قبل بھی تقریر فرما دیا کرتے ہیں۔ ان ہی تقریروں کو ان ملفوظات میں مرتب کیا گیا ہے رمضان کے مبارک مہینہ میں حضرت کی خانقاہ میں مریدین کی تعلیم و مشغولی کا خاص طور پر اہتمام ہوتا ہے رمضان میں بعد نماز ظہر اور بعد نماز عصر بھی حلقے اور تقریریں ہوتی ہیں۔

اور شب کا بڑا حصہ ذکر و شغل میں بسر ہوتا ہے۔ رمضان میں بعد نماز ظہر عموماً قرآن شریف کا حلقہ ہوتا ہے۔ حضرت تلاوت فرماتے ہیں اور حاضرین اپنے قلب کو حضرت کے قلب سے متصل کر کے خاموش بیٹھ جاتے ہیں اور جو فیوض و برکات قلب پر وارد ہوتے ہیں اُن سے مستفیض ہوتے ہیں۔ ذیل میں چند حلقوں کے اذکار اجمالاً بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اذکار ایسے ہیں جو کتابوں وغیرہ میں کہیں شائع نہیں ہوئے بلکہ سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ان اذکار کو شائع کیا جاتا ہے ذیل میں جو اذکار حلقہ درج کئے جاتے ہیں ان میں سے پہلے حلقہ میں بالتفصیل ان آیات کو نقل کیا جاتا ہے جو عموماً ہر حلقہ کے افتتاح پر تلاوت فرمائی جاتی ہیں۔ مابعد کے حلقوں میں تلاوت افتتاحی کا اعادہ نہ کیا جائے گا نہ اختتام کی توجہ دعا کے ذکر کا اعادہ کیا جائے گا تاوقتیکہ کسی خاص حلقہ میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہ ہو۔ صرف اذکار حلقہ بیان کر دیئے جائیں گے۔

**حلقۂ ذکر** (تلاوت) رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ

تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾

(ذکر): استغفر اللہ۔ (تلاوت): استغفر اللہ ربی من کل ذنبٍ واتوب الیہ۔

(تلاوت): لا ملجا ولا منجا من اللہ الا الیہ۔

(ذکر): لا ملجا الا اللہ۔

(تلاوت): سبحان اللہ والحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

(ذکر) : سبحان اللہ - الحمد للہ -
(تلاوت) : اللہ العلی العظیم - اللہ العظیم الاعظم -
(ذکر) : اللہ اکبر - اللہ اعظم -
(تلاوت) : اللہُ ولا سِواہُ - (ذکر) اللہ -
(تلاوت) هُوَاللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (ذکر) ھُوَاللہ -
(تلاوت) : اینما تولوا فثم وجہ اللہ - (ذکر) اللہ (چوضربی)
(تلاوت) هُوَالَّذِیٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ (ذکر) اللہ (ذکر سکینہ)
(تلاوت) : لَآ باقی الا اللہ - ھو خیرا و ابقیٰ - اللہُ خبیر - لَا مقصود فی الکونین الا اللہ - لَا مطلوب فی الکونین الا اللہ - لَا محبوب فی الکونین الا اللہ - لَا موجود فی الکونین الا اللہ - لَآ الٰہ الا اللہ - (ذکر) لا الٰہ الا اللہ -
(تلاوت) : اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وازواجہٖ وجمیع ذریاتہٖ واتباعہٖ واحبائہٖ اجمعین -
اس کے بعد توجہ - پھر دعا پر حلقہ ختم -
حلقہ ذکر - (ذکر) : استغفر اللہ - سبحان اللہ وبحمدہٖ -
(تلاوت) اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم (ذکر) : ھُو الحی القیوم - ھو العلی العظیم -
(تلاوت) : اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم (ذکر) : اللہ

(شعر) : اللہ طلبی روبرہ عشق نظامی
العشق ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ

(ذکر) ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ

(**تلاوت**) : سُبحان اللہ وبحمدہٖ - وھو رب العرش العظیم۔

(**شعر**) : کسے دیگر ھویت را مسلم نیست الا ھو۔
بگو یا ھو و یا من ھو اگر ھو ھوی ماوارے۔

(ذکر) : یا ھو۔ (**تلاوت**) : کلمہ شہادت۔

**حلقہ ذکر** : رمضان کا مہینہ تھا اور کانپور کا مقام تھا۔ بعد ختم تراویح ذکر ھُو ھُو ھُو کا ہوا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ :- یہ ذکر حاملین عرش کا ہے اور اس کا مطلب ہے تو ہی تو ہی۔ جب جمال کبریا کا پرتو حاملین عرش پر پڑتا ہے تو ذوق وشوق میں آکر وہ کہتے ہیں تو ہی تو ہی یعنی اور کوئی نہیں ہے۔ یہ ذکر حضور سرورِ کائناتؐ نے معراج میں ملائکہ حاملین عرش سے سُنا تھا۔ پھر اسے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو تنہائی میں تلقین فرمایا تو وہی ذوق وشوق اور وہی سوز و گداز اُن میں بھی پیدا ہو گیا۔ تب انہیں حق تعالیٰ کی جانب سے فرمایا گیا کہ یہ ہماری امانت ہے جو تمہارے سپرد کی گئی ہے۔ تم اسے لوگوں تک پہنچاؤ۔ وہی ذکر ہے جو اب تک سلسلہ بسلسلہ چلا آرہا ہے جب اس ذکر کی باقاعدہ تلقین کی جاتی ہے تو طالب میں وہی ذوق وشوق پیدا ہو جاتا ہے اِس وقت اِس ذکر کو میں نے اس لئے کر دیا کہ اس کے برکات تمہاری روح میں شامل ہو جائیں۔

**حلقہ ذکر** : ایک روز حلقہ میں قبل آغاز ذکر حضرت نے حسب ذیل تقریر فرمائی :- آدم علیہ السلام کی تمام ذریات پر روز الست میں اللہ تعالیٰ نے جب

---

لے در کانپور۔ شب پنجشنبہ۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ۔

تجلی فرمائی تو جس طرح انسان کے جسم سے پسینہ کے قطرات ٹپکتے ہیں اسی طرح آدم علیہ السلام کے وجود سے تمام ارواح نکلیں۔ ان پر تجلی ربوبیت کی گئی۔ رب برزخ ہے درمیان ذات وقدرت کے جب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ پوچھا گیا تو قَالُوْا بَلٰی جواب میں کیوں نہ کہا جاتا؟ اس سے جو کیفیت ارواح پر گذری اس کا ایک شمہ تم پر۔ اس وقت ایک ذکر کے ذریعہ طاری کر کے میں تمہیں بھولی ہوئی بات یاد دلاتا ہوں اور تمہاری روح میں وہ چیز داخل کرتا ہوں جو اس جہان میں تمہارے بڑے کام آئے گی۔

(اس تمہید کے بعد حضرت نے چند اذکار حلقہ میں اس طرح فرمائے کہ ان کی تفصیل وکیفیات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ یہ بھی مثل حلقہ متذکرۂ بالا کانپور کا واقعہ ہے جو ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ میں پیش آیا تھا۔)

**حلقہ ذکر[1]:** بعد مغرب حلقہ میں ذکر لخلخہ کیا گیا۔ بعد حلقہ کے فرمایا کہ یہ ذکر لخلخہ حضرت زکریا علیہ السلام سے حضرت خضر علیہ السلام کو اور اُن سے حضرت ابویوسف چشتیؒ کو پہنچا ہے۔ ذکر اس ترتیب سے کیا گیا:۔

ھلئے ھوئے (ہوئے گول آواز سے)

بعد میں حسب ذیل اذکار ہوئے:۔

(تلاوت): لا الٰہ الا اللّٰہ المالک الیقین۔

(ذکر): یا یقینُ۔ یا مالک الیقین۔

(تلاوت): سبحان لا الٰہ الا اللّٰہ۔ لا مقصود فی الدارین الا اللّٰہ۔ (ذکر) اللّٰہ اللّٰہ۔

---

[1] لکھنؤ۔ ماہ صفر ۱۳۴۵ھ۔

(تکرار) : صلی اللہ علیک یا محمد صلوٰۃً علیک سلامٌ علیک۔

حلقہ ذکر۔(تلاوت) فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط

(ذکر) : اللّٰہُ اللّٰہ۔

(تلاوت) : زینوا ایمانکم بکلمة لا الٰہ الا اللہ۔نوروا قلوبکم بکلمة لا الٰہ الاّ اللہ۔

(ذکر) لا الٰہ الا اللہ۔

حلقہ ذکر۔(تلاوت) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

(ذکر) : سبحان اللہ۔

(تلاوت) : وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾

(ذکر) : الحمد للہ۔

(تلاوت) : وکبرہ تکبیرا۔اذبحوا نفوسکم بتکبیر لبسم اللہ اللہ اکبر۔

(ذکر) : اللّٰہُ اکبر۔

(تلاوت) قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔

(ذکر) : اللہ۔

(تلاوت) : لامقصود فی الدارین الاّ اللہ۔لامطلوب فی الکونین الا اللہ۔لا محبوب الاّ اللہ۔لاموجود الا اللہ۔

(ذکر) : لا الٰہ الا اللہ۔

حلقہ ذکر۔(تلاوت) : رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

(ذکر) : ربّ اغفر۔یا رحیم۔یا قریب۔یا مجیب۔

(تلاوت) : إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ

(ذکر) : لا فاعل الا اللّٰہ۔

(تلاوت) : لا باقی الا اللّٰہ۔

(ذکر) : باقی اللّٰہ ۔ کافی اللّٰہ ۔ اللّٰہُ ولا سواہُ ۔ اللّٰہُ اللّٰہ ۔

حلقہ ذکر۔(تلاوت) : لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

(ذکر) : هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ یاحی یا قیوم ۔

(تلاوت) : ذالک بان اللّٰہ ھوالحق ۔

(ذکر) : ھوالحق ۔

(تلاوت) : وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۔ان اللّٰہ علی کل شئ محیط۔

(ذکر) : یامحیط ۔

حلقہ ذکر۔(تلاوت) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

(ذکر) : یارحیم ۔یاکریم ۔سبحان اللّٰہ ۔سبحان اللّٰہ ۔

والحمد للّٰہ واللّٰہ اکبر۔

(تلاوت) : قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ

(ذکر) : اللّٰہ (چہار ضربی)

(تلاوت) : فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

(ذکر) : اللّٰہ ۔

(تلاوت) : لا مقصود فی الکونین الا اللّٰہ ۔

(ذکر) : لا اِلٰہ الا اللّٰہ ۔ اللّٰہُ ولا سواہُ ۔

(تلاوت) لا موجود الا اللّٰہ ۔ لا مقصود الا اللّٰہ ۔ لا مراد الا اللّٰہ ۔

لا محبوب الا اللّٰہ۔

(ذکر) : الا اللہ ۔

(شعر) : شمس تبریز گر خدا خواہی ورد کن لا الہ الا ھو۔

(ذکر) : الا ھو۔ لا اِلٰہ الا ھو۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔
صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعد توجہ دعا میں اشعار ذیل :۔

یارب ز دو کون بے نیازم گرداں وزافسر فقر سرفرازم گرداں
درراہ طلب محرم رازم گرداں زاں رہ کہ نہ سوئے تست بازم گرداں

بکش از اندرونم الفت غیر
بشو از من ہوائے کعبہ و دیر

حلقہ ذکر۔ (تلاوت) : لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

(ذکر) : لاحول ولا قوۃ الا باللہ اللّٰہُ ولا سواہُ ۔ اللہ اللہ (ذکر سکینہ)

(تلاوت) : وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾ ۔ (ذکر سکینہ) ھو اللہ ۔

(ذکر مع ضرب) : ھو اللہ ۔ یا قدیر ۔ یا بصیر ۔

(تلاوت) : واللہ علی کل شیئ محیط ۔

(ذکر) : یا محیط ۔

(تلاوت) : وَاللَّهُ مِن وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ ۔ لا محیط فی الکونین الا اللہ ۔

(ذکر) : لا محیط الا اللہ ۔ لا الہ الا اللہ ۔ الا اللہ ۔ کلمہ طیبہ ۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ آج کا حلقہ ہم نے بطریق بزرگان خاندان سہروردیہ کیا ہے۔ قربت الی اللہ کے ہر طریقہ سے ہم مریدین میں مناسبت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جملہ بزرگان سلف کا مقصود حصول قربت باری تعالیٰ تھا اور حق تعالیٰ نے اپنے فضل

سے سب کو کامیاب فرمایا۔ چنانچہ یہ جملہ طُرق مقبول ہیں۔ لہٰذا ہمارے حلقوں میں مختلف سلاسل کے بزرگوں کی روش اور اُن کے طُرق پر ذکر واذکار کئے جاتے ہیں تاکہ مریدین میں ان سے مناسبت پیدا ہو۔ ہمارے اس عمل میں پیروی سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مضمر ہے جس طرح آپؐ نے مہاجرین والضار کو اخوت باہمی کا سبق پڑھایا تھا اسی طرح اس اتباع سنت میں ہم بھی حلقہ میں جملہ سلاسل کے اذکار کر کے مریدین میں جملہ سلاسل سے مناسبت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اسعی منی والاتمام من اللہ۔

حلقہ ذکر۔ (تلاوت) ماشاء اللّٰہ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

(ذکر) : لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

(تلاوت) : لاخالق الا اللّٰہ۔ لا مالك الا اللّٰہ۔ لا فاعل الا اللّٰہ۔

(ذکر) : لا الٰہ الا اللّٰہ۔ الا اللّٰہ۔

(تلاوت) : اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

(ذکر) : ھوالحی القیوم۔ ھوالعلی العظیم۔ ھوالقدیرالحکیم۔
یا ازلی یا ابدی۔ اللّٰہ حاضری۔ اللّٰہ ناظری۔ اللّٰہ۔
کلمۂ طیبۃ۔

حلقۂ ذکر۔ (تلاوت) اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

(ذکر) : انا للّٰہ۔ لاباقی الا اللّٰہ۔ لا الٰہ الا اللّٰہ۔ الا اللّٰہ۔

(تلاوت) : هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳﴾

(ذکر) : ھوالاول۔ ھوالاٰخر۔ ھوالظاھر۔ ھوالباطن۔
یا اٰخر۔ یا باطن۔

(تلاوت) : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :۔ اللّٰھم انت

الاول فلیس قبلك شئ وانت الاٰخر فلیس بعدك شئ وانت الظاھر فلیس فوقك شئ وانت الباطن فلیس دونك شئ۔

(ذکر): اللہ (چہار ضربی)

(تلاوت) وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

(ذکر): سبوحٌ - قدوسٌ - والروح - یاروح الروح - یاروح - کلمۂ طیبہ۔ کلمۂ شہادت۔

حلقۂ ذکر - (ذکر): رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

ھوالعلی العظیم - لا الٰہ الا ھو - اللہ سبحان - اللہ رحمٰن - اللہ دیان۔

حلقہ ذکر: ارشاد فرمایا کہ :- آج حلقہ اس طرح ہوگا کہ پہلے توجہ ہوگی اور یہ توجہ فرداً فرداً بھی ہوگی اور مجموعی طور پر بھی ہوگی۔ اس کے بعد ذکر ہوگا۔ مریدین کو چاہیئے کہ اپنی پوری ہمت کو حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے میں صرف کر دیں اور اِدھر اُدھر کے وسوسہ کو دل میں نہ آنے دیں۔ توجہ ذات مطلق یعنی ھُو کی جانب رہنی چاہیئے۔ بارك اللہ تعالیٰ بعد توجہ کے حسب ذیل اذکار ہوئے۔

(تلاوت): ھوالذات۔

(ذکر): ھُو (سہ ضربی - پہلی ضرب ناف پر دوسری وسط سینہ پر - تیسری اُمّ الدماغ پر)

یا محیط - ھوالعلی العظیم۔

(تلاوت): وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

(ذکر): یا رقیب۔ یا مجیب۔

حلقہ ذکر۔ (ذکر) اللّٰہُ اللہ۔ الباقی ھواللہ۔ الموجود ھو اللہ۔

المحبوب ھواللہ۔

ربیع الاول و ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ میں حضرت اقدس ماہم (بمبئی) میں رونق افروز تھے۔ وہاں ذکر کے حلقوں میں اس زمانہ میں جو اذکار ہوئے تھے ان میں سے خاص خاص اذکار درج ذیل ہیں۔

۸ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ یوم دوشنبہ:۔

(تلاوت): اللہ ھوالاول اللہ ھوالآخر اللہ ھوالظاھر اللہ ھوالباطن

(ذکر): یا اوّلُ یا آخرُ۔ یا ظاھرُ یا باطنُ۔

توہی اول۔ توہی آخر۔ توہی ظاہر۔ توہی باطن۔ توہی۔ توہی۔ توہی۔

توہی۔ ھو معنا۔

(تلاوت): انزل علی روحی۔

(ذکر): روحی۔

۹ ربیع الاول۔ یوم سہ شنبہ: (تلاوت): لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

(ذکر): انت اللہ۔ لا الٰہ الا انت۔

۱۰ ربیع الاول۔ یوم چہار شنبہ: (ذکر): اللہ۔ (الف کشش کے ساتھ)

(تلاوت): وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى

(ذکر): خیرٌ۔

بعد ذکر کے حسب ذیل تقریر فرمائی:۔ آج کے حلقہ میں جو ذکر ہم نے کیا ہے اسے ذکر عشاق اور ذکر خواص بھی کہتے ہیں۔ تم لوگوں کی روح میں اس کے برکات پہنچانے

کی غرض سے ہم نے یہ ذکر کر دیا ہے۔ اللہ مخفف ہے ھا اللہ کا۔ جو اذکار کہ میں حلقہ میں کرتا ہوں وہ بلا اجازت کوئی تنہا نہ کرے ورنہ فائدہ نہ ہوگا اور نقصان کا احتمال ہے، فائدہ کے لئے اجازت لازمی ہے۔ ہمارے سلسلہ میں دو چیزیں خاص ہیں۔ ایک تو ذکر عشاق۔ دوسرا مراقبہ بے مثلی۔

۱۱ ربیع الاول ۔ پنجشنبہ: (ذکر) غفرانک ۔ نحمدک نسبحک ۔ ایاک۔

(تلاوت) احدیت الذات ۔ واحدیت الصفات ۔

(ذکر) : احدٌ واحدٌ ۔

۴ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ : (ذکر) : یا منعو یا مکرم ۔ ھُواللہ ۔

۵ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ : حلقۂ قلندری ۔

(ذکر) : اللہ ھُو

ارشاد فرمایا کہ :۔ یہ حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کا ذکر ہے۔ رجال الغیب بھی یہی ذکر کرتے ہیں ۔

۲۷ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ :

(ذکر) : اللہُ ھوالنور ۔ ھوالنور ۔ اے نور ۔

(مصرعہ) : آجا میری آنکھوں میں سما جا میرے دل میں۔

(ذکر) : ھو۔

(بعد درود شریف کے) :۔

سراجاً منیراً ۔ صلوٰۃً کثیرا ۔ سلامٌ کثیرا ۔

۱۳۵۱ء کے آغاز میں پھر حضرت اقدس کو بمبئی (باندرہ) میں کچھ عرصے رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس عرصہ میں ۲۹ محرم ۱۳۵۱ھ سے لے کر ۲۲ صفر ۱۳۵۱ھ تک جو اذکار کہ حلقہ میں ہوئے انہیں علی الترتیب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ ان میں

سے بیشتر اذکار وہ ہیں جو نہ کہیں کسی کتاب میں دیکھنے میں آئے نہ عام طور پر سُننے میں آئے بلکہ یہ سینہ بسینہ چلے آرہے ہیں اور پہلی ہی مرتبہ ان کو اس موقع پر شائع کیا جارہا ہے۔

۲۹ محرم: (تلاوت): فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ

(ذکر): اِلٰہَ اللہ۔ اللہ الٰہ۔ الٰها۔ لا الٰہ الا اللہ۔

ا صفر: (ذکر) ارحمنا۔ انعمنا۔ یا منعم

(تلاوت): یا منعم انعمنا خیر الدنیا والاٰخرۃ۔ لا الٰہ غیرك۔

(ذکر) لا الٰہ غیر اللہ۔

۲ صفر: (تلاوت): اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ ﴿۲۰﴾

(ذکر): یا محیط۔

(تلاوت): یا محیط ظاهراً وباطناً۔

(ذکر): ظاهراً باطناً۔

(تلاوت): وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ط

(ذکر): هُوَ هُوَ یا معی۔

(تلاوت): لا مراد فی الدارین الا اللہ۔ لا مقصود فی الدارین الا اللہ۔

(ذکر): لا مراد الا اللہ۔ مُرادی۔ مُرادی توهی۔ لا الٰہ غیرك

لا الٰہ غیر اللہ۔

(تلاوت): اشهد ان لآ الٰہ الا اللہ واشهد ان محمدًا رسول اللہ۔

(ذکر): صلوٰۃ علیه۔ سلام علیه۔

۳ صفر: (تلاوت): اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

(ذکر): نُورٌ هُوَ۔ هُوَ النور۔ اللّٰهُ نورٌ۔ لا اِلٰہ الا هو النور۔

(تلاوت) : اشہد ان لا الٰہ الا ھو النور و اشہد ان محمدؐ رسول اللہ۔
ارسلہٗ الی الناس سراجًا منیرا۔

(ذکر) : سراجًا منیرا صلوٰۃ اللہ علیہ۔ سلام اللہ علیہ۔ صلوٰۃً کثیرا
سلامًا کثیرا۔

۴ صفر: (تلاوت) : الا انہٗ ھو الحق ومن دونہ الباطل۔

(ذکر) حقٌ ھوَ۔ ھُوَ حقٌ۔ حقًا۔

(تلاوت) : اشہد ان محمدؐ رسول اللہ صدقًا و نبیا۔

(ذکر) : صدقًا و نبیا۔

(تلاوت) : علیہ الف تحیات و تسلیمات و تکریمات۔

۵ صفر: (تلاوت) : شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

(ذکر) : ھُوَ ھُوَ۔ ھُوَ ھُوَ۔ ھُوَ

(تلاوت) : لا الٰہ فی الدارین الا ھو۔

(ذکر) : لَا ھُوَ اِلَّا ھُوَ۔

۶ صفر: (تلاوت) : لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ

(ذکر) : انت اللہ۔ اللہ انت۔ انت انت۔ لا الٰہ الا انت۔

۷ صفر: نشست : بین الرکوع و سجدہ کے ساتھ ذکر قلبی:۔
سبحانک لک العظمۃ والکبریاء۔

۸ صفر: حلقہ مثل ۷ صفر کے حلقہ کے۔

۹ صفر: (ذکر) قدوس

(تلاوت) : سبحان الملک القدوس۔ سبحانک مالک القدوس

(ذکر) : اے قدوس۔ سبحانک لا الٰہ الا اللہ۔

(یہ حلقہ عیسوی تھا)

۱۰/ صفر: (ذکر) هُوْ (چہار ضربی)

(تلاوت): هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ

(ذکر): هُوْ۔ لَا هُوَ اِلَّا هُوْ۔

۱۱/ صفر: (تلاوت): شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

(ذکر): هُوْ۔ اللّٰه۔ اللّٰه هُوْ۔

۱۲/ صفر: (تلاوت): اللّٰهُ ولا سواهُ۔

(ذکر): اللّٰهُ۔

(تلاوت): هو الذی انزل السکینة فی قلوب المؤمنین الخ۔

(ذکر): اللّٰهُ۔ لَا سواهُ۔

۱۳/ صفر: (ذکر): هو الاولُ۔ هو الاٰخرُ۔ هو الظاهرُ۔ هو الباطنُ۔

لَا موجود الا اللّٰه۔ لا مشهود الا اللّٰه۔

۱۴/ صفر: (ذکر) هُوْ هُوْ معی۔ یا معی۔ مرادی۔ مقصودی۔

مطلوبی۔ مُرادی توهی۔

۱۵/ صفر: (تلاوت) اللّٰهم انت الملك الحق المبین۔

(ذکر): حق المبین۔

(تلاوت): اللّٰهم انت الملك الحق الیقین

اللّٰهم انت المالك الحق الیقین۔

(ذکر): حق الیقین۔

(تلاوت): اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا

(ذکر): لا منتهٰها۔

(تلاوت) : ماسوئ منتهی الیك وانت لا منتها -

۱۶ر صفر : (تلاوت) إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

(ذکر) : یَا مَرْجِعُ -

(تلاوت) : لاَملجا ولا منجا من الله الاّ الیه -

(ذکر) : یا ملجا - یا منجا - ملجا الی الله - منجا الی الله - الله - الله

الله - لآ الٰہ الاّ الله - محمّد رسول الله

صلواة الله علیه - سلام الله علیه -

۱۷ر صفر : (ذکر) سبحانهٗ وحدهٗ - ھُوْ -

(تلاوت) : لا ھُوْ فی الدارین الا ھُوْ -

(ذکر) : لا ھُوْ - اِلاّ ھُوْ -

۱۸ر صفر : (تلاوت) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

(ذکر) : اللّٰہُ نور - یا نور - لآ اِلٰہ الاّ النور -

۱۹ر صفر : (تلاوت) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ

(ذکر) : یا قریبُ - یا مجیبُ - لا موجود الا الله -

۲۰ر صفر : (ذکر) الله اکبر کبیرا والحمد للهِ کثیرا سبحان الله بکرة واصیلا

سبحان ربی الاعلیٰ - سبحان ربی العظیم -

علی العظیم - رؤف الرحیم - ازلیؐ القدیم -

لآ الٰہ الا الله - محمّد رسول الله -

(تلاوت) : صلی الله علیه وآله وازواجه وجمیع ذریاته واتباعه

واحبائه اجمعین -

۲۱ر صفر : (ذکر) : ھُو - ھَا - ھِی - الٰهِی - محمّد نبیّ -

احمدؐ رسولی ۔ صلوٰۃ اللہ علیہ ۔ سلام اللہ علیہ ۔

(یہ حلقہ شعیبی تھا)

۲۲ صفر ۔ (ذکر) : جلّ اللہ ۔ عزّ اللہ ۔ جلیل الجلال ۔ جمیل الجمال ۔

اللہ المطلوب الباقی ماسوائے المطلوب فانی ۔

مُرادی توہی ۔ لا مراد الاّ اللہ ۔ لا الٰہ الا اللہ ۔

(تلاوت) : محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ۔

**اشغال واوراد ومعمولات :** ارشاد فرمایا کہ :۔ ذکر وشغل روح کے لئے بمنزلہ غذاء کے ہیں اور اوراد و ظائف بمنزلہ چٹنی کے ۔

ارشاد فرمایا کہ ہلال محرم الحرام کو دیکھ کر گیارہ بار درود غوثیہ پڑھ کر اپنے ہر حصہ بدن پر دم کرلے اور اپنے اعزّہ پر بھی دم کردے تو پورا سال خیر و برکت سے کٹے گا ۔ درود غوثیہ یہ ہے :۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ

نیز ارشاد فرمایا کہ :۔ یکم محرم الحرام کو ہر سال علی الصباح سورہ تغابن ایک بار سورہ الم نشرح سات بار ۔ استغفار ایک سو بار اور درود شریف ایک سو بار پڑھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ دعائے فلاح دارین مانگے ۔ انشاءاللہ تعالیٰ تمام سال اس کی برکت رہے گی ۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ غرّہ صفر میں بعد نماز عشاء و نیز یکم صفر کو بوقت اشراق ۔ دو رکعت نفل پڑھو ۔ اول رکعت میں بعد فاتحہ سورہ کافرون اور اکتالیس بار یَا خَیْرَ الْغَافِرِیْنَ اِغْفِرْ لَنَا پڑھو اور رکعت دوم میں بعد فاتحہ سورہ اخلاص اور اکتالیس بار یَا خَیْرَ الرَّاحِمِیْنَ اِرْحَمْنَا پڑھو ۔ بعد سلام کے سجدہ میں جاؤ اور اکتالیس بار سجدہ میں اللہ المستعان اس طرح پڑھو کہ پہلی

مرتبہ واللہ المستعان اور بقیہ چالیس بار اللہ المستعان پڑھو۔ بعد میں دعائے عافیت سال مانگو۔

ارشاد فرمایا کہ ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ میں بوقت اشراق چار رکعت نفل پڑھو۔ ہر رکعت میں بعد فاتحہ سورہ الم نشرح ایک بار اور سورہ اخلاص تین بار پڑھو۔ بعد اختتام نماز استغفار ایک سَو بار۔ درود شریف ایک سَو بار اور یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ ایک سَو بار پڑھو بعد اس کے سجدہ میں جاؤ اور وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ و ایاك نعبد وایاك نستعین پڑھو۔ پھر دعا مانگو اور متوجہ الی اللہ ہو کر کچھ دیر بیٹھو۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ ماہ مبارک ربیع الاول میں چاند رات سے ۱۲ تاریخ کی صبح تک قرآن شریف کم از کم ایک بار ختم کر کے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں پیش کیا جائے اور اس زمانہ میں درود شریف کا بکثرت ورد رکھا جائے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ شب معراج میں بھی کثرت درود شریف مفید ہے۔ شب برات میں کثرت استغفار اور سورہ اخلاص مفید ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ ہلال رمضان دیکھ کر سورۃ انا فتحنا تین بار پڑھ لینے سے تمام سال فلاح کثیر کا نزول رہتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ : ماہ رمضان المبارک میں کثرت تلاوت قرآن واستغفار وکلمہ طیبہ ومراقبات اسمائے تنزیہی وتقدیسی مفید ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ ۱۱ رمضان المبارک کو کسی مسجد میں ۲۴ گھنٹے کے اعتکاف کی نیّت سے داخل ہو کر ماسوائے اللہ سے منقطع ہو کر اور مُنہ لپیٹ کر ۱۲ تاریخ کی نماز عصر تک ۲۴ ہزار بار یاقدّوس کا ذِکر کر لے تو مدت دراز تک اس کا فائدہ

محسوس ہوتا رہے گا۔

ایک مرتبہ ۲۴ ر رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ کی شب تھی اور کانپور کا مقام تھا۔ وہ شب شب دوشنبہ بھی تھی۔ نماز عشاء و تراویح سے فارغ ہو کر حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ :- ایک بات یاد رکھنا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم چالیس برس کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ اس کے بعد تیرہ برس مکہ معظمہ میں رہے اور دس برس مدینہ منورہ میں۔ رسالت کا زمانہ کل تیئیس سال رہا۔ چوبیسویں سال سے گویا کہ دور بدلا۔ صوفیائے کرام نے کشف باطن سے معلوم کیا ہے کہ چوبیس کا ہندسہ ایک عجیب اہمیت رکھتا ہے اور چوبیس سے ہمیشہ دور بدلتا ہے۔ آج چوبیس کی شب ہے آج کے متعلق ایک بات سُن رکھو۔ اس رات میں جو معوذتین کا ورد رکھتا ہے۔ بے حساب حتّٰی کہ پڑھتے پڑھتے سو جاوے وہ اِن تین فوائد سے سال آئندہ کی ۲۴ ر رمضان تک متمتع ہوتا رہتا ہے :- (۱) سال بھر تک اس پر جادو اثر نہیں کرتا۔ (۲) سال بھر تک موذی جانور مثلاً سانپ بچھو وغیرہ اسے نہیں کاٹتے (۳) خطرات و وساوس و شکوک وغیرہ اسے پریشان نہیں کرتے۔ آتے ہیں تو روح کے اوپر اوپر رہتے ہیں۔ اندر سرایت نہیں کرتے۔ اس شب میں معوذتین کا معمول رکھا کرو۔

ارشاد فرمایا کہ :- شب قدر میں اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ سے قرآن مجید کو آسمان دنیا پر نازل فرمایا قرآن پاک دستور العمل ہے بنی نوع انسان کے لئے جس کے مطابق عمل کرنے سے لاکھوں کروڑوں برس کی زندگی درست ہوتی ہے۔ ایسا دستور العمل نازل فرماتے وقت اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ اپنے بندوں کی جانب ہوئی اور اس خاص توجہ کا وقت برکت والا قرار پایا اور بندوں پر اس عنایت کی شکر گزاری لازم ہو گئی۔ اظہار شکر گزاری میں اُنہیں ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو وہ اس وقت یاد کریں۔

بندوں کے اللہ کی یاد میں مصروف ہونے کی سیر کرنے کی غرض سے جبرئیل علیہ السلام اور ملائکہ نزول فرماتے ہیں اللہ کے اذن اور اس کی سلامتی کے ساتھ اور یہ صبح تک ہوتا رہتا ہے۔ ذاکرین کے لئے اللہ کی طرف سے سلامتی ہوتی ہے اس شب میں دعا بھی مقبول ہوتی ہے اور اللہ کو یاد کرنے والے خود بھی مقبول ہو جاتے ہیں۔

شب قدر کو رمضان کے آخری دہے کی طاق شبوں میں پوشیدہ کرنے میں حق تعالیٰ کی یہی مصلحت تھی کہ لوگ اس خاص شب کی تلاش میں ان تمام راتوں میں جاگیں کیونکہ حق تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اس کے بندے اس کی یاد میں راتوں کو جاگیں۔

مبتدیوں کے لئے شب قدر کی پہچان یہ ہے کہ اس شب میں ترشح ہو اور طالب حق پر رقت طاری ہو۔ اہل کشف کو شروع رمضان میں بذریعہ کشف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سال شب قدر کس تاریخ میں واقع ہو گی۔

ارشاد فرمایا کہ: ذی الحجہ کے آخری پنجشنبہ کو جو کہ سال کا آخری پنجشنبہ ہے دو رکعت نماز پڑھو۔ رکعت اول میں بعد فاتحہ تین بار سورہ اخلاص۔ تین بار سورہ کوثر اور ایک بار سورہ فلق پڑھو اور رکعت دوم میں بعد فاتحہ تین بار سورہ اخلاص تین بار سورہ کوثر اور ایک بار سورہ ناس پڑھو۔ بعد سلام پھیرنے کے عفو تقصیرات و معافی کمی طاعات خشوع و خضوع سے طلب کرو۔

ارشاد فرمایا کہ ہر یوم جمعہ کے اختتام پر یعنی آغاز شب شنبہ پر موقع ہو تو نماز مغرب کے فرض میں پہلی رکعت میں بعد فاتحہ کے والضحیٰ اور دوسری میں الم نشرح یا علی الترتیب الم نشرح اور انا انزلنٰہ پھر دونوں سنتوں میں علی الترتیب سورۃ القریش اور اذا جاء پڑھے اور شنبہ کے فجر کی سنتوں میں بھی سورۃ القریش اور اذا جاء پڑھے تو انشاء اللہ سارا ہفتہ عافیت اور خیر و برکت سے گزرے گا۔ ہر چاند رات کی مغرب میں اور پہلی تاریخ کی فجر کی سنتوں میں ایسا ہی کر لیا کرے

تو سارا مہینہ انشاء اللہ خیر و عافیت سے کٹے گا۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ دو شنبہ صوفیوں کی بقرعید ہے اُس روز اشراق کے وقت دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے تین تین بار سورہ کوثر پڑھے اور یہ نماز ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کر دے۔ اسی طرح کی دو رکعت پڑھ کر اسمٰعیل علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کر دے۔ پھر تین مرتبہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر نفس کی قربانی کر ڈالے۔ اس کے بعد ایک تسبیح ذکر حدّادی کی کرے۔

پنجشنبہ صوفیوں کی عید ہے۔ اُس روز صبح ذوق و شوق کی سوّیاں کھائے یعنی سوز و گداز پیدا کرنے والے دو ایک اشعار پڑھے پھر دو رکعت نماز پڑھے جن میں بعد سورہ فاتحہ کے تین تین بار سورہ اخلاص پڑھے اور اس نماز کو ہدیۂ سرورِ عالم کرے۔ پھر ایک تسبیح سبحان اللہ و بحمدہٖ پڑھ کر متوجہ بہ عالم ارواح ہو جائے۔

ارشاد فرمایا[1]:۔ ہم تمہیں چار باتیں بتاتے ہیں۔ خوب غور سے سُن رکھو اور عمر بھر اُن پر عمل کرو۔ کبھی ناغہ نہ کرنا۔ تمہیں بہت کام دیں گی۔ دو باتوں کا فائدہ تو تمہیں دنیا ہی میں حاصل ہوگا اور دو باتوں کا فائدہ آخرت میں۔ پہلی دو باتیں یہ ہیں کہ ہر روز صبح کی نماز کی سُنتوں اور فرض کے درمیان یا عزیزُ اکتالیسؔ بار پڑھ لیا کرو۔ سال بھر تک بلا ناغہ کر لینے سے اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ گویا تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک نہایت زبردست محافظ رہا کرے گا اور اس اسم کے برکات تمہارے شاملِ حال رہیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ روزانہ بلا ناغہ بعد مغرب اکتالیسؔ بار اللہ المستعان پڑھ لیا کرو تو تمہارے معاملات اور تمہاری ہر مشکل میں غیب سے امداد ہو جایا کرے گی اور یہ اسم خود کارسازی کر دیا کرے گا۔

دو باتیں جو آخرت کے لئے مفید ہیں یہ ہیں کہ ہر دو شنبہ کو بعد نماز فجر تین مرتبہ سورۂ

---

[1] درکانپور۔ شب شنبہ۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ بعد نماز تراویح یہ تقریر فرمائی۔

اخلاص اور ایک ایک مرتبہ سورۃ الفلق اور سورہ الناس اور سورہ الفاتحہ پڑھ کر اپنے پیران سلسلہ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوکر ایصالِ ثواب ان کی خدمت میں پیش کر دیا کرو اور شب جمعہ میں بعد نماز عشاء بقدر ایک تسبیح کے الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا محمدؐ پڑھ کر حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جانب متوجہ ہوجایا کرو۔ بعد مرنے کے ان دو باتوں سے تمہیں اتنا فائدہ پہنچے گا کہ میں تم سے بیان نہیں کر سکتا۔ جس طرح اپنے لاڈلے بچہ کو باوجود اس کے مچلنے کے اس کا باپ قیمتی چیزیں اسے نہیں دیتا بلکہ کم قیمت کھلونوں پر اکتفا کرتا ہے کہ بوجہ ناسمجھی کے یہ قیمتی اشیاء کو خراب نہ کر ڈالے حالانکہ جانتا ہے کہ ان چیزوں کا وارث یہی ہوگا، بجنسہٖ اسی طرح حق تعالیٰ بھی بڑے اور اصلی انعامات اس دنیا میں نہیں دیتا اور آخرت کے لئے اُٹھا رکھتا ہے۔ کیوں کہ پورا انعام اس زندگی میں مل ہی نہیں سکتا۔ چونکہ معاملہ ادھار پر رکھا جاتا ہے اکثر لوگ گھبرا جاتے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ صبح صادق کی مدت ڈیڑھ گھنٹہ اور وقت مغرب کی مدت ایک گھنٹہ رہتی ہے۔ دو اشغال نہایت مفید بتاتا ہوں۔ صبح صادق کے وقت چشم واسے مشرق کی جانب رُخ کر کے یا نور کا تصور کرو۔ آخر ایامِ ماہ کی شبہائے تاریک میں دونوں چشموں کے اشارہ سے یہ ذکر کرو۔

# جاعل الظلمٰت والنور

ارشاد فرمایا کہ:۔ ہر فرض نماز سے قبل لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم جتنی مرتبہ ہو سکے پڑھ لیا کرو۔ خطرات وساوس کے آنے میں کمی ہو جائے گی۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ بہترین اوراد چار ہیں۔ (۱) سحر کے وقت استغفار۔ اس کی تعلیم خود حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمائی ہے (۲) تلاوت قرآن مجید (۳) درود شریف (۴) اوراد فتحیہ۔ یہ مجموعہ ہے جملہ اوراد کا۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ سوتے وقت جو شغل کیا جاتا ہے اس کے اثر کو روح بہت جلد قبول کرلیتی ہے اور یہ شغل روح میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس لئے سوتے وقت بے ہودہ خیالات سے اجتناب رکھنا چاہیئے اور ذکر و شغل کر کے سونا چاہیئے خواہ وہ تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ سونے سے قبل بہ اشارۂ چشم یک صد و یک بار یَا نُوْرُ تصور سے کہہ لیا کرو تو بہت مفید ہے یَا پر چشم کا اشارہ اوپر بجانب آسمان ہو اور نُوْرُ پر نیچے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ رات دن میں پانچ بار۔ تین مرتبہ دن میں اور تین مرتبہ رات میں یا کم از کم بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب یا عشاء، چند بار بہ تکلف ہی سہی یہ تصور کرلیا کرو کہ یہ جسم اور جملہ متعلقاتِ جسم ہیچ ہیں اور جان بازی، سرفروشی اور جان و مال اور سب کچھ حق تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول میں لُٹا دینے کا جذبہ دل میں پیدا کرنے کی کوشش کیا کرو تو دلدادگیٔ دنیا کی سمیّت جو تمہاری روح میں پیدا ہوتی رہتی ہے اس کے لئے یہ شغل تریاق ثابت ہو گا۔

جو اوراد و وظائف کہ رسالہ الموسوم بہ "شجرہ طیبّہ و مجموعہ اوراد و وظائف" میں شائع ہو چکے ہیں اُن کے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (مؤلف)

**اوقات قبولیت :** ارشاد فرمایا کہ :۔ ہر پھل اپنے موسم میں خوب ہوتا ہے۔ ذائقہ میں بے موسم کا پھل اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ قبولیت دعا اور قبولیت عبادت اور مقبولیت اذکار و اشغال کے بھی خاص خاص اوقات

ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) اسحار۔ یعنی ثلث رات سے فجر تک۔

(۲) بروز جمعہ۔ درمیان عصر و مغرب۔ مغرب کے متصل وقت زیادہ مقبول ہوتا ہے۔

(۳) بروز چہار شنبہ۔ درمیان ظہر و عصر۔

(۴) بروز عید الفطر۔ صبح کا وقت

(۵) شب براۃ۔ عشاء کا وقت۔

(۶) ماہ رمضان۔ قریب بہ مغرب۔

(۷) ماہ ذی الحجہ۔ پورے تیرہ[۱۳] دن ابتدائی۔

**فضائل شب جمعہ:** ارشاد فرمایا کہ شب جمعہ کے فضائل خاص یہ ہیں کہ اس شب میں ارواحِ صالحین کو دنیا کی جانب رجوع کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور جس طرح اہل دنیا اپنی ذاتی مناسبت یا قرابت یا راہ و رسم کے لحاظ سے باہم ایک دوسرے کے ہمراہ ہوکر سیر و تفریح کے لئے نکلتے ہیں، اسی طرح ارواح صالحین مناسبت کے لحاظ سے اپنی ہم مشرب ارواح کے ساتھ دنیا کی جانب رجوع کرتی ہیں۔ ارواح کی اس مناسبت باہمی سے یہ مراد ہے کہ صوفیائے کرام مختلف اقسام کے فیضان سے متمتع ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی بزرگ کی نسبت ابراہیمی ہے۔ کسی کی نسبت موسوی ہے۔ کسی کی نسبت عیسوی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان حضرات کو اسی قسم کا فیضان عطا ہوا ہے جس قسم کا فیضان کہ اُن انبیاء کو عطا ہوا تھا۔ چنانچہ اِن کی روحوں کو بھی اُن انبیاء کی روحوں سے مناسبت ہوگی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے التجا کی تھی کہ رَبِّ اَرِنِیۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ یعنی آپ جلوۂ ربوبیت کے طالب ہوئے اور ربوبیت صفت ہے۔ ارشاد باری ہوا کہ لن ترانی۔ مگر پہاڑ پر تجلی ہوئی

کیونکہ سخی سرکار ہے۔ التجا کیسے رد ہوسکتی تھی۔ چنانچہ وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا پس جن حضرات کو نسبت موسوی عطا ہوئی ہے وہ صفات کے متوالے ہیں اسی پر دیگر نسبتوں کا بھی قیاس کرلو۔ واضح ہو کہ ذاتِ فخر موجودات باعث کل کائنات فخر عالم خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جامع ہے تمام نسبتوں کی لہٰذا جن ارواح کو نسبت محمدیؐ حاصل ہوتی ہے وہ بوجہ اس مناسبت کے ہمراہ روح پاک حضور سرور کائناتؐ آتی ہیں۔ اس شب میں بوسیلہ روح اطہرؐ اس دنیا پر دو قسم کا فیضان ہوتا ہے ایک تو فیضان وحدانیت جو تمام عالم پر بلا امتیاز مومن و کافر کے یکساں طور پر ہوتا ہے اور سب اس میں برابر کا حصہ لیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جب سے حضور سرور عالمؐ کا ظہور ہوا مشرکین بھی کسی نہ کسی صورت سے وحدانیت کے مدعی بنتے ہیں۔ یہ رنگ قبل ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نہ تھا۔ دوسرا فیضان خاص جو مومنین ہی کے لئے مختص ہے اور جس کے ذریعہ سے مومنین کو ترقیٔ نور ایمان و استقامت عطا فرمائی جاتی ہے۔ پس روح پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا بہترین ذریعہ اس شب میں کثرت درود شریف ہے۔ خوشا نصیب اُن لوگوں کے جو آنحضرتؐ کو اپنی جانب متوجہ کرلیں۔ ایک تیسرے قسم کا بھی فیضان ہے جو اس شب میں ہوتا ہے مگر چونکہ وہ عالم اسرار سے متعلق ہے اس کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ جس کی چشم دل بینا ہوگی اگر حق تعالیٰ چاہے گا تو وہ خود ہی معلوم کرے گا۔ صوفیائے کرام کے ساتھ اس شب میں عجیب وغریب معاملات پیش آتے ہیں جو بیان میں نہیں آسکتے۔ اِن حضرات کے نزدیک شب جمعہ ونیز ہر روز کی آخر شب شب قدر سے بھی زیادہ متبرک ہے شب قدر میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور ان اوقات میں خود بدولت رونق افروز ہوتے ہیں۔

# کشف و کرامات

**اقسام کرامت:** ارشاد فرمایا کہ:۔ کرامتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک کرامت فی اللہ دوسری کرامت فی الخلق۔ کرامت فی اللہ کا تو کسی کو علم نہیں ہو سکتا یہ اللہ اور بندہ میں تعلقات سے متعلق ہے کسی اور کو اس میں دخل نہیں۔ کرامت فی الخلق کی پھر دو اقسام ہیں تصرف فی القلب اور اظہارِ خرق عادات۔ تصرف فی القلب کا نتیجہ وہ اصلاح ہے جو طالب میں مرشد کی توجہ باطنی سے ظہور میں آتی ہے۔ مگر اس کا بھی فوری احساس طالب کو نہیں ہو سکتا۔ نتائج سے اس کا حال کھلتا ہے۔ اظہار خرق عادات البتہ عوام دیکھتے ہیں۔ مگر اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا بجز اس کے کہ وہ صاحب کرامت کے معتقد ہو جادیں اور آگے چل کر اس کی قوت تصرف فی القلب سے فائدہ اٹھائیں۔ غرض کہ وہ کرامت جس سے طالب فائدہ اٹھاتے ہیں تصرف فی القلب ہے جو کہ ایک پوشیدہ قوت ہے اور مثل اظہار خرق عادات کے فوری طور پر نمایاں نہیں۔ عوام خرق عادات ہی کے جویا رہتے ہیں۔ مگر جو کچھ عوام کے نزدیک کرامت ہے وہ خدا کے نزدیک کرامت نہیں۔

**اظہار کرامت شرط ولایت نہیں:** ارشاد فرمایا کہ:۔ اولیاء اللہ سے جو کرامات سرزد ہوتی ہیں وہ عقل انسانی سے اس وجہ سے بالاتر ہیں کہ روحانیت کے اُن بلند مراتب تک اہل دنیا کی عقل کو رسائی نہیں۔ مگر باوجود اس امر کے کہ کشف و کرامات کا اظہار ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مسلک فقر میں اسے بہت ادنیٰ مرتبہ دیا گیا ہے جو لوگ اسے عرفان

کا یا خدا رسیدہ ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں لوگوں کی پوشیدہ باتوں کا ظاہر کر دینا، قبل از وقوع کسی امر کی اطلاع دے دینا، دشوار یا ناممکن امور کو ظہور میں لے آنا، یہ اور اسی قسم کی اور باتیں ایسی ہیں جن کا علاوہ فقراء کے اور لوگ بھی تھوڑا بہت تماشہ دکھا سکتے ہیں اور دکھاتے رہتے ہیں۔ بھلا ایسی چیز کیوں کر دلیل فقر ہو سکتی ہے۔ جس طرح بازی گروں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں فقراء سے بھی غلطیوں کا ہو جانا ممکن ہے۔ فقراء بوجہ اپنی لطافت روحانی کے اور عالم بالا سے ایک مناسبت رکھنے کے عالم مثال کے ذریعہ واقعات آئندہ کا ادراک کر لیتے ہیں۔ وہ واقعات جو ان حضرات پر اس طرح منکشف ہوتے ہیں بالکل صحیح ہوتے ہیں۔ مگر اُن واقعات کا سمجھ لینا اور اُن سے نتائج کا اخذ کرنا ان کے ذاتی فہم و ادراک پر منحصر ہے اور فہم و ادراک کے مدارج میں ان میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔ ہر شخص کے ذہن کی رسائی اس کی ذاتی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ کسی کو عالم انوار سے تعلق زیادہ ہوتا ہے کسی کو کم۔ کسی کی فراست بڑھی ہوتی ہوتی ہے کسی کی گھٹی ہوئی۔ فقراء کے مدارج میں تفاوت کا باعث بھی یہی اختلاف استعداد ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ احمد ابدالی کے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں سے مقابلہ کے ضمن میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کے انکشافات کا ذکر میں پہلے ایک موقع پر تم سے بیان کر چکا ہوں[1]۔

جملہ حضرات اہل بصیرت کشف و کرامات کو زیادہ وقعت سے نہیں دیکھتے۔ چنانچہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا واقعہ ہے کہ آپ تلاش شیخ میں بہت سرگرداں رہے۔ بلخ و بخارا سے لے کر ہندوستان تک دیوانہ وار اسی جستجو میں پھرے۔ ملتان بھی حضرت غیاث الدین ملتانیؒ کی شہرت سُن کر پہنچے۔ وہاں

[1] دیکھو "صبر و استقامت" صفحہ ۱۴۶

دیکھا کہ کشف و کرامات کا بازار بہت گرم ہے مرید ہونے کو جی نہ چاہا۔ وہاں سے اُٹھ آئے اور ایک مسجد میں آکر پڑ رہے اہل محلہ میں سے ایک شخص کھانا لے کر آیا۔ آپ نے کھانے سے انکار فرما دیا۔ اس شخص نے اصرار کیا۔ اس زمانہ میں اسلامی خصائل اعلیٰ اور ادنیٰ سب میں موجود تھے اس نے کہا کہ کھانا کھانا پڑے گا ورنہ سارے مسلمان اس شہر کے گنہگار ہوں گے۔ میں ایک فرض کفایہ ادا کرنے آیا ہوں۔ تم اپنے انکار سے سب کو معصیت میں مبتلا کر دوگے۔ بڑی حجت کے بعد اس نے پوچھا کہ آخر کس بات کا غم ہے جو کھانے سے انکار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تلاش شیخ میں سرگرداں ہوں۔ محرومی کا غم ہے۔ اُس نے عرض کیا کہ کھانا تو تناول فرمالیئے۔ پھر میں ایک بزرگ کا بھی پتہ بتاؤں گا۔ وہ شخص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مُرید تھا۔ اپنے شیخ کا نام اور پتہ بتا دیا۔ بابا صاحبؒ اسی وقت دہلی روانہ ہو گئے۔ جب آپ دہلی خانقاہ شیخ میں پہنچے سہ پہر کا وقت تھا۔ حضرت قطب صاحبؒ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر برآمد ہوئے تو بابا صاحبؒ کو دیکھ کر مریدین سے فرمانے لگے کہ چلو چوگان کھیلیں بابا صاحبؒ پر دیکھتے ہی اثر ہوا۔ ادھر اصرار بیعت شروع ہوا اُدھر کبھی بلا وضو ہونے کا عذر تھا۔ کبھی یہ عذر کہ ہم تو مریدوں کو چوگان کھلاتے ہیں ہم راہِ فقر کو کیا جانیں۔ مگر بابا صاحبؒ نہ مانے اور بالآخر مرید ہو گئے۔ بیعت کے بعد حضرت قطب صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ ملتان میں کشف و کرامات کا اظہار بضرورت کیا جاتا ہے وہاں اس کی ضرورت ہے کہ لوگوں پر پہلے اسلامی برکات اور اسلامی شان ظاہر کی جائے پھر انہیں رجوع الی اللہ کا سبق دیا جائے۔ حضرت شیخ غیاث الدینؒ کے کمالات کشف و کرامات ہی تک محدود نہیں ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جب نماز عصر کے لئے مسجد میں تشریف لاتے

تو شدّت سے گریہ فرماتے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ خلفائے بنی عباس کی حالت ایسی خراب ہے کہ سارا دن اظہار کشف و کرامات میں گذر جاتا ہے اور وقت ضائع ہوتا ہے۔ رجوع الی اللہ میں رخنہ پڑتا ہے جتنی دیران باتوں میں مصروف رہتا ہوں۔ رجوع الی اللہ کی برکات سے محروم رہتا ہوں اور یہ محرومی باعث رنج ہوتی ہے۔ کاملین اور اہل بصیرت کے نزدیک یہ ہے حقیقت کشف و کرامات کی۔

**وقوع کرامات :** ارشاد فرمایا کہ :۔ دنیا میں جو اشیاء جن خواص و افعال کے ساتھ پیدا کی گئی ہیں اُن سے اُن افعال و خواص کا سرزد ہونا ضروری ہے اِلاّ اگر کسی بزرگ کا تصرف برعکس ہو جائے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید رضؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے عمامہ میں چار عدد موئے مبارک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رہتے تھے جن کی یہ برکت تھی کہ آپ تنہا جنگ میں ہزاروں کفار کے مقابلہ پر آجاتے تھے، کبھی کوئی ضرر نہ پہنچا، ہزاروں کو قتل کیا اور ہمیشہ غالب رہے۔ یہ ساری برکت موئے مبارک کی تھی۔ حضرت خالد رضؓ نے زہر بھی کھا لیا تھا اور اُنہیں کچھ اثر نہ ہوا۔ خیر! وہ لوگ تو چشمہ معرفت یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے سیراب تھے۔ ان کا کیا کہنا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے غلامان غلام بھی ایسے گزرے ہیں جن سے اسلام کا نام روشن ہے۔ چنانچہ حضرت ابُویوسف دارانیؒ کا واقعہ اس کی تائید میں موجود ہے۔ قازان جس نے بلاد اسلامیہ کو بکثرت تباہ و برباد کیا ہے اور تقریباً تین کروڑ مسلمانوں کو تہ تیغ کیا ہے ترکستان کا رہنے والا اور مذہباً مجوسی تھا۔ جب تک کہ بکثرت علماء و مشائخ کو قتل نہ کرا لیتا تھا صبح کا ناشتہ نہ کرتا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ علماء و مشائخ جو گرفتار ہو کر آتے تھے ایک صف میں کھڑے کر دیئے جاتے تھے۔ قازان سامنے ہوتا تھا۔ اُدھر ایک عالِم قتل کیا جاتا تھا۔ اِدھر قازان سیب کی ایک قاش اُٹھا کر منہ میں رکھتا تھا۔ اس طرح اس کا صبح کا ناشتہ

روز ہوا کرتا تھا۔ ایک روز گرفتار شدہ علماء میں حضرت شیخ ابو یوسف دارانیؒ بھی تھے جو امام غزالیؒ کے دادا پیر تھے۔ آپ قتل ہونے والے علماء و مشائخین کی صف میں کھڑے تھے۔ ایک طرف سے لوگ یکے بعد دیگرے قتل ہوتے جاتے تھے اور قازان حسب عادت فواکہات میں سے ایک ایک قاش اٹھا کر کھاتا جاتا تھا۔ جب حضرت ابو یوسفؒ کی باری قریب آتی آپ چپکے سے ایک شخص کو بیچ میں چھوڑ کر اس کی دوسری جانب آجاتے۔ جلاد یہ دیکھ کر مسکرا دیتا کہ آخر کب تک یوں بچت کی صورت نکالی جائے گی۔ جب سب قتل ہوگئے اور آپ تنہا رہ گئے تو جلاد نے کہا کہ اب کیسے بچو گے۔ آپ نے فرمایا کہ تو میرے قتل پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ جلاد نے غصہ میں زور سے تیغہ مارا۔ آپ نے اللہ کہا اور تیغہ ٹوٹ کر گر پڑا اور آپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ قازان کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ جب اسی طرح متعدد تیغے جلاد کے ہاتھ سے ٹوٹ چکے تو قازان نے اپنے سپہ سالار ہلاکو کو حکم دیا کہ وہ اپنا تیغہ چلائے۔ جب ہلاکو کا تیغہ بھی اسی طرح ٹوٹ گیا تب تو قازان کو بہت زیادہ حیرت ہوئی اور وہ کہنے لگا کہ یہ تو کوئی عجیب و غریب شخص معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابُو یوسف دارانیؒ نے فرمایا کہ اب تیرے اسلام قبول کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اپنے ان مظالم سے باز آ اور کلمہ پڑھ۔ اس نے کہا کہ کوئی کرامت دکھاؤ تو میں اسلام قبول کروں۔ آپ نے فرمایا کیا کرامت دیکھنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا آتش کدہ کی آگ میں سے گزر جاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کام تو بازیگر بھی کر دیا کرتے ہیں۔ کوئی اس سے بھی عجیب تر بات کے لئے کہہ۔ اس نے کہا کہ اچھا زہر کھالو۔ آپ نے فرمایا کہ زہر بھی بہت سا منگا اور کچھ تانبا بھی منگا کر اسے گلا۔ چنانچہ یہ دونوں چیزیں مہیّا کی گئیں۔ آپ نے وضو کیا۔ دو رکعت نفل پڑھیں پھر اس زہر کو کھانا شروع کیا اور گلے ہوئے تانبہ کو مثل پانی کے پینے لگے اور آپ

کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ قازان بہت نادم ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ خود مسلمان ہونے کے بعد اس نے حکم دے دیا کہ جو اسلام قبول نہ کرے وہ قتل کر دیا جائے بعد ازاں قازان نے درخواست کی کہ میرے تمام جسم میں بال ہیں اور میں نہایت سیاہ فام ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ باتیں جاتی رہیں۔ آپ نے ایک طشت میں پانی منگوا کر کُلّی کر دی اور اس میں چادر تر کر کے اوڑھنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر میں سارا جسم صاف ہو گیا اور رنگت سفید نکل آئی۔ یہ سب کچھ آپ ہی کا تصرف تھا۔ آپ کا مزار مُبارک اسی شہر میں ہے جو قازان نے اپنے نام سے آباد کر کے اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اس شہر کا نام بھی قازان ہے۔ روس کی عملداری میں آج کل واقع ہے اور سُنا ہے کہ روسی بھی آپ کے مزار کا بڑا احترام کرتے ہیں اور اخراجات مزار کے لئے کچھ معافی بھی دے رکھی ہے۔

تمہارے اسی اودھ کا واقعہ ہے کہ غازی الدین حیدر نے پچاس بندوقچی مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحبؒ کے قتل کی غرض سے بھیجے تھے۔ آپ پر بندوقوں کی باڑھ پر باڑھ چلائی گئی مگر آپ کے ایک بھی گولی نہ لگی۔ آپ نہایت اطمینان سے محراب مسجد میں بیٹھے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہے۔ غازی الدین حیدر اس عجیب و غریب واقعہ سے بہت خائف ہوا۔ فوراً حاضر خدمت ہوا۔ عفو تقصیر چاہی۔ دو گاؤں نذر میں پیش کئے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ یہ گاؤں حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کو نذر کر کے اُن کے مزار مبارک کے ماتحت کر دو۔ چنانچہ اس وقت تک ردولی شریف میں یہ معافی قائم و برقرار ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق ردولویؒ ہمارے مشائخ سلسلہ میں سے ہیں۔ آپ کا ایک واقعہ ہے کہ کسی بزرگ کے فیض عام کی خبر سُن کر آپ نے تھوڑی سی کھچڑی ایک دیگچہ میں چڑھا دی۔ جب وہ پک گئی تو اپنی لُنگی اس دیگچہ پر ڈال کر حکم دیا کہ کل قصبہ کے

لوگوں کو یہ کھانا کھلایا جائے۔چنانچہ ایسا کیا گیا اور کھانا کم نہ ہوا۔مہینوں یہ سلسلہ جاری رہا اور لوگ کھانا کھاتے رہے۔آپ نے فرمایا کہ قیامت تک لوگ اسی طرح کھانا کھاتے رہیں گے جب ہنگامہ بہت ہونے لگا تو آپ کے ایک مرید خاص بختیار صاحب نے عرض کیا کہ اس ہنگامہ سے بڑا ہرج ہونے لگا اور بعد وصال اندیشہ ہے کہ سخت بدتمیزیاں شروع ہو جائیں۔آپ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ لُنگی دیگچہ سے ہٹا لو۔لُنگی ہٹانے کے بعد دیگچہ میں دیکھا گیا تو کچھ بھی نہ تھا۔شیخ کی ایک کرامت اس وقت تک ہر شخص دیکھ سکتا ہے مگر اس کے لئے ہماری اجازت کی ضرورت ہے۔کوئی شخص ہم سے اجازت لے کر مزار مبارک پر ردولی شریف حاضر ہو تو مزار سے "حق۔حق۔حق" کی آواز سُنے گا لیکن اس آواز کے سننے کے بعد وہ دنیا کے کام کا نہ رہے گا۔

نواح ہرات میں ایک بزرگ حضرت ابو اسحاق گازرونیؒ گزرے ہیں ایک روز آپ نے چار مسافروں کو کھانا کھلایا تھا۔وہ مسافر حقیقتاً ابدال تھے۔جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ابدالوں میں یہ بحث چھڑی کہ اس شخص کو کھانے کی قیمت کون دے اور یہ کس کے حصہ میں آوے۔چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی اور ایک صاحب کے حصّہ میں وہ آئے۔انہوں نے فرمایا کہ میرے حصہ میں ان کے آنے کا سبب یہ ہے کہ ایک وقت میرے شیخ اس راہ سے گزرے تھے اور اس قصبہ کے لوگوں نے ان کی بہت خاطر تواضع کی تھی۔بس اسی مناسبت سے یہ شخص میرے حصہ میں آیا ہے۔ذرا خیال کرو کہ جب ایسے خفیف تعلقات کا یہ حال ہے اور اس راہ میں قدم رکھنے والوں کے ساتھ تھوڑا سا بھی التفات اس نوع کے آثار کے مترتب ہونے کا باعث ہوتا ہے تو جو شخص حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرے گا اسے بوجہ اس تعلق کے کیسے کچھ عظیم الشان فوائد حاصل نہ ہوں گے۔ان بزرگ نے جن کے حصّہ میں حضرت

ابو اسحاق گازرونیؒ آئے۔ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ہم نے تم کو دین و دنیا دونوں عطا کیں۔چنانچہ ابو اسحٰقؒ مشہور مشائخ کبار میں سے گزرے ہیں اور ان کا چراغ اب تک ان کے مزار پر روشن ہے اور سیاحوں کی حیرت کا باعث بنا ہوا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ :۔ سیّد عبداللہ اور سیّد حسین علی سادات بارہا میں سے تھے۔ان لوگوں نے سلطنت دہلی پر اس قدر قابو پا لیا تھا کہ یہ بادشاہ گر بن گئے تھے۔چنانچہ ان ہی نے فرخ سیر کو تخت پر بٹھایا۔ان کی کوشش یہ تھی کہ بادشاہ کو شیعہ بنالیں اور اس غرض سے اس کا عقیدہ بگاڑنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے۔حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ آپ کا وصال سماع میں اس شعر پر ہوا ہے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را     ہر زماں از غیب جانے دیگر است

مشہور ہے کہ اس شعر کی تکرار میں جب قوال پہلا مصرع پڑھتے تھے تو حضرت جان بحق تسلیم ہو جاتے اور دوسرے مصرع پر تڑپنے لگتے۔چنانچہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے مزار مقدس پر قوال اس غزل کو اور اس شعر کو نہیں گاتے اس خیال سے کہ مبادا اب بھی مصرع اولیٰ آپ کی روح میں وہی تڑپ پیدا کر دے۔سید حسین علی ایک روز بادشاہ کو لے کر سیر کو نکلا اور حضرت قطب صاحبؒ کے مزار پر اُسے لے کر آیا۔مزار پر قوالوں کا انتظام پہلے سے تھا۔بادشاہ کے پہنچتے ہی قوالوں نے اسی شعر کو گانا شروع کیا۔حسین علی کا یہ خیال تھا کہ یہ بات کہ اس شعر کو سُن کر حضرت قطب صاحبؒ قبر سے باہر نکل پڑیں گے صوفیوں کا ڈھکوسلا ہے۔بادشاہ پر ثابت کر دیا جائے کہ دیکھئے یہ شعر گایا گیا اور حضرت مزار سے نہ نکلے۔اس سے بادشاہ کا دل اس طرف سے ہٹ کر رفض کی جانب مائل ہو گا۔جس وقت کہ قوال یہ شعر گا رہے تھے ایک بزرگ درگاہ کے کسی کونہ میں مراقب تھے۔اس شعر کے شروع ہوتے ہی وہ بزرگ مراقبہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور قوالوں کی طرف دوڑ کر

انہیں سختی سے روکا اور بادشاہ سے کہا کہ یہ تم نے کیا غضب کیا دیکھتے نہیں کہ حضرت کے دونوں ہاتھ اور پیر مزار سے باہر نکلے ہوئے ہیں اور جنبش میں ہیں۔ کیوں شیخ کی بے حرمتی کے درپے ہو۔ دیکھا تو واقعی یہی کیفیت تھی۔ سید حسین علی جل کر کباب ہو گیا اور بادشاہ راسخ الاعتقاد ہو گیا۔ مزار مقدس خام ہے اور وہ جوف آج تک باقی ہے جہاں دست و پا مبارک ظاہر ہوئے تھے۔ عجیب بات ہے کہ اس زمانے سے لے کر اس زمانہ تک وہ جوف سوا سیر صندل سے روز پُر کیا جاتا ہے مگر دوسرے دن وہ جوف پھر ویسے کا ویسا ہی نظر آتا ہے۔

علاؤالدین خلجی فاتح قلعہ کاشغر نے یہ نیت کی تھی کہ قلعہ فتح ہو جائے تو مال غنیمت میں سے بہترین چیز حضرت قطب صاحبؒ یا حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ جب قلعہ فتح ہوا تو ایک مندیل مرصع لے کر علاؤالدین خلجی آستانہ قطب صاحبؒ پر حاضر ہوا۔ مزار سے آواز آئی کہ نظام الدین اولیاءؒ سے کہو کہ اسے پہن کر آئیں اور فاتحہ پڑھیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت سلطان المشائخؒ تشریف لائے اور بعد فراغت فاتحہ وہ مندیل خدام آستانہ کو عطا فرما دی گئی۔ اس طرح بادشاہ کی نیت دونوں بزرگوں کے متعلق پوری ہوئی۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ جس مقام پر اس وقت حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کا مزار مبارک موجود ہے اس کے گرد و نواح میں وہ دہلی آباد تھی جو تغلق اور خلجی خاندان کے بادشاہوں کی آباد کی ہوئی تھی یہ بہت بڑا شہر تھا۔ ہندوستان کا دارالسلطنت تھا۔ اس کی آبادی کا کیا پوچھنا۔ خود محلات شاہی اور لوازمات شاہی سے متعلق عمارات ایک بہت بڑے دَور میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مگر آج چشم عبرت سے دیکھو کہ اُن میں سے کسی کا نشان تک باقی نہیں رہا۔ وہ سب کچھ دنیا کا ایک تماشا تھا۔ نہ وہ تماشائی باقی رہے نہ تماشا باقی رہا اور سارے کھلونے خاک

ہیں مل گئے۔ سب ہی کچھ مٹی میں مل گیا مگر اُن کھنڈروں اور مٹے ہوئے آثار کے درمیان ایک عمارت اسی آن بان اور اسی عظمت و شان کے ساتھ قائم ہے اور وہ مقبرہ ہے حضرت سلطان المشائخ ؒ کا۔ وہاں آج بھی وہی چہل پہل اور وہی اژدہام خلق ہے جو زمانہ سلف میں تھا جب کہ وہ دہلی آباد تھی۔ سینکڑوں انقلابات آئے اور گذر گئے مگر آستانہ محبوبی پر وہی ساز و سامان اور وہی کرّوفر باقی ہے۔ غور کرو کہ یہ خود حضرت شیخ ؒ کی کتنی بڑی کرامت ہے۔ ورنہ جن لوگوں نے عمارات شاہی کو ڈھا دیا انہیں اس ڈیڑھ اینٹ کی عمارت کے ڈھا دینے میں کیا لگتا تھا۔

محمد شاہ رنگیلے کی قبر بھی حضرت ؒ کے احاطہ درگاہ کے اندر ہے۔ اس کی قبر پر شاہانہ شان کے اظہار کے لئے آرائش کا زرق برق اور نہایت بیش قیمت سامان رہتا تھا۔ مرہٹہ گردی کے زمانہ میں مرہٹوں کے غول درگاہ شریف کے اندر بھی آئے اور محمد شاہ کی قبر کے سامان کو لوٹ لے گئے۔ اس کے بعد مقبرہ شریف کا سامان لُوٹنے کا قصد کیا۔ لٹیرے سپاہیوں کو اس غرض سے بھیجا گیا مگر انہیں اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ واپس آگئے۔ یہ دیکھ کر ان کا سردار خود گیا۔ جب مقبرہ کے اندر جانے کا قصد کیا تو دیکھا کہ ایک شیر بیٹھا ہوا ہے۔ کانپ اُٹھا۔ جو سامان لوٹا تھا اسے وہیں ڈال دیا اور اپنے گلے کا ہار اُتار کر خدام کو نذر میں پیش کیا اور ان کی خوشامد کرنے لگا کہ اس مقام سے صحیح و سلامت اسے باہر نکال دیں۔

حضرت سلطان المشائخ ؒ کا جب وصال ہونے لگا تو آپ نے تھوڑی دیر پیشتر حکم دیا کہ جو کچھ سامان خورد و نوش اور لباس و پوشاک موجود ہے ان سب کو خیرات کر دیا جائے۔ چنانچہ لباس اور کپڑوں کے کئی صندوق مریدین و مساکین میں تقسیم کر دیئے گئے اور کئی سو من غلہ جو باورچی خانہ اور لنگر خانہ کی عمارات میں جمع تھا خیرات کر دیا گیا یہ دیکھ کر خدامانِ آستانہ کے دل ملول ہوئے اور انہیں فکر پیدا ہوئی کہ آئندہ بسر اوقات

کا اب کیا سہارا ہوگا۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ ملول مت ہو۔ ہمارے مزار سے تم کو اس قدر فتوحات ہوتی رہیں گی کہ تمہیں کبھی کسی کی حاجت نہ رہے گی۔ چنانچہ اس وقت تک باوجود اس امر کے کہ اس آستانہ سے متعلق نہ کوئی معافی ہے نہ جاگیر، کُل خدام کی بسر اوقات بھی وہیں سے ہوتی ہے اور روشنی و دیگر ضروریات آستانہ کا بھی انتظام ہو جاتا ہے۔ ذرا اہل دنیا غور کریں کہ وہاں کے بادشاہوں نے بقائے سلطنت اور بقائے نام و نشان کے کیا کچھ سامان نہ کئے تھے مگر اُن کی قبروں تک کا لوگوں کو پتہ نہیں اور دیکھو! عاشقان الٰہی کے نام و نشان کیسے زندہ اور قائم اور باعث کشش خلق ہوتے ہیں۔ اس عارضی اور بے وفا دنیا کو چھوڑ کر جس کا دامن ان حضرات نے پکڑا ہے وہ خود اُن کو اور اُن کے نام و نشان کو زندہ اور سر سبز رکھتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے صرف ایک ہی مرید تھے۔ حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ جن کو ایک موقع پر حضرت شیخؒ نے اپنے پاس سے رخصت کیا اور فوج شاہی میں ملازمت قبول کر لینے کی اجازت دی۔ فرمایا کہ اب ہم پر عالم حیرت طاری ہونے والا ہے۔ ایسی حالت میں تم ہمارے پاس رہ کر کیا کرو گے۔ جس روز تمہارے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر ہو سمجھ لینا کہ ہمارا وصال ہو گیا۔ آ کر ہماری تجہیز و تکفین کر جانا۔ چنانچہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ رخصت ہو کر فوج شاہی میں جا کر ملازم ہو گئے۔ علاؤ الدین خلجی بادشاہ تھا۔ ایک راجہ کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ قلعہ فتح نہ ہوتا تھا۔ مشورہ ہوا کہ کسی بزرگ سے دعا کے لئے عرض کرنا چاہیئے۔ بڑی تلاش سے ایک بزرگ ملے جن سے دعا کی بابت عرض کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ دعا کرنے والا تو تمہارے ہی لشکر میں موجود ہے اسی کی دعا پر فتح کا انحصار ہے۔ ان کا نام نہیں بتا سکتا ورنہ مجھے نقصان پہنچ جائے گا ایک علامت بتلاتا ہوں جس سے شناخت کر لینا۔ فلاں روز ایسی سخت آندھی آدے گی کہ

نہ کوئی خیمہ قائم رہ سکے گا نہ کوئی چراغ روشن رہ سکے گا۔ مگر ایک شخص چراغ جلائے ہوئے قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوگا۔ اس آندھی بارش سے نہ اس کا چراغ گل ہوگا نہ قرآن شریف پر پانی کا ایک قطرہ ہوگا۔ بس وہی وہ شخص ہوگا۔ وقت مقررہ پر آندھی آئی۔ بارش ہوئی خیمے سب گر گئے۔ چراغ سب گل ہوگئے۔ علاؤالدین خلجی خود اس مرد بزرگ کی تلاش میں نکلا۔ دیکھا کہ واقعی ایک شخص کا چراغ روشن ہے اور وہ تلاوت قرآن میں منہمک ہے۔ بادشاہ کے آنے تک کی آپ کو خبر نہ ہوئی۔ بادشاہ مؤدب کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ کو چھینک آئی۔ آپ نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا کہ ایک مجمع بادشاہ کے ہمراہ ہے۔ بادشاہ نے دعا کی درخواست کی۔ آپ عذر فرماتے رہے کہ میں تو ایک ادنیٰ سپاہی ہوں۔ میری دعا میں یہ تاثیر کہاں۔ جب بادشاہ کا اصرار بہت بڑھا تو آپ نے سمجھ لیا کہ میرے شیخؒ کے وصال کا وقت قریب آگیا۔ آپ نے فرمائش کی کہ کفن کا سامان خوشبو وغیرہ اور ایک معمولی سا ٹٹو مہیا کیا جائے تو دعا کی جائے گی۔ جب یہ سب سامان مہیا ہوگیا تو آپ نے اپنا سامان سفر ٹٹو پر لادا۔ قلعہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ قلعہ فتح ہوگیا۔ یہ فرماتے ہی قلعہ کی فصیل گر پڑی۔ شاہی فوج قلعہ میں گھس گئی اور آپ ٹٹو پر سوار ہو کر کلیر شریف کی جانب روانہ ہوگئے۔ بادشاہ نے چند تیز گھوڑوں پر سوار روانہ کئے کہ حضرت کو جانے نہ دیں مگر وہ تیز گھوڑے اس مریل اور خستہ حال ٹٹو کو نہ پا سکے۔ آپ کلیر شریف پہنچے تو دیکھا کہ شیخؒ کا وصال ہو چکا ہے۔ غسل و کفن دے کر آپ نے نماز جنازہ ادا کی اور چاہتے تھے کہ جسم مبارک کو قبر میں اتاریں کہ شیخؒ نے فرمایا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں خود قبر میں لیٹ جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب قبر پر تختے دیئے جارہے تھے تو حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ تم کو پانی پت کی ولایت عطا کی۔ چنانچہ بعد فراغت آپ پانی پت تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں جا کر وہاں مقیم ہوئے

حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کا وہ زمانہ تھا۔ انہوں نے کچھ کھانا بطور نذر کے آپ کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا کہ یہاں کی ولایت مجھ سے لے کر زاہد مغرب کے سپرد کر دی گئی۔ پھر خود کرنال تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار فرمائی۔

ارشاد فرمایا کہ:۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش مدینہ منورہ میں اس روز ہوئی جس روز امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضؓ کو غلام فیروز نے خنجر کا زخم لگایا۔ آپ کی والدہ بصرہ سے تشریف لائی تھیں اور اپنی خوشی سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضؓ کے گھر اُن کی خدمت کی غرض سے رہنا اختیار کیا تھا جس وقت امیرالمؤمنین رضؓ کے زخمی ہونے کا ہنگامہ مسجد نبوی میں واقع ہوا اور شور و غل مچا تو حضرت ام سلمہ رضؓ نے اپنی خادمہ کو آواز دی تاکہ وہ دریافت کریں کہ باہر یہ شور و شغب کیا ہے مگر معلوم ہوا کہ انہوں نے اُسی وقت بچہ جنا ہے۔ اس لئے آپ خود دروازہ پر دریافت حال کے لئے تشریف لے گئیں۔ دیکھا کہ امام حسن رضؓ مسجد سے بعجلت تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی زبانی امیرالمومنین رضؓ کے مجروح ہونے کا حال معلوم ہوا۔ حضرت ام سلمہ رضؓ نے امام حسن رضؓ سے تفاول کیا اور بچہ کا نام حسن رکھا۔ جس زمانہ میں حضرت علی رضؓ کا دارالخلافہ عراق یعنی کوفہ میں تھا تو ایک روز آپ کو خبر ملی کہ لوگ اناپ شناپ وعظ مسجدوں میں کہتے پھرتے ہیں۔ آپ نے سب کو وعظ کہنے کی ممانعت فرما دی۔ ایک مسجد میں حضرت حسن بصریؒ بھی وعظ فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ کا سن سولہ سال کا تھا۔ لوگوں نے حضرت علی رضؓ کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت علی رضؓ بنفس نفیس اس مسجد میں تشریف لے گئے۔ دیکھا تو آپ کا وعظ بالکل قال اللہ اور قال الرسول کے مطابق تھا۔ چنانچہ آپ کی ممانعت سے لوگوں کو روک دیا۔ جب آپ اپنا وعظ ختم کر کے مسجد سے باہر نکلے تو حضرت علی رضؓ نے آپ کو گلے لگایا اور اپنی خدمت میں رکھا ایام طفولیت میں حضرت ام سلمہ رضؓ آپ کو گود میں لیا کرتی تھیں اور جب

آپ روتے تو اپنے پستان مُبارک آپ کے مُنہ میں دے دیتیں۔ بس ان ہی دو باتوں کی برکت ہے جو آپ امام الاولیاء ہوئے۔ حجاج بن یوسف بڑا ظالم و جابر شخص تھا جس نے خانہ کعبہ تک کی توہین کی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خانہ کعبہ میں جہاں خون بہانا حرام ہے شہید کیا۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو اس ظالم نے کئی بار قید کیا مگر آپ ہر دفعہ قید خانے سے دوسرے قیدیوں کو بھی آزاد کرا دیتے تھے اور خود بھی غائب ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو گرفتار کر کے حجاج نے اپنے سامنے کھڑا کیا اور جلاد کو حکم دیا کہ آپ کو قتل کر دے۔ جب جلاد تلوار اٹھاتا آپ یَابَاطِنُ کا نعرہ لگاتے اور غائب ہو جاتے۔ جب جلّاد اپنا ہاتھ کھینچ لیتا تو آپ یَاظَاهِرُ کہہ کر پھر سامنے آجاتے۔ ایسا چند بار ہوا۔ بالآخر حجاج عاجز آگیا اور کہنے لگا کہ بددعا نہ کرنے کا وعدہ کیجئے تو میں قتل سے باز آجاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارا کام بددعا کرنا نہیں ہے۔ لیکن تو منتقم حقیقی کے انتقام سے ڈر۔

# متفرق تقریریں

## اشاعت اسلام بذریعہ صوفیائے کرام

ارشاد فرمایا کہ:۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ ہم عصر تھے۔ یاد رکھو کہ محی الدین آپ کا نام وہبی ہے۔ ایک موقعہ پر حضرت شہاب الدین سہروردیؒ حضرت ابن عربیؒ سے ملنے تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ شیخ ابن عربیؒ کو آپ نے کیسا پایا۔ آپ نے فرمایا کہ ملنے کے قابل نہیں ہیں۔ کچھ عرصہ بعد جب شیخ ابن عربیؒ کی وفات کی خبر آپ تک پہنچی تو آپ نے بڑا افسوس کیا اور فرمایا کہ قطب وقت کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے شکایت کی آپ

نے پہلے موقع پر ان کی مذمت کیوں فرمائی جو ہم لوگ ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ توحید کے بحر ذخار تھے۔ تم لوگ اتنا ظرف نہیں رکھتے کہ اُن کی خدمت میں جا کر فائدہ اٹھاتے۔ بلکہ اُن کی باتیں سُن کر تم گمراہ ہو جاتے۔ اس لئے میں نے تم کو اُن کے پاس جانے سے باز رکھا۔ لوگوں نے ان دونوں حضرات کی باہمی ملاقات کے بعد حضرت ابن عربیؒ سے بھی حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی بابت دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدینؒ تصویر پیغمبرؐ ہیں۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے مریدوں میں سے ایک بزرگ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ تھے جن کو ان کے شیخ نے دو پیسے اور کھانے کی کچھ کھرچن دے کر ہندوستان روانہ کیا اور حکم دیا کہ ملتان میں اقامت اختیار کر کے کفار کو تلقین اسلام کرو۔ چنانچہ آپ ملتان تشریف لائے تو اس صورت سے کہ پیسے پیشانی پر بندھے تھے اور کھرچن کی ہنڈیا سر پر تھی۔ آکر آپ ایک مسجد میں ٹھہر گئے۔ کفار میں سے ایک امیر کا لڑکا بیمار تھا۔ اس کے علاج کی غرض سے لوگ آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ لڑکا اچھا ہو جائے گا بشرطیکہ وہ اسلام قبول کرے۔ پھر آپ نے وہی کھرچن جو شیخ کے پاس سے لائے تھے لڑکے کو کھلا دی۔ لڑکا اچھا ہو گیا، اُس کے سارے خاندان نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح بکثرت کفار آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے صوفیائے کرام نے تبلیغ اور اشاعت اسلام میں بہت حصہ لیا ہے۔

**تازیانہ عبرت:** ارشاد فرمایا کہ:۔ کسی زمانہ میں سلطان روم پر اہل یورپ ہنستے تھے کہ کیسے بزدل ہیں جو فوجوں کے بیچ میں گھر کر جمعہ کی نماز کو جایا کرتے ہیں۔ اللہ پاک کی شان دیکھو کہ آج وہی حالت اس نے ہنسنے والوں کی بھی کر دی۔ تازیانہ عبرت کفار اور مؤمن دونوں پر یکساں پڑتا ہے اور دونوں کو یکساں طور پر متنبہ کیا

جاتا ہے اور داعی الی اللہ کا فیضان دونوں کے لئے یکساں فیاضی سے ہوتا ہے مگر کفار اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور مومن ان اشارات کو سمجھتے ہیں، ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور حصول تقرب الٰہی میں سعی کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک ایسی اندھیری رات ہے جس میں ابر گھرا ہو، شب دیجور کی تاریکی ہو، کچھ نظر نہ آتا ہو، قدم چلنا دشوار ہو۔ ایسی رات میں جب بجلی چمک جاتی ہے تو دو چار قدم راستہ نظر آ ہی جاتا ہے۔ دو لو وارد اشخاص راستہ طے کرنے اور منزلِ مقصود پر پہنچنے کے قصد سے اس شب میں نکلتے ہیں بجلی چمکتی ہے۔ ایک شخص ڈر جاتا ہے۔ سہم جاتا ہے۔ اس بھیانک رات کے خطرات سے بچنے کے لئے تدابیر سوچنے لگتا ہے۔ دوسرا بجلی کی چمک سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ بجلی کی چمک کو چراغِ ہدایت سمجھ کر ہر چمک پر دو چار قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ یہی فرق کافر و مؤمن میں ہے۔ دنیا کی اس شب تاریک میں کفار و فسّاق کا قدم آگے نہیں بڑھتا اور مومن کا ہر قدم آگے بڑھتا ہے۔ مؤمن قہر الٰہی سے بھی سبق حاصل کرتا ہے اور روشنیٔ ہدایت کے سہارے قدم بڑھائے چلا جاتا ہے برخلاف اس کے کفار قہر الٰہی کو اسباب کا نتیجہ سمجھ کر دنیاوی تدابیر میں مشغول ہو جاتے ہیں حق تعالیٰ خود فرماتا ہے: فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے ہر شخص میں معرفت باری تعالیٰ کی قابلیت ودیعت فرمائی ہے کوئی اس قابلیت سے فائدہ اٹھاتا اور کوئی اسے ضائع کر دیتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:۔ مسلمان بادشاہوں نے جو فوج اور لشکر اور جلوس و صف بندیاں اور اس قسم کے دیگر ساز و سامان کا اہتمام رکھا تھا وہ صرف نمائش اور تزک و احتشام کی غرض سے تھا نہ کہ جان کے خوف سے مثالاً ایک واقعہ اورنگ زیب کا یاد رکھنے کے قابل ہے۔ بنارس سے مفتی صدر الدین دھوتی اور زنّار پہن کر بادشاہ کے دربار میں دہلی حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا۔ جواب

میں عرض کیا کہ ہندو ہو گیا ہوں۔ باوجود اس کے کہ اسلامی سلطنت ہے بنارس کے مندر بشمبر میں ایک مسلمان ذبح ہو کر نذر چڑھایا جاتا ہے۔ عالمگیر کو طیش آگیا۔ اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک سانڈنی پر خود سوار ہوا اور مفتی کو بھی سوار کیا اور کہا کہ بنارس پہنچ کر کھانا کھاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ کوتوال شہر کو خفیہ طور پر اطلاع دی اور دو سو سپاہی کوتوالی سے لے کر تنہا جا کر مندر کو منہدم کرا دیا اور اس مقام پر مسجد تعمیر کرا دی۔ اکبر کی شجاعت کو دیکھو کہ صغیر سنی میں جب ہیمون بقال سے مقابلہ ہوا اور وہ گرفتار ہو کر سامنے آیا تو اسے پا بہ زنجیر قتل نہیں کیا۔ بلکہ اکبر نے جو کہ اس وقت تیرہ برس[۱۳] کا لڑکا تھا اس کی زنجیریں کھلوا دیں اور اس کے ہاتھ میں تلوار دی اور خود اس کا مقابلہ کیا اور دو چار ہاتھ میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ اب کہاں گئے وہ شجاع اور کہاں ہیں وہ بہادر۔ بس قصے ہی قصے رہ گئے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ

**قرآن کی ابتدا و انتہا:** ارشاد فرمایا کہ:۔ قرآن پاک کے متعلق ایک نکتہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بائے بسم اللہ سے شروع کیا ہے اور مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ میں سین (س) پر ختم کیا ہے اول و آخر کے حروف کو ملاؤ تو لفظ بس بنتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ بس۔ باقی ہوس۔

**ایک معجزہ قرآنی:** ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دعوت اسلام دینے پر یہود کہا کرتے تھے کہ ہم کو دین محمدی اختیار کرنے کی کیا ضرورت۔ ہم خود ایمان والے ہیں اور ایک کتاب سماوی پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اس کا جواب حق تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی یہ لوگ جو ایمان اور خدا کے دوست ہونے کا

دعویٰ کرتے ہیں اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو موت کے مشتاق نہیں اور موت کو عزیز رکھیں۔ اِن لوگوں سے اگر سوال کیا جائے گا تو یہ ہرگز اقرار نہ کریں گے کہ موت کے متمنی ہیں۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے توریت کی قسم دے کر یہود سے سوال کیا کہ آیا اُن کو موت عزیز ہے یا موت سے وہ خائف ہیں۔ آنحضرتؐ کے سامنے سب نے خوف ہی کا اظہار کیا اور کلام پاک کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔ کفار نے بعد میں اُن لوگوں کو ملامت کیا اور پھر بھیجا کہ جاکر کہہ آؤ کہ ہم لوگ موت کو عزیز رکھتے ہیں مگر پھر بھی کسی سے نہ ہو سکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے موت کے متمنی ہونے کا اقرار کریں۔ آخر میں عاجز آکر کفار سے یہود نے کہدیا کہ ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سامنے جاکر مرعوب ہو جاتے ہیں اور کوئی کلمہ غیر حق ہماری زبان سے نہیں نکلتا۔

**قدامت عربی واختلاف السنہ:** ارشاد فرمایا کہ:۔ آدم علیہ السلام کی زبان عربی تھی۔ پس اس لحاظ سے زبان عربی بنی آدم کی قدیم ترین زبان ہے۔ اختلاف السنہ کا سبب وہ الہامات ہیں جن کے ذریعہ مختلف مقامات پر اولاد آدم کو تعلیم علم اسماء کی گئی۔ حق تعالیٰ کی جانب سے ابتداً جو تعلیم ہوئی وہ علم اسماء کی تعلیم تھی جو آدم علیہ السلام کو دی گئی۔ جب اولاد آدم اس زمین پر پھیلی تو مختلف مقامات کے لحاظ سے مختلف طور پر تعلیم اسماء بذریعہ الہام فرمائی گئی اور جس طرح اور جس زبان میں یہ تعلیم فرمائی گئی اسی قسم کی زبان اس حصہ زمین میں رائج ہو گئی۔ حال کی زبانیں ان ہی السنہ اصلی سے مخلوط ہو کر بنی ہیں الہامی نہیں۔ کتبہ خوانی بھی الہامی نہیں۔ دراصل یہ کتبات قرائن اور مہارت سے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق الہام کا دعویٰ باطل ہے۔

**سحر:** ارشاد فرمایا کہ:۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسماء واشیاء میں اثرات احسن

ودیعت فرمائے ہیں اسی طرح اثرات قبیح بھی خلق کئے گئے ہیں۔ تریاق کو دیکھو کیسا اچھا اثر رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے سنکھیا اور افعی کو دیکھو کہ ان میں اثر بد یعنی سمیت ہے۔ اثرات کی یہی کیفیت اسمائے حسنیٰ اور اسمائے خبیثہ میں بھی ہے۔ سحر اسمائے حسنیٰ کے اثر بد کا نام ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر بھی سحر کا اثر ہوا۔ ایک بار تین روز تک حضورؐ پر عالم غشی طاری ہوا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ یہود کو کچھ موئے مبارک جو کنگھی کرنے میں جُدا ہو گئے تھے۔ ہاتھ آ گئے اور وہ لوگ انھیں اپنی خبیث تدبیروں سے دفن کر آئے تھے جس کا یہ اثر ہوا۔ حضورؐ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہوئی۔ چنانچہ جب اس مقام سے موئے مبارک نکالے گئے تب حضورؐ کو صحت ہوئی۔ عموماً لوگوں کو سحر سے بے خبری رہتی ہے۔ مگر صوفیائے کرام کی روح چونکہ غفلت سے پاک رہتی ہے انہیں اس کی اطلاع ہو جاتی ہے اگر کوئی یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کیوں اطلاع نہ ہوئی اور سحر کا اثر ہو گیا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو عبدیت بدرجہ اتم حاصل تھی جہاں اور شانیں آپؐ میں انتہا پر پہنچی ہوئی تھیں وہاں آپؐ میں عبدیت بھی انتہا درجہ کی تھی۔ پس جو حالت آپؐ پر طاری ہوتی گئی آپؐ اسے قبول فرماتے گئے اور مزاحمت نہ کی اور اس وجہ سے آپؐ پر اثر ہو گیا۔ میرے ایک مرید پر سحر ہوا تھا مگر حسن اتفاق کہ میں وقت پر پہنچ گیا اور مجھے اس سحر کی اطلاع بھی ہو گئی چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے اسمائے پاک کی برکت سے سحر کو باطل کر دیا۔

## ممانعت نکاح بازانیہ میں مصلحت :

ارشاد فرمایا کہ :۔ بعد ہجرت حضور سرور کائناتؐ جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو کفار میں زنان فواحش بکثرت تھیں۔ صحابہ کرام نے یہ طے کیا کہ ان عورتوں کو جو مبتلائے فواحش ہیں بعد تبلیغ اسلام نکاح میں لائیں تاکہ ان

کو استقامت فی الدین نصیب ہو نیز فحش بھی ترک ہو جائے۔ حضور سرورِ عالمؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے زنانِ فواحش کو نکاح میں لانے کی ممانعت فرما دی۔ مصلحت اس میں یہ تھی کہ مسلمانوں کا دل ان کی صحبت سے گندہ نہ ہو جائے کیوں کہ معصیت ہائے دیرینہ کی سیاہی باوجود اسلام قبول کر لینے کے بھی ان کے قلوب میں موجود ہونے کا احتمال تھا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

اَلزَّانِیْ لَایَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْمُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْمُشْرِکٌ الخ

**فرقہ گداگران:** ارشاد فرمایا کہ:۔ ہندوستان میں گداگروں کا ایک فرقہ ہے جس گروہ کے لوگ تکیہ دارا در سائیں کہلاتے ہیں۔ اصل میں اس فرقہ کے بانی ایک بزرگ تھے جنہوں نے اہل دنیا کو رجوع الی اللہ سے غافل پا کر اپنے مریدوں کو اشعار یاد کرا دیئے جن میں ترغیب رجوع الی اللہ اور حمد و نعت کے مضامین تھے۔ اس خدمت کے صلہ میں بقدر حاجت انہیں کچھ لے لینے کی بھی اجازت تھی۔ مصلحت یہ تھی کہ اس طریقہ سے بندگانِ خدا کے ہاتھ سے خیر بھی ہوتی رہے اور ترغیب رجوع الی اللہ بھی جاری رہے لیکن جس طرح آج کل اور امور میں خیر کی حقیقت بدل گئی ہے اسی طرح اس کا بھی حشر ہوا اور اب یہ سلسلہ صرف دنیا طلبی کا ذریعہ رہ گیا ہے۔

**ترغیب سفارش:** ارشاد فرمایا کہ:۔ مومن کو چاہیئے کہ اگر کسی بھائی کا کام نکلتا ہو تو کلمہ خیر سے کبھی دریغ نہ کرے۔ کیوں کہ سفارش اگر رائیگاں بھی گئی جب بھی حق تعالیٰ کی طرف سے اجر تو ضرور ملے گا۔

# نعت

خواجۂ ہر دو سرا و مظہرِ نورِ خدا　ذاتِ احمد مصطفےٰ صلِ علیٰ صلِ علیٰ
آئینۂ نامِ خدا آئینۂ نامِ خدا　پرتوِ جمالِ کبریا پرتو جمالِ کبریا
عاشقانِ مصطفےٰ را مژدہ باد مژدہ باد　عشقِ احمد مصطفےٰ عشقِ خدا عشقِ خدا
لمحہ لمحہ در دلِ وارث حسن را رو نمود
با خدا و مصطفےٰ اے مرحبا اے مرحبا

# توحید

من کیستم من کیستم من کیستم　من نیستم من نیستم من نیستم
در یافت را نا یافتم نا یافتم　در حیرتم در حیرتم در حیرتم
جان من مشعل شد و او باد تُند　نئے قرار او را نہ ما را نیز ہم
ایں گرفتاری گرفتاری چو کرد　او شکار ما شد و من در شکار او شدم
وارث حسن دیرینہ شد دیرینہ شُد
دیرینہ پختہ میشود پامال ہم پامال ہم

# انڈیکس

(یعنی فہرست مطالب بترتیب حروفِ تہجّی)

# ہماری مطبوعات

## سرِّ دلبراں

کوئی علم اور کوئی فن ایسا نہیں ہے جس کے لئے اصطلاحات وضع نہ ہوئی ہوں فہم انسانی کی رہنمائی اور بطون حقیقت تک رسائی کے لئے ہر فن کی فنّی اصطلاحات مُمِدّ و معاون ہوتی ہیں۔ گویا ہر علم و فن اپنی اپنی اصطلاحات کا محتاج ہے۔ راہِ تصوّف میں جن اُمور سے سابقہ پڑتا ہے وہ محسوسات سے بالاتر ہیں اور اُن کے ذریعہ رموز و حقائقِ الٰہیّہ کے صحیح طور سے سمجھنے پر سالک کی ترقی کا انحصار ہے اس لئے اس علم میں اصطلاحات کی اشد ضرورت ہے۔

حضرت شاہ سیّد محمّد ذوقی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف "سرّ دلبراں" میں اصطلاحات تصوّف پر تشریحی بحث کی گئی ہے اس نادر کتاب سے دو فائدے متصوّر ہیں ایک ذوقِ صحیح جو اصل اسلام ہے اس کتاب کو پڑھ کر لوگوں کو حاصل ہوگا۔ دوسرے بہت سی غلطیاں جو لوگوں میں مشہور ہیں دُور ہو جائیں گی۔

صفحات : ۴۸۰
سائز : $7 \times 9\frac{1}{2}$

# تربیۃ العشّاق

یہ حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے شاہ صاحبؒ کے خلیفۂ اجل حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ، جناب کپتان واحد بخش سیال، جناب خطیب محمد حسین برے اور جناب سید شریف الحسن نے مرتّب فرمایا ہے۔ یہ مجموعۂ ملفوظات کئی خصوصیات کا حامل ہے۔ وہ حضرات جو کسی سلسلہ سے منسلک ہیں ان کے لئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ حبِ شیخ و حبِ رسولﷺ کی زیادتی کا باعث ہوگا اور بے شمار رُوحانی فوائد کے علاوہ توحیدِ وجودی کی چاشنی بھی میسّر آئے گی۔ وہ حضرات جنھیں کسی شیخ مکمل کی صحبت نصیب نہیں ہوئی ہے ان کے لئے اس کتاب کی رفاقت بلا شبہ بطرز جمال ہم نشیں اثر انداز ہوگی۔ نیز اس دورِ الحاد میں علمِ دین کی کمی یا مذہب سے بیگانگی یا کج فہمی کی وجہ سے دینی امور میں بعض لوگوں کی جانب سے جو اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں انکے مدلّل و مسکت جوابات آپ اس کتاب میں موجود پائیں گے۔

صفحات : ۸۳۲

سائز : ۸½×۵½

# مضامینِ ذوقی (اُردو)

حضرت شاہ سیّد محمدؐ ذوقیؒ کے سیاسی، اصلاحی، تاریخی اور رُوحانی مضامین کا مجموعہ جس کے بیشتر مضامین مختلف مقامات کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں اور جنھیں جناب کپتان واحد بخش سیال نے مرتّب فرمایا ہے۔ اس کتاب میں وہ خط و کتابت بھی درج ہے جو بعض اہم مسائل سے متعلق یورپ کے بعض نامور مُسلمانوں کے ساتھ رہی ہے اور چند مکتوبات جو غیر مُسلموں کے نام ہیں وہ بھی اس میں شامل کئے گئے ہیں۔

صفحات: ۴۳۸

سائز ۸½×۵½

# برزخ

حضرت شاہ سیّد محمدؐ ذوقیؒ کی اس کتاب میں حیات بعد الممات کے مسئلہ کو نہایت قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوئی تھی۔

صفحات: ۱۳۲

سائز: ۸½×۵½

# حجِ ذوقی

یہ نہ صرف حضرت شاہ سیّد محمّد ذوقیؒ کا سفرنامۂ حج ہے بلکہ حج سے متعلق شرعی معلومات کے علاوہ رُوحانی حقائق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جناب کپتان واحد بخش سیال کے مرتّب کردہ اس کتاب کا مقصد قارئین کو یہ بتانا ہے کہ اہل اللہ کی نظر میں حج کیا ہے اور ان حضرات کے نظریہ پر عمل پیرا ہونے سے سفرِ حج اور زیارت روضۂ پاک سے کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

صفحات : ۱۱۲

سائز : ۳¾ × ۷

# SUFISM

حضرت شاہ سیّد محمّد ذوقیؒ کے اس انگریزی کتابچہ میں بہت مختصر مگر مؤثر پیرایہ میں بتایا گیا ہے کہ تصوّف کیا ہے۔

صفحات : ۲۰

سائز : ۸½×۵½

# INNER ASPECTS OF FAITH

یہ اُن نایاب مضامین کا مجموعہ ہے جو حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ نے وقتاً فوقتاً انگریزی میں تحریر فرمائے اور جن میں وجودِ باری تعالیٰ، حدیثِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اہمیّت وصداقت اور تصوّف کے اسرار کو ایک عام فہم اور مدلّل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

صفحات : ۱۶۶

سائز : ۸½×۵½

# EVERYDAY PRACTICE IN ISLAM

حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ کی اس انگریزی تصنیف میں نہایت واضح اور جامع انداز میں فقہ حنفی کے مُطابق روزمرہ کے مسائل درج ہیں۔

صفحات : ۷۰

سائز : ۴¾×۷

# MORAL MESSAGE OF GOD AND HIS PROPHET

حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ کی اس انگریزی تصنیف میں اسلام کے اخلاقی پہلوؤں کو قرآن اور حدیث کے حوالوں سے نہایت جامع طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

صفحات : ۶۰

سائز : ۴¾×۷

# گُلِ صد برگ

حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ کے اُردو میں چند مقالات کا مجموعہ جو آپ کی حیات میں شائع ہُوا تھا کچھ اور اضافی مضامین کے ساتھ دوبارہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔

صفحات: ۷۲

سائز: ۱/۲ ۵ × ۱/۲ ۸

ناشران

MAHFIL-E-ZAUQIA
C-67/14-A, NORTH KARACHI.
NEAR SAKHI HASAN GRAVEYARD
KARACHI-75850 PAKISTAN.